کشمیر اور ڈوگرہ راج

سنہ ۱۸۴۶ء - سنہ ۱۹۳۱ء

مُصنّف

ملک فضل حسین

کشمیر اور ڈوگرہ راج

ملک فضل حسین

نام کتاب ——— کشمیر اور ڈوگرہ راج

مصنف ——— ملک فضل حسین

قیمت ——— پینتالیس روپے ۴۵/-

زیر اہتمام ——— معراج الدین

تعداد ——— دو ہزار ۲

صفحات ——— ۳۹۲

بار اول ——— سنہ ۱۹۳۱ء

بار دوم ——— سنہ ۱۹۸۰ء

طابع ——— گلوب آفسٹ پرنٹرز دہلی

——— ناشر ———

گلشن پبلشرز

گاؤکدل سری نگر کشمیر

پیش لفظ

دنیا کے فلاسفروں، شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں نے کشمیر کو جنّت نظیر کہا ہے۔ مگر یہاں کے بسنے والے مظلوم عوام حیوانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ حکمران ڈوگرہ شاہی مغل اور سکھ دور میں کشمیر کے عوام کو زر خرید غلام سمجھا جاتا تھا اور اُن کے ساتھ حیوانوں جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ جاگیر دار اور چکدار غریب کاشتکاروں کی کمائی پر ہاتھ صاف کرنے کے علاوہ ان کی بہو بیٹیوں کی عزت پر حملہ کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ بے وسیلہ اور مظلوموں کے لئے سرکاری مُلازمتوں اور وظائف حاصل کرنے کے دروازے بند تھے۔ کوئی شخص فریاد سننے والا نہ تھا۔

آخر قدرت نے مظلوم کشمیریوں پر رحم کیا اور ان کو شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی صورت میں رہنما عطا کیا۔ شیخ صاحب نے عوام کو ان کے حقوق کا احساس دلایا۔ آخر مسلمانان جموں وکشمیر نے شیر کشمیر کی قیادت میں منظم ہونا شروع کیا مسلمانوں نے اپنے نمایندے چُن لئے۔ اور ایک یادداشت مرتب کی۔ اور ان نمایندوں کے ذریعہ براہ راست مہاراجہ کو پیش کرنے کا فیصلہ لیا۔ خانقاہ معلی شاہ ہمدانؒ اور جامع مسجد شریف اُس وقت مسلمانوں کے لئے خاص مرکز تھے۔ شیخ صاحب اور دوسرے نمایندے ان ہی جگہوں پر تقاریر کرتے تھے سنہ ۱۹۳۱ء مئی اور جون میں جناب شیر کشمیر

شیخ محمد عبداللہ نے سرینگر میں مختلف مقامات پر تقاریر کا سلسلہ شروع کیا۔ مئی کے آخری ہفتے میں خانقاہ معلیٰ کے صحن پاک میں نمائندوں کا جلسہ ہوا۔ جب جلسہ ختم ہوا۔ رہنما گھروں کی طرف روانہ ہوئے۔ لوگوں نے جلسہ گاہ سے باہر جانا شروع کیا تو ایک بزرگ جو کھدر کے لباس میں ملبوس تھا پلیٹ فارم پر نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگا اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ لوگ پھر سے بیٹھ گئے۔ اور اس کھدر پوش بزرگ نے اُردو میں تقریر کرنی شروع کی۔ سمجھنے والے بہت کم اس کی زبان کو سمجھتے تھے۔ مگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ مقرر مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر رہا ہے۔

راقم اُس وقت جلسہ گاہ میں موجود تھا اور نعرہ بلند کر رہا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ تقریر کرنیوالا بزرگ عبدالقدیر خان صوبہ سرحد پیشاور کا رہنے والا ہے۔ اور ایک یورپین خاتون کے پاس مُلازم ہے جو نگین باغ سرینگر میں ٹھیری ہے۔ عبدالقدیر صاحب نے اپنی تقریر میں مُسلمانوں سے ہمدردی اور حکومت کے ظالمانہ رویہ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

دوسرے دن حکومت نے مولانا عبدالقدیر خان کو گرفتار کرلیا۔ اور اس کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلایا۔ مقدمہ کی پیشی سشن جج سری نگر کی عدالت میں شروع ہوئی۔ عوام عدالت میں جوق درجوق اپنے محسن کے مقدمہ کی کارروائی سننے کے لیے جاتے رہے۔ یہ دیکھکر حکومت پریشان

ہوئی اور عدالت پر پولیس کا پہرہ بٹھا دیا۔ ادھر شیخ صاحب نے عدالت میں مولانا قدیر سے ملاقات کی اور ان کی قانونی بچاؤ کے لیے قانونی مشیروں کا انتظام کیا۔ عوام کی ہمدردیاں مولانا عبدالقدیر کے تیئں دیکھ کر حکومت نے مقدمہ کی کارروائی سرینگر سینٹرل جیل کے احاطہ میں کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کو مقدمہ کی پیشی سینٹرل جیل میں شروع ہوئی تھی لوگ شہر کے مختلف علاقوں سے کارروائی سننے کے لئے جیل کے بیرون احاطہ میں جمع ہونے لگے۔ میں بھی سکول سے نکل کر جیل کی طرف روانہ ہوا۔ میرے ساتھ پیرزادہ محمد یحییٰ رفیقی مسٹر غلام حسن اعجاز۔ خواجہ غلام محمد پانڈے اور خواجہ عبدالخالق شورہ بجلی لائن میں مہاراج گنج بھی تھے۔ جیل کے بیرونی احاطہ میں لوگوں نے یہ مطالبہ کیا کہ مولانا عبدالقدیر کے مقدمہ کی پیشی بیرون احاطہ میں کی جائے۔ مگر سشن جج نے مطالبہ منظور کرنے کی بجائے پولیس کو ٹیلیفون کیا۔ مسلح پولیس جیل کے احاطہ میں داخل ہوئی اور پہلے لاٹھی چارج کیا اور پھر لوگوں پر گولی چلائی۔ جس سے تقریباً ایک درجن زائد مسلمان شہید ہوئے اور درجنوں زخمی ہو گئے۔ سب سے پہلے میری آنکھوں کے سامنے ساتھی عبدالخالق شورہ شہید ہو گیا۔ اسکی چھاتی کی دائیں جانب گولی لگی شہید زمین پر گرے اور اس وقت ۳۲ افراد کو گرفتار کیا گیا۔ جن میں میرے رفیق اعجاز صاحب اور رفیقی صاحب پکڑے گئے۔ عوام نے زخمیوں اور شہیدوں کو جامع مسجد کی طرف لایا۔ ایک زخمی کی لاش جلوس کی صورت میں بہوری کدل کے نزدیک جب پہنچی تو یہاں ایک ہندو عطار نے کھڑے ہو کر مسلمانوں سے کہا۔ کیا حقوق لائے۔ پنڈت صاحب کے ان الفاظ

نے مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کی۔ یہاں معمولی ناخوشگوار واقعہ ہوا۔ جس کا اثر شہر کے دوسرے علاقوں میں پڑا۔ جامع مسجد شریف میں جناب شیر کشمیر جب داخل ہوئے۔ زخمیوں اور شہیدوں کے سامنے پہنچکر ایک ایک کی حالت دیکھ رہے تھے۔ آپ کے بدن میں تھرتھراہٹ تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے تو ایک شہید نے آپ کا دایاں بازو ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا شیخ صاحب ہم نے اپنا فرض ادا کیا۔ اب آپ کا کام ہے۔ یہ الفاظ کہتے کہتے شہید کی ہچکیاں بند ہوئیں اور وہ انتقال کر گیا۔

۱۳ جولائی ریاست جموں و کشمیر میں گذشتہ ۲۷ سال سے قومی میلہ کی حیثیت منایا جارہا ہے اور شہدائے جموں و کشمیر کو خراج عقیدت پیش کیا جارہا ہے۔ حقیقت میں ان مقدس شہیدوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا یہی ایک راستہ ہے۔ کہ ہم ان کے ادھورے کام کو پورا کریں اور اپنا فرض جو ہم پر عاید ہوتا ہے اس کو پورا کریں۔ غلامی اور بیکاری تشدد وغیرہ کا خاتمہ کرکے آزاد اور خوشحال انسانوں کی طرح زندگی بسر کریں۔ اتحاد و اتفاق کو مستحکم بنائیں۔ اور شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں اپنی جد و جہد آزادی کو جاری رکھیں۔ آج ہم ان شہدا کو سلام بھیجتے ہیں جنہوں نے ہمیں عزت کی زندگی گذارنے کا سبق دیا۔

نبا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

صدرالدین مجاہد

تمہید

سمرتھ رام داس اور سیواجی مرہٹہ کی فتنہ انگیز مگر ناکام تحریک ہے جسے ہندو راج کی تحریک کے نام سے پکارا جاتا ہے ہمیشہ کے لئے مر چکی تھی مگر اسے ملک کی بدقسمتی و بدبختی کہئے کہ اس نامراد تحریک کو زندہ اور تازہ کرنے کے لئے انیسویں صدی کے آخری حصّہ میں سمرتھ رام داس کے نام لیوا پنڈت بال گنگا دھر تلک اور سوامی دیانند۔ دو براہمن اور پیدا ہو گئے جنہوں نے اپنی شرربار تقریروں اور زہر بھری تحریروں سے اپنی قوم میں وہی پہلے کی سی آگ پیدا کر دیں۔ اور مسلمانوں و انگریزوں سے نفرت دلا کر انہیں ملک میں از سرِ نو ہندو راج قائم کرنے کا اُپدیش دیا۔ اور وہ طریق بتلائے جن سے کہ اس تحریک کو رونق

دی جاسکتی تھی۔ اور یہ انہی کی لگاتار اور مسلسل کوششوں کا پھل ہے۔ کہ آج حکومت کے ہر صیغہ۔ ہر محکمہ۔ ہر دفتر اور ہر ادارہ میں انہی کے پیروؤں اور ہمخیالوں کا دوردورہ ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ دوسرے بھی عام شعبوں پر یہی چھائے ہوئے ہیں۔ سمال ٹون کمیٹیوں۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں۔ میونسپلٹیوں۔ صوبجاتی کونسلوں، اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ میں بھی انہی کا طوطی بول رہا ہے۔ جن صوبوں میں ان کی کثرت ہے۔ وہاں بھی یہ صاحب اقتدار ہیں۔ اور جن صوبوں میں دوسری قوموں کی تعداد زیادہ ہے۔ وہاں بھی انہی کو غلبہ و اقتدار حاصل ہے اور یہ انہی کی خود غرضانہ وجارحانہ کارروائیوں کا نتیجہ ہے۔ کہ ملک کی دوسری قومیں چیختی ہیں۔ چلاتی ہیں۔ روتی ہیں، سر پیٹتی ہیں۔ مگر ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ برادرانِ وطن کی طفیل دن بدن نکبت و ادبار کی طرف جا رہی ہیں۔

اس میں شک نہیں۔ کہ گورنمنٹ کی یہ خواہش ہے۔ کہ دوسری قومیں بھی ترقی کریں۔ وہ چاہتی ہے۔ کہ جس قوم کو جتنا حق پہنچتا ہے۔ وہ اسے مل جائے۔ جس کے لئے اس نے سکیمیں بنائیں۔ قواعد مرتب کئے اور سرکلر جاری کئے۔ مگر چونکہ اس وقت ہر جگہ انہی لوگوں کا تسلط و اقتدار ہے۔ جو دن رات ہندو اقتدار اور ہندو راج کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے گورنمنٹ کی نیک خواہش۔ گورنمنٹ کی سکیمیں، قواعد اور سرکلر بھی باقی قوموں کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچا سکے۔

گورنمنٹ نے ہر چند چاہا۔ کہ پسماندہ اقوام بھی ترقی و خوشحالی کے میدان میں گامزن ہوں۔ مگر جب بھی اس نے پسماندہ قوموں کو اٹھانے اور آگے بڑھانے کا ارادہ کیا۔ ملک کی غالب تعداد بنئے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئی۔ اور یہی سبب ہے کہ مسلمان، اچھوت اور دوسری اقلیتیں ترقی کی خواہش رکھتی ہوئیں بھی تنزل کی طرف جا رہی ہیں۔ اور انکو ابھرنے اور سربلند ہونے کا کوئی موقعہ نہیں دیا جاتا۔

مسلمان اس ملک میں کروڑوں کی تعداد میں بستے ہیں۔ انہوں نے ملک کو ترقی یافتہ اور خوشحال بنانے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں۔ اس کو موجودہ حالت میں لانے کے لئے اپنا خون تک بہایا ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ وہ اپنی ان شاندار اور تحیر خیز کوششوں اور قربانیوں کے شیریں پھل کھانے سے محروم رکھے جاتے ہیں۔ اور جب بھی یہ ملکی کاموں میں حصہ لینے کیلئے آگے بڑھتے ہیں۔ اور کارخانۂ حکومت میں برادرانِ وطن کا ہاتھ بٹانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو انہیں اچھوت۔ نکما۔ ناکارہ اور نالائق کہہ کر دھتکار دیا جاتا ہے۔ آخر اس کی وجہ؟ کیا مسلمان واقعی نکمے۔ ناکارہ اور نالائق ہیں۔ کیا مسلمانوں میں ملک کا انتظام کرنے کی صلاحیت نہیں ہے؟ اگر یہی بات ہوتی۔ تو ہم نہیں سمجھتے۔ کہ کامل ایک ہزار سال تک کس طرح انہی نکمے۔ ناکارہ اور نالائق مسلمانوں نے نہایت کامیابی کیساتھ ملک کا انتظام کیا۔ نہ صرف انتظام کیا۔ بلکہ اسے دنیا کے تمام ممالک کا شرومنی اور سرتاج بنا دیا۔ یہی کیوں برٹش حکومت قائم ہو جانے کے بعد بھی ایک عرصہ تک حکومت کی مشینری کو یہی مسلمان بڑی قابلیت اور لیاقت کے ساتھ چلاتے رہے۔ اور ماتحتی کی حالت میں بھی اپنی ذہانت۔ ذکاوت اور لیاقت کی بدولت دوسری تمام قوموں سے پیش پیش بلکہ ان کے استاد بن کر رہے جس کی شہادت مسلمانوں کے ایک غالی دشمن نے بھی دی ہے۔ مسٹر ہنری ہیبر نگٹن ٹامس نے ۱۸۵۸ء میں ایک رسالہ لکھا تھا جس میں مسلمانوں کو بدنام کرنے اور نقصان پہنچانے کے لئے اس نے یہ ثابت کرنا چاہا تھا۔ کہ ۵۷ء کے غدر کے بانی مسلمان ہی تھے ہاں اسی شخص کو بقول میجر بی۔ ڈی۔ باسو آئی۔ ایم۔ ایس اپنے اس رسالہ میں مسلمانوں کی دماغی و انتظامی قابلیت کا بایں الفاظ اقرار کرنا پڑا ہے۔ کہ:۔

"ہندوستان میں عام طور پر تعلیم اور دماغی لیاقت کے اعتبار سے

مسلمان ہندوؤں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور ہندو ان کے ہاتھوں میں محض طفل مکتب بنے ہوئے تھے (گورنمنٹ کے کاموں میں ہی نہیں) عام طور پر ہندوؤں کے کاروبار میں بھی مسلمان ملازم کام کرتے تھے"

صہ ۲

(بحوالہ ماڈرن ریویو از تیج اخبار دہلی ۲۵ ستمبر ۳۸ء)

پس یہ کہنا کہ مسلمان نکمے ہیں۔ نالائق ہیں۔ اس لئے انہیں حکومت کے کاموں سے دُور دُور رکھا جاتا ہے۔ غلط ہے۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ اور صرف یہ ہے۔ کہ اگر مسلمانوں کو حاکمانہ اقتدار میں حصہ لینے کا موقعہ دیا گیا۔ تو اس سے ہندو راج کی تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچیگا۔ اور ہندو راج کا وہ خواب کبھی بھی پورا نہ ہو سکے گا جس کے دیکھنے کی سمرتھ رام داس اور سیوا مرہٹہ کے نام لیوا صدیوں سے آرزومند ہیں۔ اور ان لوگوں کا یہ سلوک برطانوی ہند کے مسلمانوں کیساتھ ہی مختص نہیں۔ بلکہ یہی ذہنیت اور یہی سرگرمیاں ریاستی علاقوں میں بھی پورے جوش سے کارفرما ہیں۔ اور آج وہ ریاستیں بھی جن کا وجود شاہان اسلام ہی کا رہین منت ہے۔ مسلمانوں کو ریاستی کاموں سے دُور دُور رکھنے میں ہی کوشاں ہیں۔ اور ان میں اس قسم کی تنگ دلی اور تعصّب پیدا کرنے والے بھی آریہ سماج کے بانی اور ان کے جانشین ہی ہیں جنھوں نے ریاستوں کا دَورہ کر کر کے اور اُپدیش دے دے کر وہاں کے حکمرانوں۔ ٹھاکروں اور عام ہندو رعایا کے دلوں میں مسلمان باشندوں کے خلاف نفرت وحقارت پیدا کی اور علی الاعلان اس قسم کی نصیحتیں کی ہیں۔ کہ ہندو ریاستوں کو فارسی اور اُردو کی بجائے ہندی کو ہی سرکاری زبان کا درجہ دینا چاہیئے۔ اور مسلمانوں کی جگہ ہندوؤں کو ہی عہدہ دار بنانا چاہیئے۔ نہ صرف اس قسم کی نصیحتیں کیں۔ بلکہ ان نصیحتوں کو عملی جامہ بھی پہنوایا۔ اور آج یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ کہ جن

ہندو ریاستوں میں چند سال پیشتر مسلمان عہدہ دار اچھی خاصی تعداد میں نظر آتے تھے۔ وہاں کوئی خال خال ہی مسلمان نظر آتا ہے۔ اور جن ریاستوں کی دفتری زبان فارسی اور اُردو تھی۔ وہاں اب انگریزی اور ہندی کا ہی دور دورہ ہے۔ اور جن ریاستوں میں مسلمان پہلے کبھی سُکھی اور خوشحال نظر آتے تھے۔ آج وہ دربدر کی ٹھوکریں کھاتے نظر آتے ہیں۔ نہ صرف وہ سُکھی اور خوشحال نہیں رہے۔ بلکہ ان کا مذہب اور معابد بھی خطرہ میں ہیں۔ اور ہندو راجے ہر دم اسی تاک میں ہیں۔ کہ جس طرح بھی ہو۔ ان کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈال کر انہیں مرتد بنادیں۔ اور آئندہ ہندو ریاستوں میں اسلام۔ آثار اسلام اور نام لیوایان اسلام کا نشان تک نہ رہے۔ یہ خالی مولی باتیں نہیں حقائق ہیں۔ اور حقائق بھی وہ کہ جن کی تغلیط و تردید کا کسی کو یارا ہی نہیں۔ چونکہ یہ تفصیل کا موقعہ نہیں۔ اسلئے ہم اپنے بیان کی تائید میں ایک دو شہادتیں آریوں ہی کی پیش کئے دیتے ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ وہ واقعی درست اور درست ہے۔

لالہ لاجپت رائے سوامی دیانند جی کی سوانحمری میں لکھتے ہیں۔ کہ جب سوامی صاحب راجپوتانہ کی ریاستوں کا دَورہ کرتے اور اپدیش دیتے ہوئے اُودے پور پہنچے۔ تو وہاں ریاست کی سرکاری زبان اُردو کی بجائے ہندی کروائی اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"ریاست (اودے پور) کے کاروبار میں دیوناگری حروف نافذ کئے گئے۔ ریاست کے پٹھن پاٹھن کے انتظام میں بھی سوامی جی کے اپدیشوں کا اثر پڑا" (صفحہ ۲۹۴)

پھر پنڈت لیکھرام نے سوانحمری سوامی دیانند میں لکھا ہے۔ کہ جب ۱۸۸۱ء میں سوامی صاحب ریاست رائے پور میں گئے۔ اور جب وہاں کے ہندو رئیس ٹھاکر ہری سنگھ مع اپنے مدار المہام کریم بخش صاحب کے ان کی فرودگاہ میں ملاقات

کرنے کے لئے آئے۔ تو اس وقت سوامی صاحب نے مزاج پرسی کے بعد جو سب سے پہلی بات کہ وہ یہ تھی۔ کہ :۔

"آپ کے ہاں راج منتری (مدار المہام ریاست) کون ہیں؟ ٹھاکر صاحب نے جواب دیا۔ کہ شیخ الٰہی بخش ہیں۔ مگر وہ جودھپور گئے ہیں۔ ان کے بھتیجے کریم بخش جی آپ کے پیچھے کام کرتے ہیں۔ اور بتلایا کہ وہ (سامنے) بیٹھے ہیں۔ تب (سوامی جی) مہاراج نے فرمایا۔ کہ آپ کے یہاں مسلمان منتری دو زبہا ہیں۔ ادھمو یہ تو داسی بہتر ہیں؟۔ آریہ پُرشوں کو اُچت (مناسب) ہے کہ یوّنوں (مسلمانوں) کو اپنا راج منتری نہ بنادیں الخ۔" (صفحہ ۵۴۲)

ناظرین اس حوالہ کو پڑھیں اور دریائے حیرت میں ڈبکیاں لگائیں کیا اس مستند روایت کی موجودگی میں کوئی شخص ہمارے بیان کی تردید کر سکتا ہے؟ اب خود ہی اندازہ لگا لیجئے۔ سوامی صاحب نے ہندو ریاستوں کا دورہ کرتے ہوئے اسلام اور نام لیوایانِ اسلام کے خلاف وہاں کے راعی اور رعایا میں کتنی زہر پھیلائی ہوگی۔ آپ تعجب نہ کریں۔ یہ اسی زہر افشانی کا نتیجہ ہے۔ کہ ریاست جودھپور کا مشہور شہزادہ راجہ سر پرتاپ سنگھ اپنی زندگی کا مقصد ہی یہ بنا بیٹھا تھا۔ کہ جس طرح بھی ہو۔ ہندوستان سے سارے کے سارے مسلمانوں کو فنا کر دے۔ جیسا کہ اس کے ایک گہرے رازدان انگریز دوست کے مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے:۔

سر والٹر لارنس جو بہت مشہور انگریز ہیں اپنی تازہ تصنیف "ہندوستان جسکی خدمت ہم نے کی"۔ میں مہاراجہ جودھپور کے بھائی سر پرتاپ سنگھ کی زندگی کے نصب العین کو بایں الفاظ بے نقاب کرتے ہیں:۔

"باوجود رواداری ہونے کے وہ مسلمانوں سے نفرت کرتے تھے لیکن مجھے اس نفرت کی گہرائیوں کا اس وقت صحیح اندازہ ہوا جبکہ میں ہندوستان سے واپس آنے کے لئے تیار تھا۔ لارڈ کرزن نے ہمارے واپس آنے سے ایک رات پیشتر میرے اور میری بیوی کے اعزاز میں ایک رخصتی دعوت طعام کا انتظام کیا تھا۔ جس میں شرکت کے لئے سر پرتاپ سنگھ بھی شملہ آئے ہیں اور سر پرتاپ سنگھ دو بجے رات تک باتیں کرتے رہے۔ مسٹر پرتاپ نے بیان کیا۔ کہ میرا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں فنا کر دوں۔ میں نے اس تعصب کی مذمت کی۔ اور ان مسلمان دوستوں کا ذکر کیا۔ جو ان سے اور مجھ سے یکساں تعلق رکھتے تھے۔ سر پرتاپ نے کہا۔ کہ ہاں میں بھی انہیں پسند کرتا ہوں۔ لیکن مجھے زیادہ اچھا یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مر جائیں۔ سر پرتاپ میرے منہ بولے بھائی بن گئے تھے۔ وہ جلیل القدر اور خوش اخلاق راجپوت تھے۔ لیکن مجھے صفائی کے ساتھ بتا رہے تھے کہ "دنیا میں اب میرے صرف دو مقصد ہیں۔ اول ملک معظم کے دشمنوں کے رسالے کی قیادت کرتے ہوئے مرنا۔ اور دوسرے ہندوستان سے مسلمانوں کو مٹانا۔"

جودھپور کے حکمران خاندان کے اس چشم و چراغ کے مندرجہ بالا الفاظ پڑھیئے۔ اور تعجب سے اپنے ہاتھ چبائیے!! اور اس کے بعد اپنی اور اپنے ریاستی بھائی بندوں کی ہستی کا فکر کیجئے۔ یہ نہ سمجھئے کہ یہ جودھپوری چراغ موت کے جھونکے سے گل ہو چکا ہے۔ لہذا اب کیا فکر۔ کیونکہ جب یہ چراغ جل رہا تھا۔ تو اس سے اور بھی کئی چراغوں نے حدت و گرمی حاصل کی تھی۔ اور وہ بھی اندر ہی اندر اسی طرح جل رہے ہیں۔ اور اس موقعہ کے منتظر ہیں۔ کہ جب انگریز یہاں سے جائیں اور وہ مسلمانوں کے خرمنِ ہستی کو جلا کر بھسم کر دیں لیکن چونکہ ابھی ملک میں ایک تیسری قوم (انگریز) حکمران ہے۔ جو اس قسم کے ہولناک اور سفاکانہ

ظلم وجور کی اجازت نہیں دے سکتی۔ اس لئے اس قسم کی ذہنیت اور نصب العین رکھنے والے لوگ مسلمانوں کو علانیہ تو تباہی کے گھاٹ نہیں اُتار سکتے۔ مگر ان کو تنگ، پریشان اور تباہ حال کرنے کے لئے اور کئی طریقے استعمال میں لے آتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے متعصب اور دشمنِ اسلام لوگوں کی طفیل بعض ریاستوں میں مسلمانوں کو سکھ کا سانس لینا بھی نصیب نہیں۔

کیونکہ طرح طرح سے انہیں تنگ اور پریشان کیا جاتا ہے ستایا اور ردق کیا جاتا ہے اور یہ کوئی فرضی اور خیالی باتیں نہیں حقیقت ہے اور اخبار بین اصحاب جانتے ہیں۔ کہ ملک میں کئی ایسی ہندو ریاستیں ہیں۔ جہاں اسلام۔ آثار اسلام اور نام لیوایانِ اسلام کا قضیہ پاک کرنے کے لئے طرح طرح کے منصوبے گانٹھے جاتے ہیں۔ اور ان منصوبوں کو عمل میں لانے کے لئے اگر کہیں انہیں ملازمتوں سے الگ کیا جاتا ہے۔ تو کہیں ان کی جائدادیں ضبط کر لی جاتی ہیں۔ بعض جگہ اگر ان کی تہذیب، تمدن اور زبان کو فنا کی گھاٹ اتارا جاتا ہے۔ تو بعض جگہ ان کی زمینیں اور جاگیریں سُود در سُود کے پھیر میں لاکر اپنے قبضہ میں کی جاتی ہیں۔ اگر کہیں اذان دینے سے روکا جاتا ہے۔ تو کہیں نماز کی حالت میں شور و غُل کے ذریعہ ان کی نمازوں میں ہی خلل ڈالا جاتا ہے اگر ایک ریاست میں مسلمان بلند آواز سے کلمہ شریف کا ورد کرنے سے روکے جاتے ہیں تو دوسری ریاست میں ان کی مسجدیں گرا دی جاتی ہیں۔ اگر ایک مقام پر اُن کے قبرستان برابر کرکے ہندوؤں کے حوالے کئے جاتے ہیں۔ تو دوسرے مقام پر انہیں نئی مسجد تک بنانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اگر ایک حکمران انہیں علم سے بے بہرہ رکھ کر اسلامیت سے دُور کرنے کی سکیم بنائے بیٹھا ہے۔ تو دوسرا انہیں علانیہ شُدھ کر لینے کے درپے ہے۔ اگر تمام ہندو ریاستوں میں گؤ کشی سے جبراً روکا جاتا ہے تو بعض ایسی بھی ریاستیں ہیں۔ جہاں بکرے کی قربانی تک کی اجازت نہیں۔ اور کئی

ریاستیں تو ایسی ہیں۔ جو اپنے آپ کو رودار کہلانے پر بھی بعض خاص دنوں میں اپنی مسلمان رعایا کو جبراً ہر قسم کے گوشت کھانے سے باز رکھتی ہیں تبلیغ اسلام میں روکیں پیدا کرتی ہیں۔ ہندو اور مسلمانوں سے غیر مساویانہ سلوک کرتی ہیں۔ اور اگر وہ اس قسم کے احکام کے خلاف پروٹسٹ کریں۔ اور اپنے بیرونی بھائیوں کو اپنی تنبہ حالی کا علم دیں تو ریاست کے ہندو عمّال انہیں اور بھی ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہیں۔ تاکہ آئندہ کوئی بھی اپنی مظلومی کی داستان دوسروں کو نہ سُنا سکے۔ یہی نہیں کئی ایسی ریاستیں بھی ہیں جہاں علانیہ خطبے بند کر دئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کی بے حُرمتی کی جاتی ہے۔ اور مسلمانوں کے رونے پیٹنے پر بھی اس قسم کی شرمناک کارروائیوں کے مرتکبین کو سزا نہیں دی جاتی یہی کیوں بلکہ جب مسلمان سالہاسال کی پیہم اور مسلسل ستمرانیوں سے تنگ آکر ان سے نجات حاصل کرنا چاہیں۔ اور راعی سے اپنے حقوق طلب کریں۔ تو راعی کا ماتحت عملہ ان حقوق مانگنے والوں کو نیزوں اور گولیوں کا نشانہ بناتا ہے۔ اور بعد میں ریاست کا اعلیٰ حاکم بھی انہی ظالموں کی پیٹھ ٹھونکتا ہے۔

اور جب کس مپرس۔ ستم رسیدہ اور مظلوم رعایا اپنے دُکھڑے بیرونی مسلمانوں کو سُنائے۔ اور اُن سے امداد کی طالب ہو۔ تو اُسے "غیر وفادار"۔ "نمک حرام" "سازشی"۔ "انقلاب پسند" اور "باغی" کا خطاب دے کر جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔ اور جب برطانوی ہند کے مسلمان اپنے مظلوم بھائیوں کی حالتِ زار پر اشک بہائیں اور ان کی امداد کرنے پر آمادگی ظاہر کریں۔ تو برطانوی ہند کے وہ ہندو جو دن رات اپنی رحمدلی، رواداری، فراخدلی اور دیش بھگتی کا ڈھول پیٹتے نہیں تھکتے۔ مظلوموں کی حمایت کرنے کی بجائے انہی جفا پیشہ، ظالم اور ستمران لوگوں کی امداد و اعانت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جو ان کے ہم مذہب اور ہم عقیدہ ہوتے ہیں۔ اور اس وقت انسانیت، شرافت، رحم اور ہمدردی انہیں ہرگز اپیل نہیں

کرتی ۔ یہی کیوں بلکہ وہ ستم شعاروں کو اور بھی شہ دیتے ہیں۔ اور جہاں کھلے بندوں انہیں فرضی "باغیوں" اور "سازشیوں" کو سخت سے سخت سزا دینے اور ان کی زبان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دینے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہاں ان خستہ حالی اور مظلوم لوگوں کے ہمدردوں کو بھی "سازش میں شریک"، "فساد کے بانی"، "انقلاب پسند"۔ "امن کو برباد کرنے والے"۔ "ایجی ٹیٹر"۔ "ہندو راجہ کے دشمن"۔ "ہندو ریاست کے بدخواہ" "مفسد" اور "شورش پسند" کہہ کہہ کر مطعون و بدنام کرتے ہیں۔ اور فرضی سازشوں اور خیالی بغاوتوں کے طبع زاد قصے گھڑ گھڑ کر دنیا کو مغالطہ میں ڈالنے کی سعی ناپاک کرتے ہیں اور اصل حقیقت سے دنیا کو بے خبر رکھ کر پھر بھی اپنے آپ کو حق و صداقت کے حامی بتلاتے ہیں۔ اس قسم کی مذموم حرکات سے ان کی کیا غرض ہوتی ہے؟ یہی کہ کسیطرح مظلوم مسلمان اپنی دادرسی کو نہ پہنچ جائیں۔ کیونکہ اگر ان کی سُنی گئی۔ ان کے مصائب دُور ہو گئے۔ اور جو حقوق وہ طلب کرتے ہیں۔ ان کو مل گئے۔ تو اس سے ہندو راج کی تحریک کو ناقابلِ برداشت دھکا لگے گا۔ اور ہماری وہ سکیم کبھی بھی کامیابی کا مُنہ نہ دیکھ سکے گی۔ جس کو ہر دیال ایم۔ اے اور دوسرے کئی ہندو لیڈر اخبار ملاپ۔ پرتاپ اور تیج وغیرہ کے کالموں میں بارہا دوہرا چکے ہیں۔

اور یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے۔ واقعات کی بنا پر لکھا ہے۔ جس کے لئے بہت سی مثالیں فراہم کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ کشمیر کے المناک اور زہرہ گداز واقعات اس کی تازہ اور نو بنو مثال ہیں۔ اور ہر ایک وہ شخص جو اخباری مذاق رکھتا ہے۔ گذشتہ چند ماہ کے واقعات سے واقف ہو گا۔ کہ وہاں کے مسلمان کس طرح سالہا سال سے حقوق حقوق پکارتے رہے اور کس طرح ان کی فریاد اور پکار کو مہاراجہ صاحب بہادر تک نہیں پہنچایا گیا۔ یہی کیوں بلکہ ان کے مذہب اور دینی شعائر کی توہین کر کے ان کے دلوں کو اور بھی زخمی کیا گیا۔ اور جب مسلمانوں

نے اس پر واویلا کیا۔ تو انہیں کس بیدردی کیساتھ زخمی اور شہید کیا گیا۔ اور اُن کی مظلومی و تباہ حالی کے واقعات کا علم رکھتے ہوئے بھی کس طرح پنجاب کے ہندو اخباروں نے ریاست کی پیٹھ ٹھونکی۔ اور وہاں کے مظلوم مسلمانوں کو سرکش اور باغی کہہ کہہ کر اور بھی گشتنی اور گردن زدنی ٹھہرایا گیا۔ اور پنجاب کے جن مسلمانوں نے اپنے ستم رسیدہ بھائیوں سے ہمدردی کی یا ان کی امداد کا بیڑا اٹھایا۔ تو انہیں بھی کیسے بُرے بُرے ناموں سے یاد کیا گیا۔ اور بغیر کسی ثبوت کے "سازش میں شریک"۔ "بغاوت کے سرغنہ"۔ "مہاراج کے دشمن"۔ "ہندو ریاست کے بدخواہ" وغیرہ وغیرہ خطاب دیکر مطعون و بدنام کیا گیا۔

حالانکہ واقعات صاف اور غیر مشتبہ تھے۔ ان میں کوئی ایچ پیچ نہ تھا۔ اور ہر ایک جانتا ہے۔ کہ کشمیر اور جموں کی مسلمان رعایا سالہا سال سے ظلم و جور کی چکی میں پیسی جا رہی ہے۔ موجودہ حکمران اور بعض دوسرے نیکدل عمّال ریاست کو چھوڑ کر باقی جتنے بھی مہا سبھائی رنگ میں رنگین ہیں۔ وہ حد درجہ کے متعصب اور تنگدل واقع ہوئے ہیں۔ اور انہیں مہاراجہ صاحب بہادر کی غریب، مظلوم اور قابلِ رحم مسلمان رعایا سے قطعاً کوئی ہمدردی نہیں۔ اور نہ ہی ان کو ان بے زبان اور خستہ حال لوگوں کی تکالیف اور مصائب دور کرنے کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ بلکہ دن رات ان کی یہی کوشش ہے۔ کہ جس طرح بھی ہو۔ ہندوؤں ہی کو آگے بڑھایا جائے:۔ گذشتہ ایام میں جبکہ کشمیر اور جموں کے بے دست و پا، کمزور، ضعیف، ناتوان اور مظلوم مسلمانوں پر جبر و استبداد کی بجلیاں گرائی جا رہی تھیں۔ انہیں زخمی کیا جا رہا تھا۔ نیزوں، بھالوں اور گولیوں سے موت کی گھاٹ اتارا جا رہا تھا اُن کی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنایا جا رہا تھا۔ ہاں جبکہ وہاں کی نہتی اور بے یار و مددگار مسلمان رعایا کی جان، مال، عزت اور آبرو کی کوئی قیمت نہ سمجھی جاتی

تھی۔ اور انہیں گھبر گھبر کر لوٹا کھسوٹا اور جیلوں میں بند کیا جا رہا تھا۔ اس وقت ہمارا پختہ ارادہ تھا۔ کہ اس قاہرانہ و جابرانہ سلوک کے خلاف پروٹسٹ کیا جائے اور پبلک کو بتلایا جائے۔ کہ یہ ظلم اور ستم ان لوگوں کے لئے کوئی انوکھی چیز نہیں۔ سکھوں کے عہد میں اس سے بھی زیادہ یہ ستائے جا چکے ہیں۔ اس کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ، مہاراجہ رنبیر سنگھ اور مہاراجہ پرتاب سنگھ کے وقت میں بھی ان کی کچھ کم دُردشا نہیں ہوئی۔ اور ضرورت ہے۔ کہ رحمدل اور انصاف پسند لوگ خواہ وہ کسی مذہب اور ملّت سے تعلّق رکھتے ہوں۔ ان بے زبان اور پامال شدہ لوگوں کی اخلاقی مدد کریں۔ اور یہ لوگ جس قسم کے آلام اور مصائب میں مدّت مدید سے مبتلا رہیں۔ انہیں ان سے رہائی دلا کر اپنا انسانی فرض ادا کریں۔ مگر یہ دیکھ کر کہ مہاراجہ صاحب بہادر کے آخری اعلان سے وہاں کے لوگ مطمئن ہو گئے ہیں۔ اور گلینسی کمیشن کی تحقیقات اور اس کے نتائج معلوم کرنے تک انہوں نے ہر قسم کی سرگرمیوں کو ایک معیّن وقت تک کیلئے بند کر دیا ہے۔ اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے معزّز ممبروں اور بعض دوسرے مسلمان لیڈروں نے بھی گلینسی کمیشن کی خاطر فضاء کو پُرسکون بنائے رکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ ہم نے بھی اپنا ارادہ بدل دیا۔ اور جس مضمون کی تیاری کے لئے اپنی صحت کو بھی خطرہ میں ڈالا تھا۔ اُسے محض اس لئے ملتوی کر دیا۔ کہ موجودہ فضاء میں اس کی کچھ زیادہ ضرورت نہیں۔ مگر ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ جو لوگ مہاراجہ صاحب بہادر سے اظہار خیر خواہی کرتے نہیں تھکتے تھے۔ اور جوان کو ہر قسم کی امداد دینے پر آمادہ تھے۔ وہی اس پُرسکون فضاء کو خراب کرنے کے درپے ہیں۔ اور بجائے خاموشی اختیار کرنے کے وہی پہلے کی سی تہمت طرازیاں۔ افتراء پردازیاں اور جھوٹے الزام تصنیف کر کر کے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر۔ اس کے باقی ممبروں اور دوسرے مسلمان لیڈروں

کے خلاف یادہ گوئی سے باز نہیں آتے۔ اور باوجود اس کے کہ ریاست میں ہر طرح امن اور سکون ہے۔ کسی قسم کی شورش۔ بے چینی اور "بغاوت" نہیں۔ مگر یہ اب بھی اس تحریک اور ایجی ٹیشن کو "کسی گہری سازش کا نتیجہ" "پان اسلامک تحریک کا ایک جزو" اور "ہندو راجہ کو تخت سے معزول کرنے کا منصوبہ" ہی بتلاتے جا رہے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے۔ کہ اس قسم کی بے بنیاد، غیر ذمہ دارانہ اور انتہائی دل آزار باتیں حالات کو سنوارنے کی بجائے اور بھی بگاڑ دیں گی۔ کیونکہ وہاں کے مسلمان اسی وقت تک خاموش ہیں۔ جب تک کہ ان کو نہ چھیڑا جائے۔ اور نہ ہی جھوٹے اور فرضی افسانے تصنیف کر کر کے انہیں بدنام کیا جائے ؎

مسلمانوں کو کیوں بدنام کیا جاتا ہے

ممکن ہے۔ کوئی پوچھ بیٹھے۔ کہ ان ہندو اخباروں اور لیڈروں نے اس قسم کا وطیرہ کیوں اختیار کیا ہے؟ جبکہ ریاست میں ہر طرح سکون ہے۔ تو پھر یہ کیوں کشمیری مسلمانوں، ان کے لیڈروں، آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر، اس کے باقی ممبروں اور دوسرے مسلمان لیڈروں کے خلاف ہرزہ سرائی کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کو وہاں کے مسلمانوں، کشمیر کمیٹی کے صدر اور باقی ممبروں اور اسی طرح دوسرے مسلمان لیڈروں سے کوئی ذاتی دشمنی ہے۔ یا ان سے انہیں کوئی نقصان پہنچا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ ان پر تہمتیں باندھتے افترا کرتے اور بہتان تراشتے ہیں۔ اور ان کو دنیا میں مطعون و بدنام کرتے ہیں؟

سو اس کے جواب میں یہی کہنا کافی ہو گا۔ کہ جہاں تک ہمارا علم ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ کشمیر کے معاملات میں جتنے بھی مسلمانوں نے حصہ لیا ہے۔ خواہ وہ ریاست کے ہوں یا برطانوی ہند کے۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں۔ جس نے ان کو کوئی نقصان پہنچایا ہو۔ یا ان سے عداوت رکھتا ہو۔ بلکہ یہ بھی کہا جا

سکتا ہے۔ کہ خود ان لوگوں کو بھی زعمائے اسلام سے کسی قسم کی ذاتی دشمنی یا عداوت نہیں اور ان کا مسلمان لیڈروں کے خلاف یاوہ گوئی کرنا۔ انہیں بدنام اور مطعون کرنا اس لئے نہیں۔ کہ ان کو کسی قسم کا ذاتی نقصان پہنچا ہے۔ بلکہ اس قسم کا ناپاک وطیرہ اختیار کرنے کا صرف یہ مقصد ہے۔ کہ کسی طرح مسلمانان جموں وکشمیر کو وہ حقوق نہ مل جائیں جن کا وہ سالہا سال سے مطالبہ کر رہے ہیں۔ اور جن کے حصول کا مہاراجہ صاحب بہادر نے بھی انہیں یقین دلایا ہے۔ کیونکہ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اگر مسلمانانِ ریاست اپنے حق کو پہنچ گئے۔ ان کے مطالبات پورے ہو گئے۔ اور ان کے دلوں نے اطمینان پکڑ لیا۔ تو اس سے ہندو مفاد کو صدمہ پہنچے گا۔ اور ہماری وہ سکیم جس کے رُو سے کسی جگہ بھی مسلمانوں کو پنپنے کا موقعہ نہ ملنا چاہیئے۔ ناکام رہے گی۔ اور جس ہندو راج کے خواب دیکھے جا رہے ہیں۔ وہ کبھی بھی پورا نہ ہوگا ؏

چونکہ یہ جانتے ہیں۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کی مظلومی کی داستانیں علاوہ ہندوستان کے بیرونی ممالک تک بھی پہنچ گئی ہیں اور انکے ہمدردوں کا حلقہ دن بدن وسعت اختیار کر رہا ہے۔ اور علاوہ مسلمانوں کے دوسری قومیں بھی ان سے اظہار ہمدردی کر رہی ہیں۔ اور اس امر کی خواہاں ہیں۔ کہ ان بے کس اور بے بس لوگوں کی تکالیف کو رفع کیا جائے اور انہیں وہ تمام انسانی حقوق دے دئے جائیں۔ جن کے بغیر ان کی حالت کا سدھرنا مشکل ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ برٹش گورنمنٹ کو بھی ان کی مظلومی کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ اور تو اور خود مہاراجہ صاحب بہادر بھی اپنی وفادار اور بے زبان رعایا کی تکالیف دور کرنے اور ان کے مطالبات پورے کرنے کا بچن دے چکے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ ان حالات اور تغیرات کو دیکھ دیکھ کر بے چین ہوئے جا رہے ہیں۔ اور یہ جان کر کہ اگر مظلوم کشمیریوں کے ہمدردوں کا حلقہ اسی طرح وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ گورنمنٹ اور مہاراجہ صاحب بہادر بھی ان کی شکایات کو حق بجانب سمجھتے رہے

تو ہمارا وہ خواب، خواب پریشاں ہو کر رہ جائے گا جس کا تذکرہ یہ خود بھی ملاپ کے کالموں میں بایں الفاظ کر چکے ہیں:۔

کشمیر سے لیکر راس کماری تک ہندو راج قائم کرنے کے منصوبے

"ہم بھی ایک نیا گل کھلائینگے اور راس گل کی مہک کابل سے کلکتہ اور کشمیر سے راس کماری تک پھیل جائے گی۔ یہ گل ہندو سنگٹھن اور خصوصاً پنجابی ہندوؤں کا سنگٹھن ہے۔ اس سے ہندو ریاست قائم ہوگی۔ پورن شدھی ہوگی۔ اور افغانستان اور سرحد کی فتح ہوگی۔ یہ سب معجزے اور کرامات آئندہ ظہور میں آئینگے۔"

(ملاپ ۱۵ ۔ مئی ۱۹۲۵ء)

"جب ہندو سنگٹھن کی طاقت سے سوراجیہ لینے کا وقت قریب آئے گا تو ہماری جو نیتی (پالیسی) عیسائیوں اور مسلمانوں کی طرف ہوگی۔ اس کا اعلان کر دیا جائے گا۔ اس وقت باہمی سمجھوتہ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ ہندو مہا سبھا صرف اپنے فیصلہ کا اعلان کر دے گی۔ کہ نئی ہندو ریاست میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے فرائض اور حقوق کیا ہوں گے۔ اور ان کی شدھی کی کیا شرائط ہوں گی۔"

(ملاپ ۲۵ ۔ مئی ۱۹۲۵ء)

مسلمانانِ کشمیر اور ان کے بہی خواہوں اور ہمدردوں کو بدنام کرنے اور اس نیک اور انسانی ہمدردی پر مبنی تحریک کو کچل دینے کے لئے جس قدر چالیں چلی جا رہی ہیں۔ دنیا کو دھوکہ میں ڈالا جا رہا ہے۔ ریاست کے ہندوؤں کو اسلامی حقوق کی مخالفت پر آمادہ کیا جا رہا۔ برطانوی ہند کے ہندوؤں کو سِکھا اور بھڑکایا جا رہا ہے انگریزی اخباروں۔ ان کے نامہ نگاروں اور برٹش گورنمنٹ کے عہدہ داروں پر الزام لگائے جا رہے ہیں۔ وہ اس لئے اور محض اس لئے ہیں۔ کہ کسی طرح انکے قومی آدرش

اور نصب العین کو نقصان نہ پہنچے۔ اور جس ہندو سنگٹھن کے "گل" کی مہک سے کشمیر سے راس کماری تک کا علاقہ مہکانا چاہتے ہیں۔ وہ کہیں مہکنے اور مہکانے سے پہلے ہی نہ مُرجھا جائے۔

پس ان کا کشمیری مسلمانوں، ان کے ہمدردوں کو بدنام کرنا اور دن رات غلط اور بے بُنیاد الزام لگانا صرف اس لئے ہے۔ کہ وہاں کے مسلمان اپنی مراد کو نہ پہنچیں چونکہ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ بیرونی دنیا کی ہمدردی اُن سے نہ رہے۔ برٹش گورنمنٹ بھی ان کا خیال چھوڑ دے۔ مہاراجہ صاحب بہادر بھی ان سے بدظن ہو جائیں اور برطانوی ہند کے مسلمان بھی ان کی امداد سے ہاتھ اٹھالیں۔ اس لئے یہ لوگ اپنی ضمیر کا خون کر کے بھی اس تحریک اور اس کے چلانے والوں اور دوسرے ہمدردوں کو جھوٹ بول بول کر بہتان تراش تراش کر بدنام کرنا اور بیرونی دنیا کو ان کی ہمدردی سے دور کر دینا ضروری سمجھتے ہیں ؛

ان لوگوں کو کشمیری مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ ان کی تکالیف کا قطعاً احساس نہیں۔ ان کی مظلومی اور ستم رسیدگی انہیں اپیل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے قومی نصب العین کو نقصان پہنچانے کے لئے تیار نہیں۔ خواہ ریاست کے مسلمان زخمی ہوں۔ مارے جائیں، پیسے جائیں، لُٹیں، برباد ہوں یا ملک بدر ہو جائیں ان سنگٹھنی سورماؤں کے نزدیک وہاں کے مسلمانوں کا حقوق حقوق چلانا قطعاً مستحسن نہیں۔ کیونکہ اس سے ان کی سنگٹھنی سکیم کا تیا پانچا ہو جاتا ہے۔ ان کے سنگٹھنی "گل" کی پتیاں اور پنکھڑیاں ٹکھر جاتی ہیں۔

لیکن چونکہ یہ لوگ اپنی قومی سکیم کو ہر قسم کے خطرے اور ناکامی سے بچانا چاہتے ہیں۔ اس لئے یہ ہر اُس تحریک کو (خواہ وہ کتنی ہی حق و انصاف پر مبنی ہو) ناکام بنانے کا جتن کریں گے۔ جو ان کے قومی مقاصد اور مصالح کے خلاف ہو گی۔

مسلمانوں کو اس غلط پروپیگنڈے کی تردید کرنی چاہیئے

پس وہ مسلمان جو چاہتے ہیں۔ کہ کشمیر کے مظلوم مسلمان اپنی مراد کو پہنچیں۔ اور جن انسانی حقوق سے وہ آج تک محروم رکھے گئے ہیں۔ وہ ان کو حاصل ہو جائیں۔ تو انہیں ہندو مہا سبھائیوں کے اس خطرناک پروپیگنڈے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ اس غلط اور جھوٹے پروپیگنڈے کو جلد سے جلد بے اثر اور ناکام بنا دیا جائے۔ تاکہ وہ لوگ جو اس وقت کشمیری مسلمانوں کی ہمدردی پر آمادہ ہیں۔ ان کو حقوق دلانے میں ساعی ہیں۔ ان کی دروغ بافیوں کا شکار ہو کر اس نیک کام سے ہاتھ نہ کھینچ لیں۔

نہ صرف یہی بلکہ باقی لوگوں کو بھی کشمیر کے محتاج ہمدردی مسلمانوں کی مشکلات، تکالیف اور ضروریات سے آگاہ کر کے آمادۂ امداد بنانا چاہیئے۔ نہ صرف انگریزوں کو۔ پارسیوں کو سکھوں کو بلکہ خود ہندؤں کو بھی۔ کیونکہ ابھی ملک میں بیسیوں نہیں سینکڑوں نہیں۔ ہزاروں نہیں۔ لاکھوں ہندو ایسے بھی موجود ہیں۔ جو ہر قسم کے تعصب، جنبہ داری اور قومی منافرت سے پاک ہونگے۔ اگر مسلمان ان شریف، نیکدل اور روادار ہندؤں کو کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی صحیح حالات سے آگاہ کریں گے۔ تو یہ یقینی بات ہے۔ کہ وہ ان کی امداد پر آمادہ ہو جائیں۔ بلکہ ہمیں تو یہ بھی توقع ہے۔ کہ وہ اصل حالات سے باخبر ہو جانے کے بعد اپنے ان متعصب اور تنگدل بھائی ہندوں کو بھی اس قسم کی مکروہ، مذموم اور ناراستی پر مبنی چالبازیوں اور ریشہ کاریوں سے باز رکھنے کی سعئ مشکور فرمائیں گے۔

ہمیں امید ہے۔ کہ ستم رسیدہ اور مظلوم کشمیریوں کے حامی ہماری معروضات پر توجہ فرماتے ہوئے اپنی تمام طاقتیں اس ضروری اور خیر کے کام میں لگا دیں گے۔۔۔۔

۔۔۔۔ اور جہاں وہ عام پبلک کو صحیح حالات سے باخبر کریں گے۔ وہاں ان تنگدل۔ متعصب اور ناراستی پسند دشمنیوں کی چالبازیوں، افتراپردازیوں اور گمراہ کن پروپیگنڈا

کی حقیقی غرض اور غایت بھی لوگوں پر منکشف کرتے رہیں گے۔ اور اس وقت تک اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ جب تک کہ مہا سبھائیوں کی پروپیگنڈہ بازی ناکامی و نامرادی کا مُنہ نہ دیکھ لے۔ اور کشمیر کی مسلمان رعایا اپنے جائز اور واجبی حقوق سے بہرہ ور نہ ہو جائے۔

رسالہ ہذا کے لکھنے کی ضرورت

چونکہ اس کارِ خیر میں حصہ لینا ہر ایک اس شخص پر لازم ہے۔ جو اپنے اندر دوسروں کی تکالیف کا احساس رکھتا ہے۔ اس لئے ہم بھی اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق اپنے مظلوم۔ ستم رسیدہ اور دُکھی بھائیوں کی خدمت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور خدا کے فضل و کرم سے ہم ان لوگوں کی ایک ایک چال، داؤ اور فریب کا گھنونا پن منظرِ عام میں لا کر دنیا کو بتا دینا چاہتے ہیں۔ کہ اس مبارک اور انسانی ہمدردی پر مبنی تحریک کو بدنام کرنے کے لئے یہ لوگ کس قسم کی گندی اور تاریک ذہنیت کا اظہار کرتے ہوئے مذہب، اخلاق اور انسانیت کی مٹی پلید کر رہے ہیں۔ اور ان کے اعتراض اور بہتان کسقدر غلط، بے بنیاد اور لغو محض ہیں۔ ہمیں امید ہے۔ کہ ہمارے وہ شریف، نیکدل اور اپنے اندر سچّی انسانی ہمدردی رکھنے والے ہندو، سِکھ، پارسی اور عیسائی بھائی ہماری اس تحریر کا پوری دلچسپی کے ساتھ مطالعہ فرمائیں گے۔ اور اگر ان پر ثابت ہو جائے (جس کا ہمیں یقین ہے) کہ واقعی جموں اور کشمیر کی مسلم آبادی دُکھی، مصیبت زدہ اور مبتلائے آلام ہے۔ تو جہاں تک ان سے ممکن ہو سکے گا۔ اس کے دُکھ، مصائب اور آلام کو دُور کرنے کی سعیٔ مشکور بھی فرمائیں گے۔ اور اپنی مبارک اور پاکیزہ کوششوں سے دنیا پر ظاہر کر دیں گے۔ کہ جس ملک میں غریبوں، محتاجوں اور مظلوموں پر آوازے کسنے والے ان کو اور بھی تباہ حال و پریشان کرنے والے۔ ہاں ان کے زخموں پر نمک پاشی کرنے والے پائے جاتے ہیں۔ وہاں ایسی ہستیاں بھی موجود ہیں۔ جو بلا لحاظ و تفریق مذہب مظلوموں کی ہمدردی۔ حمایت اور اعانت کرنا اپنا اوّلین فرض سمجھتی ہیں :؛

مسلمان مہاراجہ صاحب کے بدخواہ نہیں لیکن قبل اس کے کہ ہم اصل مضمون کو شروع کریں پہلے یہ امر واضح کردینا چاہتے ہیں۔ کہ ہمیں یا اور کسی مسلمان کو خواہ وہ کشمیر کا ہو یا برطانوی ہند کا۔ مہاراجہ صاحب بہادر سے کسی قسم کا نقار نہیں۔ دشمنی اور عداوت نہیں اور نہ ہی ان کا کوئی بدخواہ اور اس امر کا خواہاں ہے۔ کہ ان کی عزت، ان کے وقار اور اقتدار میں کوئی کمی واقع ہو۔ ہم میں سے کسی کی بھی خواہش نہیں۔ کہ گورنمنٹ ان کو تخت سے معزول کر دے۔ یا موجودہ حکمران خاندان کی سیادت و امارت میں کسی قسم کا فرق آئے۔

مہاراجہ صاحب بہادر کے اوصاف ہمارا یہ دیانتداری کے ساتھ خیال ہے۔ کہ موجودہ مہاراج شریف ابن شریف ہیں۔ جس طرح اُن کے والد ماجد روادار، بے تعصب، خوش اخلاق اور مسلمانوں کے خیر خواہ تھے اسی طرح موجودہ مہاراجہ صاحب بہادر بھی شریف، نیکدل، بے تعصب اور اپنی مسلمان رعایا سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ افسوس صرف اتنا ہے۔ کہ مہاراج کے ارد گرد بعض ایسے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ جو آپ کو مسلمان رعایا کی تکالیف کا علم ہونے نہیں دیتے۔ ورنہ یہ ممکن ہی نہیں۔ کہ آپ تک غریب رعایا کی آواز پہنچے اور آپ اس پر توجہ نہ فرمائیں گذشتہ دنوں جس قدر ناگوار اور افسوسناک باتیں ظہور میں آئیں۔ ان کی یہی وجہ تھی۔ کہ غیر ہمدرد مصاحبین نے آپ کو حالات کا صحیح علم نہ دیا۔ اور اب جبکہ وہ اپنی مسلمان رعایا کی تکالیف سے ذاتی طور پر واقف ہو جانے کے بعد ان کی تکالیف رفع کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ تو ایسی حالت میں وہ کون نادان ہوگا۔ جو آپ کے خلاف کوئی بُری رائے قائم کر سکے ؛

مہاراجہ صاحب سے بہتری کی اُمیدیں ہمیں مہاراجہ صاحب بہادر کی ذات گرامی سے کامل امید ہے۔ کہ وہ جلد ہی اپنے

مواعید کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ریاست کی مسلم آبادی کو اس قابل بنا دیں گے۔ کہ وہ وہاں کی غیر مسلم رعایا کی طرح سُکھی اور خوشحال نظر آئے اور راعی و رعایا کا پہلے سے بھی کہیں زیادہ محبت و عقیدت کا رشتہ مضبوط ہو جائے۔ اور دونوں کے تعاون سے ملک پھر اسی شاندار اور قابلِ رشک حالت میں تبدیل ہو جائے۔ جو عہد مغلیہ میں تھی اور جس طرح عہد اسلامیہ میں فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیر نے اس ملک اور اس کے باشندوں کی تعریف کی تھی۔ اسی طرح آپ کے عہد میں بھی ہو جائے۔ وہ برنیر کے ان لفظوں کو دوہرانے پر مجبور ہو۔ کہ واقعی

عہد اسلامیہ کا کشمیر برنیر کی نظر میں

"دوسرے ممالک کی نسبت کشمیر میں علم و عقل کی فراوانی ہے۔ ادبیات اور حکمت سے یہاں کے لوگ کافی واقف ہیں۔ صنعت و حرفت میں بھی یہ کسی سے کم نہیں کشمیر جنت نظیر ہے۔ سارا ملک سرسبز، شاداب اور سدا بہار باغ کی طرح ہے۔ چراگاہیں انگور کی بیلیں۔ چاول اور گیہوں کے کھیت ہی نہیں۔ کیسر اور دیگر طرح طرح کے پھل پھول۔ پانی سے لبریز نہریں۔ ندی نالے جھیلیں اور ڈل کے نظارے بھی اپنے اندر بڑی کشش رکھتے ہیں! در کشمیری ہر طرح سے سُکھی ہیں۔"

(منقول از کتاب "کاشمیر" مصنفہ شری گوپال نیٹو یامٹ ۱۱)

کشمیر تحریک کے متعلق مہاراجہ سبھا نے جو جھوٹے پروپیگنڈے کئے ہیں ان کی تردید

کشمیر تحریک کو بدنام کرنے اور ناکام رکھنے کے لئے ان لوگوں کی طرف سے جو "سازش" اور "بغاوت" کے الزام لگائے گئے ہیں۔ ان کے متعلق ہم بعد میں بتائیں گے۔ کہ ان لغو اور بے ہودہ الزاموں کی کیا حقیقت ہے۔ اور در حقیقت مہاراجہ کے دشمن۔ بدخواہ

ان کے خلاف نفرت پھیلانے والے۔ ان کے چال چلن اور کیریکٹر پر حملے کرنے والے۔ ان کو تخت سے محروم کرنے کے خواہشمند مسلمان ہیں یا خود یہی مہا سبھائی۔ سب سے پہلے ہم دو باتوں پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ درحقیقت یہی دو باتیں ہیں۔ جن کو یہ اس تحریک کے چلانے کے لئے بطور ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ اور باقی دنیا کو عموماً اور ہندوؤں کو خصوصاً دھوکہ میں ڈال کر ریاست کی مسلم رعایا کو اس کے حقوق سے محروم رکھنے کے درپے ہیں۔

پہلی بات جس پر یہ سب سے زیادہ زور دے رہے ہیں۔ یہ ہے۔ کہ اس وقت ہندو ریاست سخت خطرہ میں ہے۔ راکھشسوں نے اس پر ہلّہ بول دیا ہے۔ لہٰذا ہر ایک ہندو کا فرض ہے۔ کہ وہ اسے سنکٹ اور مصیبت سے بچائے۔ دوسری بات یہ کہ ریاست کی مسلم رعایا ہر طرح سکھی اور خوشحال ہے۔ بلکہ وہاں کے ہندوؤں سے کہیں زیادہ اسے رعائتیں ملی ہوئی ہیں۔ اور ان کا شور مچانا اور ایجی ٹیشن کرنا محض اس لئے ہے۔ کہ وہاں اسلامی راج قائم کریں۔ جیسا کہ انہی کے مندرجہ ذیل بیانات سے ظاہر ہے:۔

مہاشہ خوشحالچند صاحب ایڈیٹر ملاپ کا واویلا "ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ اس حالت میں مسلمانوں کا بغاوت کے لئے تیار ہو جانا ایک سازش کا نتیجہ ہے۔ ...... ضرورت ہے کہ اس سازش کا قلع قمع کیا جائے۔ اور اس کے جو بیج اس وقت کشمیر میں پھوٹ رہے ہیں۔ ان کو اُکھاڑ باہر پھینکا جائے"

(بحوالہ ملاپ ۔ از انقلاب ۱۷۔ جولائی ۱۹۳۱ء صہ)

پھر لکھا ہے:۔

"مسلمانوں کو اس ریاست میں سب سے زیادہ سہولتیں اور مراعات حاصل ہیں"

(ملاپ ۲۶۔ ستمبر ۱۹۳۱ء ص۵)

"کشمیر میں جو شورش شروع کی گئی ہے۔ یہ محض شکایات دور کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ حکومت کا تختہ پلٹنے کے لئے ہے" (ملاپ یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء صـ۵)

" افسوس یہ ہے۔ کہ ریاست کی کمزوری ہندوؤں کی تباہی کا باعث بن رہی ہے"

(ملاپ ۶۔ نومبر ۱۹۳۱ء صـ۵)

"کشمیری پنڈتوں۔ ڈوگروں اور دوسرے ہندوؤں کو اس وقت مل کر ایک راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اور (باہر کے) ہندو لیڈروں سے مشورہ کر کے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنی ریاست کو بھی محفوظ کر لینا چاہیئے" الخ (ملاپ ۱۵ نومبر ۱۹۳۱ء صـ۵)

"کشمیر اس وقت سنکٹ میں ہے۔ اس پر غلاموں نے شورش کر رکھی ہے"

(ملاپ یکم نومبر ۱۹۳۱ء صـ۵)

"(کشمیری مسلمان) تو مہاراجہ کو معزول دیکھنا چاہتے ہیں۔ کشمیر کی حکومت پر خود قابض ہونا چاہتے ہیں۔ مہاراجہ کی صلح ان سے اس دن ہوگی۔ جس دن وہ تخت سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں گے"

(مہاشہ کرشن۔ اخبار پرتاپ ۲۸۔ ستمبر ۱۹۳۱ء صـ۵)

"اگر کشمیر میں مسلمان غالب ہو گئے۔ اور کشمیری ہندوؤں کو نقصان پہنچا۔ تو ہندوستان کے ۲۸ کروڑ ہندوؤں کی حالت خطرے میں ہو جائے گی۔ ہمیں مٹانے کی تیاری کشمیر میں ہو چکی ہے۔ اب پنجاب کے ہندوؤں کو جاگنا چاہیئے۔ ورنہ ان کی حالت کشمیر جیسی ہو جائیگی" (ملاپ ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء صـ۱۱)

"ہندوستان کے ہندو اگر اس ہندو ریاست کو بچانا چاہتے ہیں۔ تو انہیں آرام طلبی کو چھوڑ کر جد و جہد کرنی ہوگی۔ ورنہ بعد میں جموں و کشمیر کے ہندوؤں کیلئے آنسو بہانا بے سود ہوگا۔ وقت ہے جاگو۔ سنبھلو۔ اور راکھشسوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہندو سلطنت کو بچاؤ" (ملاپ ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء صـ۵)

اسباب کی تردید کہ ہندو ریاست خطرہ میں ہے

یہی نہیں اور بھی متعدد اقتباس اس قسم کے دئے جا سکتے ہیں۔ جن میں اسی قسم کا واویلا کرتے ہوئے ہندو پبلک کو ڈرایا اور بھڑکایا گیا ہے۔ اور دراصل اسی قسم کے الفاظ اور سنسنی خیز مضامین نے بہتوں کو بھڑکا بھی دیا جس کے ماتحت انہوں نے جابجا جلسے کرکے اور ریزولیوشن پاس کرکے کشمیر گورنمنٹ کو یقین دلایا کہ ہم آپ کی مدد کے لئے حاضر ہیں۔ اور اس راہ میں اپنی جانیں تک نثار کر دیں گے وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ اس قسم کے مکروہ اور گھنونے پروپیگنڈے کی کچھ بھی تو حقیقت نہیں۔ ہم اس کی لغویت واقعات اور دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں۔ مگر چونکہ طوالت سے بچنا چاہتے ہیں۔ اس لئے خود انہی کے بھائی بندوں۔ نمائندوں اور لیڈروں کی زبان وقلم سے ہی انکو جھوٹا کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ جس سے ناظرین معلوم کر سکیں گے۔ کہ یہ لوگ محض مسلمانوں کو زک دینے اور ان کے جائز حقوق ہتھیلئے رکھنے کی خاطر کس قدر دیدہ دلیر بن کر جھوٹ جیسی نجس شے پر بھی مُنہ مارنے سے نہیں ہچکچاتے۔

ہندو لیڈروں کی شہادت کہ ریاست کو کوئی خطرہ نہیں

رائے بہادر بخشی سوہن لال صاحب بیرسٹر اور مسٹر اے ستیارتھی صدر و سکرٹری آریہ سواجیہ سبھا پنجاب (لاہور) نے کشمیر میں جاکر وہاں کے حالات کا مطالعہ کیا۔ اور جب واپس آئے تو بقول اخبار ملاپ انہوں نے

"اخبارات میں مشترکہ بیان دیا ہے۔ جس کے دوران میں آپ لکھتے ہیں۔ کہ ہم ۱۶۔ تاریخ بھال سے روانہ ہوئے۔ اور ۱۹۔ کو سرینگر پہنچے۔ ۲۶۔ تک وہاں رہے۔ اس دوران میں راجہ سر ہری کشن کول وزیر اعظم کے علاوہ سرینگر کے ہندو لیڈران سے ملاقات کی۔ جموں اور کشمیر کے مختلف حصّوں سے جو ہندو ڈیلیگیٹ مطالبات پیش کرنے آئے تھے۔ ان سے بھی ملاقات کی۔ اور تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے۔ کہ

جموں اور کشمیر ریاست میں اب مکمل امن وسکون ہے ..... جہاں تک ہندو ریاست کے استحکام کا تعلق ہے۔ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس شرارت کا منبع ریاست کے اندر اس قدر نہیں جتنا کہ برٹش پنجاب میں ہے۔ یہاں کے قادیانی ہندو دہرم۔ قوم پرستی۔ کانگرس یا گاندھی کے سخت دشمن ہیں (؟) اور جب تک برٹش گورنمنٹ انہیں خاموش نہ کردے۔ وہ اپنی سرگرمیوں سے باز نہیں آئنگے۔ احرار کی سرگرمیوں کا کوئی نوٹس نہیں لینا چاہیئے۔ ان کی ایجی ٹیشن خالی خولی ہے..... حالات کے معائنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ریاست کو کوئی خطرہ درپیش نہیں ہے"۔ (ملاپ ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء صـ۱۶)

ہندو سبھائیوں نے مسلمانوں کو بدنام کرنے۔ اور اپنی قوم کو بھڑکانے اور آمادہ فساد کرنے بلکہ مسلمانوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھنے کے لئے گذشتہ چند ماہ میں جتنا جھوٹ بولا۔ لوگوں کو مغالطہ میں ڈال کر ہراساں کر دیا۔ کیا ان کے ہردو مسلمہ نمائندوں کا محولہ بالا بیان ان کی کذب بیانیوں اور دروغ بافیوں کا راز طشت از بام نہیں کرتا۔ کس قدر دکھ اور رنج کا مقام ہے۔ کہ یہ لوگ محض ذاتی فوائد کی خاطر دوسروں کو بدنام کرنے اور انہیں مصائب میں مبتلا رکھنے کے لئے کھلے بندوں بغیر کسی حجاب یا جھجک کے جھوٹ بولتے اور دھوکہ دیتے ہیں۔

اب ناظرین بالخصوص ہندو ناظرین محولہ بالا بیان پڑھ کر خود ہی اندازہ لگالیں۔ کہ جو لوگ کشمیر تحریک کے خلاف پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ وہ کس قسم کے اخلاق کے مالک ہیں۔ اور ان کا پروپیگنڈا اپنے اندر کتنی صداقت رکھتا ہے۔ ان کی کذب بیانی کی اس ایک مثال سے ہی آپ باقی باتوں کو بھی قیاس کرلیں۔

اپنے ہندو ناظرین پر یہ واضح کر دینے کے بعد کہ ریاست کشمیر کو کسی قسم کے خطرہ کا سامنا نہیں۔ اور جو ایسا کہتے ہیں۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

یہ کہنا غلط ہے کہ مسلمانوں کو وہاں دُوسروں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں

اب ہم ان کی دوسری بات کو لیتے ہیں۔ کہ مسلمانان کشمیر کو تو ہندؤں سے بھی زیادہ مراعات حاصل ہیں۔ اور ہر طرح سُکھی ہیں۔ اور یہ کہ ان کا ریاست کے خلاف ہنگامے بپا کرنا محض اس لئے ہے۔ کہ وہاں مسلم راج قائم کیا جائے اے کاش کہ یہ صحیح ہوتا۔ کہ وہاں کے مسلمان ہندؤں سے زیادہ سُکھی اور خوشحال ہیں۔ اور ان کو دوسروں سے زیادہ مراعات حاصل ہیں۔ مگر افسوس کہ واقعات کا انکار ہمارے بس کی بات نہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے جی خوش کرنے کے لئے اس قسم کی باتیں مان بھی لیں۔ تو فوراً ہی وہاں کے مسلمانوں کی حالتِ زار کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور اس کا تصوّر کرتے ہی بے اختیار ان مہا سبھائیوں کی اخلاقی حالت پر ماتم کرنے کو جی بیقرار ہوجاتا ہے۔ کہ یہ لوگ مفلوکوں کو خوشحال اور دُکھیوں کو سُکھی بتا کر دنیا کو صرف اس لئے دھوکہ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ کہ وہ ان خستہ اور تباہ حال لوگوں کی امداد نہ کریں۔ کیا اس قسم کی انتہائی خود غرضی اور تاریک ترین تعصب کی اس کے سوا اور بھی کہیں مثال مل سکتی ہے؟ پہلے تو ہم صرف کشمیر کے مفلوک الحال مسلمانوں کی تعلیمی، صنعتی۔ تجارتی۔ مالی اور اقتصادی گراوٹ دیکھ کر ہی رویا کرتے تھے۔ مگر اب ہمیں ان مہا سبھائیوں کی ایمانی اور اخلاقی گراوٹ پر بھی آنسو بہانا پڑیں گے۔ جو سب کچھ جانتے بُوجھتے ہوئے بھی یہ لکھنے میں حجاب محسوس نہیں کرتے۔ کہ:۔

"ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کو ہندؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں" یا

"مسلمانوں کو اس ریاست میں سب سے زیادہ سہولتیں اور مراعات حاصل ہیں"

ہماری سمجھ سے یہ قطعی بالا ہے۔ کہ یہ لوگ لیڈر کہلا کر بھی کسطرح اس قسم کی باتیں بغیر کسی جھجک کے زبان پر لے آتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو مذہبی آدمی بتلاتے ہوئے بھی انکو اس قسم کی باتیں قلم سے نکال کر لوگوں کو دھوکہ دینے میں باک نہیں ہوتا۔

ہم اپنے غیر مسلم بھائیوں کی خدمت میں جو ان لوگوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو چکے ہیں۔ یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ وہ ہرگز ہرگز اس قسم کی باتوں پر یقین نہ کریں کیونکہ ان میں رمق بھر بھی سچائی نہیں۔ اور یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے۔ محض اس لئے ہے۔ کہ کشمیر کی مصیبت زدہ اکثریت کہیں ان کے خود غرضی اور تعصب پر مبنی فرقہ دارانہ مقاصد میں روک نہ ڈال دے۔

معترضوں کو خود ہی غور کرنا چاہیئے ان لوگوں کو اتنا تو سوچنا چاہیئے۔ اگر ریاست کی مسلم آبادی ہر طرح سُکھی اور خوشحال ہے۔ اور اسے ہندوؤں سے زیادہ رعائتیں حاصل ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ باہر سے جو آدمی بھی وہاں جاتا ہے۔ وہ ان کی حالت زار پر افسوس کئے بغیر نہیں رہتا۔

جنھوں نے کشمیر دیکھا ہے وُہ وہاں کے مُسلمانوں کی بد حالی کے گواہ ہیں

ہمیں بیسیوں آدمی ایسے ملے ہیں۔ جو سیر و تفریح کی خاطر کشمیر گئے۔ جو وہاں کے قدرتی مناظر اور تاریخی عمارتوں۔ سرسبز باغوں۔ ہرے بھرے کھیتوں۔ شفاف پانی کے چشموں نہروں۔ ڈل اور برفانی پہاڑیوں۔ ہوس بوٹس کی سیروں۔ اور وہاں کے باشندوں کی صنعتی کمالات اور حُسن و خوبصورتی کی بڑے شاندار لفظوں میں تعریف کرتے پائے گئے۔ لیکن جب وہاں کی رعایا کی حالت دریافت کی گئی۔ تو ہر ایک نے ہی ان کی غربت افلاس بے چارگی مصیبت اور پریشان حالی کا دکھڑا رو دیا۔ یہی نہیں بلکہ ہم نے کئی غیر ملکی اور ہندوستانی سیاحوں کے سفر نامے بھی پڑھے ہیں جن میں انگریز بھی ہیں۔ پادری بھی ہیں۔ ہندو بھی ہیں۔ اور مسلمان بھی۔ ان میں کا ہر ایک ہی وہاں کی مسلمان رعایا کی غربت و زبون حالی پر آنسو بہاتا نظر آیا۔

وہ وہاں کی آب وہوا کی تعریف کرتے ہیں۔ وہاں کے قدرتی مناظر کی تعریف کرتے ہیں۔ وہاں کے چشموں اور آبشاروں کی تعریف کرتے ہیں۔ وہاں کی جھیل ڈل۔ دریا اور نہروں کی تعریف کرتے ہیں۔ وہاں کے ہرے بھرے کھیتوں۔ پھلوں۔ پھولوں اور سایہ دار درختوں کی تعریف کرتے ہیں۔ وہاں کی تاریخی عمارتوں کی تعریف کرتے ہیں۔ اُن کے بانیوں کے حسن مذاق کو سراہتے ہیں۔ وہاں کے باشندوں کی دماغی۔ ذہنی اور صنعتی قابلیت کی داد دیتے ہیں۔ وہاں کے حسن وجمال پر اظہار تعجب کرتے ہیں۔ لیکن جب وہاں کے لوگوں کی مالی۔ اقتصادی۔ تجارتی اور اخلاقی حالت کا ذکر کرتے ہیں۔ تو اس وقت خود بھی روتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی رُلاتے ہیں۔ اور بڑے تاسّف کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ ہم وہاں سیر وتفریح کے لئے گئے۔ اور اس نیّت سے گئے۔ کہ چند روز دنیا کی فکروں سے آزاد ہو کر وہاں کے قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوں گے۔ مگر جہاں ہم قدرتی نظاروں اور دلفریب آبشاروں سے فرحت حاصل کرتے تھے۔ وہاں کی آب وہوا سے اپنے اندر ایک زندگی اور تازگی محسوس کرتے تھے۔ وہاں کے پھولوں سے دماغ کو تازہ ومعطر کرتے تھے۔ اور وہاں کے میووں اور پھلوں سے لذّت اندوز ہو کر اپنے آپ کو ایک عجیب قسم کے سرور اور کیف کی حالت میں پاتے تھے۔ لیکن جونہی وہاں کے باشندوں۔ ان کے میلے کچیلے کپڑوں۔ ان کے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑوں اور ردّی قسم کے کھانوں پر نظر پڑتی۔ بس وہیں وہ تمام سُرور، کیف اور لطف خاک میں مل جاتا۔ اور طبیعت یکدم منغّض ہو جاتی۔

اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ ان لوگوں کے علاوہ اور بھی جو لوگ کشمیر گئے ہونگے۔ انہوں نے وہاں کے جنّت میں اس قسم کا دوزخی نظّارہ بارہا دیکھا ہوگا۔ لیکن جن کو وہاں جانے اور وہاں کے باشندوں کی تاسّف ناک اور قابلِ رحم حالت دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ ان کی غُربت، فلاکت اور درماندگی کو اپنی آنکھوں نہیں دیکھا۔ ان کے لئے ہم ذیل میں چند

ایسے اصحاب کے بیانات نقل کئے دیئے ہیں جنھوں نے وہاں کی غریب مفلس قلاش مصیبت زدہ اور پریشان حال رعایا کی حالت کا بچشم خود مطالعہ کیا ہے۔ تاکہ وہ بھی ان کے المناک اور زہرہ گداز حالات سے واقف ہو کر مہاسبھائیوں کے جھوٹے اور مغالطہ دہ پروپیگنڈے کی حقیقت معلوم کر سکیں اور یہ فیصلہ کر سکیں۔ کہ مہاسبھائیوں کے لغو پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ظلم کی حمایت کرنی چاہیئے۔ یا وہاں کے ان خستہ حال لوگوں کی امداد کرنا چاہیئے۔ جو اس حیوانی بلکہ دوزخی زندگی سے چھٹکارا پانے کے لئے حسرت بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہے ہیں اور رحم اور انسانیت کا واسطہ دے دے کر امداد کی درخواست کر رہے ہیں۔

امید ہے کہ مندرجہ ذیل بیانات کا ٹھنڈے دل سے بالطبع اور خالی الذہن ہو کر مطالعہ کیا جائے گا۔ جن سے وہاں کی مسلمان پبلک کی پتلی اور زبون حالت۔ ریاست کے عمال کی غیر ہمدردانہ روش۔ اور غریب رعایا سے پُر تعصب سلوک۔ ملک کی تجارت۔ صنعت و زراعت کی بدحالی۔ تعلیم کی کمی۔ جہالت و بداخلاقی کا زور۔ حکمرانوں کے عجیب و غریب قوانین۔ اور ریاستی انتظام کی خرابیاں معلوم ہو سکیں گی۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائیگا۔ کہ اس خرابی و بدحالی کا ذمہ وار کون ہے۔ رعایا یا خود ریاست۔ نہ صرف یہی بلکہ ان سے ناظرین کو مسلمانان کشمیر کی موجودہ بے چینی اور ایجی ٹیشن کے صحیح اور حقیقی اسباب اور علل کا بھی پتہ لگ جائے گا۔ اور وہ معلوم کر سکیں گے۔ کہ مسلمانوں پر کسی گہری سازش کا الزام لگانا محض بہتان ہے۔ بلکہ ان کی شورش اور بے چینی کی وجہ گذشتہ سو سال کی پیہم ذلتیں۔ رسوائیاں۔ حقوق تلفیاں اور عمال ریاست کی متشددانہ کارروائیاں ہیں۔ جن سے تنگ آ کر انہوں نے پروٹسٹ کے طور پر آواز اٹھائی۔ اور لامتناہی ذلت و رسوائی کے سلسلہ کو آئندہ بند کرنے کے لئے کمر ہمت باندھی ہے۔ نہ کہ اپنے شریف الطبع والی کو تخت حکومت سے محروم کرنے کے لئے ؛

مسلمانانِ کشمیر کی تباہ حالی پر بین علینی شاہدوں کی شہادتیں

(۱)

شیخ عطاء محمد صاحب وکیل و رئیس اعظم گوجرانوالہ سابق صدر آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس امرتسر کا واقعات پر مبنی بیان

صاحب موصوف کشمیری الاصل ہیں۔ اور کشمیر کئی بار جا چکے ہیں۔ وہاں کے حالات کا بنظرِ امعان مطالعہ کیا ہے ریاست کی مسلم آبادی کی حالت اپنی آنکھوں دیکھی ہے۔ ریاست کے کارندوں کے اعمال سے بھی کافی واقفیت رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم سب سے پہلے انہی کے ایک صدارتی خطبہ کے جستہ جستہ اقتباس درج ذیل کرتے ہیں۔ جو اپنے اندر نہ صرف معلومات کا کافی ذخیرہ رکھتے ہیں۔ بلکہ دروغگو مہاسبھائیوں کے حق پوش پروپیگنڈے کی دھجیاں بھی بکھیر کر رکھ دیں گے:۔

"کشمیر کے دلفریب مناظر۔ اس کے آباد میدان۔ معمور وادیاں۔ اس کے جنگل اس کے دریا ایسی نعمتیں ہیں۔ کہ شاید ان کا عشرِ عشیر بھی کسی دوسرے ملک کے حصہ میں نہ آیا ہو۔ لیکن جیسا کہ میں نے اس سے پہلے کہا ہے۔ خود کشمیریوں کے واسطے ایک جہنم بنا ہوا ہے۔ کیونکہ فقدانِ تعلیم اور سلبِ آزادی کے باعث وہ ان فوائد سے خود فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ ان کے جذبات اُبھرنے نہیں دیئے جاتے۔ ان میں کوئی ولولۂ قومی پیدا ہونے نہیں دیا جاتا۔ اور خود اپنے ملک میں ان کی بہائم سے زیادہ وقعت نہیں۔ بعض اصحاب جو خود میری طرح کشمیر گئے ہیں۔ اور وہاں کے حالات سے بخوبی واقف ہیں۔

میرے اس بیان کی تائید فرمائیں گے۔ تمام ریاست میں بیگار ایک ایسی لعنت ہے۔ کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی شخص کے قلب میں انسانی شرف اور خودداری کے جذبات کبھی داخل نہیں ہو سکتے۔ ہر سال کے نومبر کے اوائل میں ہزاروں ہندو زائرین امرناتھ کی زیارت کو جو مرتفع پہاڑ میں واقع ہے جاتے ہیں۔ راستہ بڑا ہی بکھڑا ہے۔ اکثر سادھوؤں کو جو پیدل چلنا پسند نہیں کرتے۔ کشمیری بیگاریوں کی پیٹھوں پر لاد کر امرناتھ پہنچاتے ہیں۔ اور ریاستی حکام اور دوسرے سیاحین کو جب کبھی نقل مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو ان کا سارا ٹھاٹھ انہی بے زبان لوگوں کی پیٹھوں پر لادا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ کئی کئی دن بلکہ ہفتوں اپنے گھروں سے غیر حاضر رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ لیکن اس بیگار کا کوئی بوجھ ہندو رعایائے سٹیٹ پر نہیں ڈالا جاتا۔ وہ اپنے مذہب کی رُو سے اس قدر مقدّس ہیں۔ کہ ان کو مخصوص مسلمانی کام پر لگایا جانا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ ہر عاقل حکمران کا فرض ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اپنی رعایا کے ہر فرقہ میں شدّت کیساتھ مساوات کو قائم رکھے۔ اور اس الزام سے اپنے دامن کو پاک رکھے۔ کہ ایک خاص فرقہ کو جو اس کا ہم مذہب ہے۔ محض اس کی مذہبی حیثیت سے دوسرے مذاہب پر سبقت اور تفوّق دے۔"

"اس (آل انڈیا مسلم کشمیری) کانفرنس کی بنیاد ڈالنے کے وقت اہل کشمیر کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ (آج سے چند سال قبل) نہ تو وہ علم کے زیور سے آراستہ تھے۔ اور نہ ان کے سر پر کسی ایسے شفیق۔ رعایا پرور اور مہربان حاکم کا سایہ تھا۔ جس کو کہ ان کی مصیبت کا احساس ہو۔ اور نہ ہی ان کو اپنے ملک میں شہریت کے کوئی خاص حقوق حاصل تھے۔ اور نہ ہی ان کی زندگی خودداری کے اصول پر مبنی تھی)۔ وہ سرزمین جس میں کہ باہر والوں کو فردوس بریں کے نظارے نظر

آتے تھے۔ اپنے ساکنان کے لئے جہنم سے کم نہ تھی۔ البتہ اتنا فرق تھا۔ کہ جہنم کے گرم شعلوں کی بجائے وہاں سرد آہوں کا غبار تھا۔ اور سرد مہری کا سماں۔ آبادی کے لحاظ سے تو ان کی نسبت چار میں تین کی تھی۔ لیکن آسائش کے لحاظ سے ان کا جان و مال۔ ان کا اقتدار۔ ان کا وقار۔ ان کی عزت اس فرد واحد کے آستانے پر قربان کی جارہی تھی۔ جو اپنی ہستی کے لئے ان کے وجود کا محتاج تھا۔ وہ تھے تو انسان۔ لیکن زبان ندارد۔ وہ تھے تو جسم۔ لیکن جان ندارد۔ ان کی قدر و منزلت ان جمادات اور نباتات کے ٹکڑوں سے بھی کم تھی۔ جن کو کہ قادر مطلق نے ان کے استعمال کے لئے پیدا کیا ہوا تھا۔ ان کی اس شورہ بختی کو دیکھ کر چند اکابرین قوم کے دلوں کو ٹھیس لگی۔ اور ان بے زبانوں کی زبان پیدا کرنے کے لئے اس کانفرنس کو معرض ہستی میں لایا گیا۔ اس میں ہماری اپنی غرض یہی تھی۔ ...... نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایک عالم پر روشن ہوگیا۔ کہ اہالیانِ کشمیر کی نکبت بالطبع نہیں۔ بالجبر ہے"۔

"ہزار حیف کہ خداوند کریم کی سب برکات میں سے ایک تعلیم ہی ہے۔ جو اہالیان کشمیر میں موجود نہیں۔ ریاست کشمیر کی کل آبادی اکتیس[۳۱] لاکھ ہے۔ جس میں چوبیس[۲۴] لاکھ مسلمان ہیں۔ (اب مسلمانوں کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے، ناقل) اور ان میں موجودہ تعلیم کا اس قدر فقدان ہے۔ کہ ایک لاکھ میں ایک سو بھی صحیح معنوں میں تعلیم یافتہ نہیں کہے جا سکتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مدنیت (شہری) کے حقوق پاؤں کے نیچے روندے جارہے ہیں۔ ...... اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ مسلمہ اصول حکمرانی کے مطابق اس مرض کا ازالہ کس پر واجب آتا ہے۔ انہی چوبیس لاکھ مسلمانوں کے بل بوتے پر ریاست کی عظمت قائم ہے۔ اور انہی کے پسینہ کی کمائی ریاست کے خزانوں کو معمور کرتی ہے۔ اور یہی وہ جماعت ہے۔ کہ جس کو انہی کے فراہم کئے ہوئے مال سے مستفید ہونے کا نہایت

ہی قلیل موقعہ دیا جا رہا ہے۔ ریاست کشمیر کی موجودہ سول لسٹ کو اٹھا کر دیکھیں تو کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ کئی شعبوں میں تو مسلمان نام کو بھی نظر نہیں آتے! اور جہاں کہیں بھی ہیں۔ آٹے میں نمک بھی نہیں ہیں۔ کسی قوم کی اصلاح اس وقت تک ناممکن ہے۔ جب تک کہ ایڈمنسٹریشن میں اس کو پورا تصرّف نہ ہو۔ . . . . . کوئی قوم موجودہ وقت میں زیور علم سے آراستہ نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ رئیس قوم اس کے لئے تعلیمی سہولتیں پیدا کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔"

"گذشتہ دس بارہ سالوں سے ہز ہائی نس مہاراجہ (پرتاپ سنگھ) صاحب بہادر کی خدمت میں معروضات پیش کی جا رہی ہیں۔ اور ان کی توجہ اس امر کی طرف منعطف کرائی جا رہی ہے۔ اور گو ہمارے مطالبات نہایت ہی واجب اور مبنی بر انصاف ہیں۔ لیکن ہمیں نہایت ہی افسوس سے اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ وہاں صدائے برنخواست کا معاملہ ہے۔ ان ریزولیوشنوں کے علاوہ جو کہ گذشتہ کانفرنسوں میں وقتاً فوقتاً پیش کئے گئے۔ ایک برگزیدہ وفد آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد ممبر کونسل وزیر ہند کی سرکردگی میں ۱۹۱۳ء میں ہز ہائینس مہاراجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور انہوں نے ایک جامع اور بسیط ایڈریس پیش کرکے اعداد و شمار کی رُو سے ان پر روشن کر دیا۔ کہ مسلمانان کشمیر کی طرف ریاست کی کم توجہی اور بے اعتنائی صریحاً خلاف انصاف ہے۔ اور ریاست کی طرف سے ان کی تعلیمی امداد بالکل ناکافی ہے۔ اور علاوہ ازیں چند ایک عملی تجاویز سمجھائیں۔ جن کو اختیار کرنے سے مسلمانان کی کسی حد تک حق رسی ہو سکتی ہے۔ لیکن ہز ہائینس مہاراجہ صاحب کی طرف سے جو جواب اس وقت اس ایڈریس کا دیا گیا۔ وہ نہایت ہی یاس انگیز تھا۔ اور مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ کارکنان ریاست کے خیالات میں ان دس سالوں نے کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔"

"جب ہم ریاست کی سول لسٹ کو اٹھا کر سرسری نظر سے دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس میں اصول فرقہ داری سے بکلی چشم پوشی کی گئی ہے۔ جنرل برانچ سینیر ممبر۔ ممبر خارجہ استقبالیہ ممبر۔ رکھ جات وحفاظت شکار۔ توشہ خانہ۔ بگھی خانہ۔ تحقیقات سائنس۔ لائبریری۔ علم اشیا بقدیمہ۔ عجائب خانہ۔ جھنر کان۔ محکمہ زراعت۔ محکمہ تعمیرات محکمہ حساب۔ دہرم ارتھ۔ روڈ سیس۔ انتظام جائداد ریاستی۔ محکمہ نہر اور گرکری وکلار میں مطلق کوئی مسلمان گزٹیڈ افسر نہیں۔ مہاراجہ صاحب بہادر کے ایڈیکانگوں اور حاضر باشوں کی تعداد سولہ ہے۔ لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ ان میں ایک بھی مسلمان نہیں۔ فوجی اسسٹنٹ سرجنوں کی تعداد ۵ ہے۔ جن میں صرف ایک مسلمان ہے۔ اور محکمہ باربرداری میں چار افسروں میں تین مسلمان ہیں۔ باقی فوجی افسروں کی تعداد ۲۰۵ ہے۔ جن میں مسلمان صرف ۳۶ ہیں۔ جنگلات کے محکمہ میں ڈویژن افسروں کی تعداد ۷، ۲ میں صرف دو مسلمان ہیں۔ اور دیگر افسران کی ۴۵ کی تعداد میں سے صرف ۱۲ مسلمان ہیں۔ محکمہ آبکاری اور پرمٹ میں صرف ایک مسلمان ہے باقی ۷، ۱ ہندو ہیں۔ اور محکمہ مال جیسے وسیع محکمہ میں جہاں مسلمانوں کے صرف ۲۷ نفر ہیں اس کے مقابلہ پر ہندوؤں کی تعداد ۱۱۲ نفر ہے۔ ڈاکٹروں کی تعداد ۲۸ ہے۔ لیکن مسلمان صرف ۲ ہیں۔ محکمہ تعلیم کے ۱۱۷ انسپکٹران اور ہیڈ ماسٹران میں سے صرف تین مسلمان ہیں۔ اور ہر دو کالجوں کے پروفیسروں کی تعداد ۲۳ میں سے صرف ۳ مسلمان ہیں۔ ریشم کے محکمہ میں گزٹیڈ افسروں کی تعداد ۵۴ ہے لیکن ان میں مسلمانوں کی تعداد ۴ سے زیادہ نہیں"

(اخبار سیاست لاہور ۷ و ۸ نومبر ۱۹۲۳ء)

صاحب موصوف نے اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر جس وقت کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے وہ موجودہ فرمانروائے کشمیر کے تایا مہاراجہ پرتاپ سنگھ صاحب بہادر کے عہد سے

تعلق رکھتا ہے۔ اور ان کے عہد میں مسلمانوں کے ساتھ اس قدر بے مہری و ناانصافی کا سلوک کیوں ہوتا تھا؟ اس کی وجہ ایک دوسرے مسلمان لیڈر کی زبان سے سن لیجئے۔ جو کئی بار ریاست کا نہ صرف دورہ کر چکے ہیں۔ بلکہ خود متوفی مہاراج سے مسلمانان کشمیر کے حقوق کی خاطر جا کر ملے بھی۔ ہاں وہی فرماتے ہیں۔ کہ:۔

(۲) جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کا حقیقت پر مبنی بیان

"میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ سابق فرمانروائے کشمیر سے مسلمانوں کے حقوق کے لئے کئی دفعہ ملا۔ وہ بڑے متعصب تھے۔ صبح سے دوپہر تک کسی مسلمان کی صورت نہیں دیکھتے تھے" (اخبار انقلاب یکم جولائی ۳۱ء ص۶)

اس ذاتی مشاہدہ پر مبنی بیان کو پڑھکر ہر ایک شخص اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ جس ملک کے حکمران اتنے تنگدل اور متعصب ہوں۔ ان کی رعایا کس طرح سُکھ کا سانس لے سکتی ہے چونکہ بدنصیب کشمیریوں کو عرصہ دراز تک ایسی ہی ذہنیت رکھنے والوں سے واسطہ رہا اس لئے ان کی موجودہ زبون اور قابل رحم حالت قابل تعجب نہیں۔ کیونکہ اس قسم کے تعصب کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا۔ جس کے روح فرسا نظارے آج ہماری آنکھوں کو اشکبار اور دل کو فگار کر رہے ہیں۔

ممکن ہے کہ اس موقعہ پر کہا جائے۔ کہ یہ ہر دو بیانات مسلمانوں کے ہیں۔ جو غیر مسلم پبلک پر عموماً اور سنگٹھنیوں پر خصوصاً حجت نہیں ہو سکتے۔ لیکن جب یہ بیانات صحیح واقعات اور ذاتی علم اور مشاہدہ پر مبنی ہیں۔ تو کس طرح ان کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟۔ اور وہ کونسی دلیل ہے۔ جس کی بناء پر یہ کہنا حق بجانب ہو سکتا ہے۔ کہ یہ دوسروں کیلئے حجت نہیں؟

اوّل الذکر بیان کو شائع ہوئے کئی سال گذر چکے ہیں۔ اور مؤخر الذکر کو کئی ماہ۔ اگر ان میں کوئی بات خلاف واقعہ اور غلط ہوتی۔ تو کیا ریاست یا اس کے حمائتیوں کی طرف سے

تردیدی اعلان شائع نہ ہوتا۔ پس ان کو یکطرفہ، جنبہ داری پر مبنی اور دوسروں پر حجت نہیں کہنا قطعاً درست نہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کو ریاست سے کوئی دشمنی نہیں۔ وہاں کے حکمرانوں سے کوئی پرخاش نہیں۔ پھر کس طرح یہ لوگ بے وجہ غلط بیانی سے کام لیتے۔ چونکہ یہ بیانات ان کے ذاتی علم اور مشاہدہ پر مبنی ہیں۔ اس لئے ان میں بیان کردہ حقائق یقیناً اس قابل ہیں۔ کہ ان کو صحیح اور حقیقت پر مبنی سمجھا جائے۔ لیکن اس قسم کے تھوتھے اعتراض کرنیوالوں کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ خدا نے چاہا۔ تو ہم انہیں مُنہ مانگے دلائل دیں گے۔ نہ صرف غیر مسلموں کی شہادتیں سنائیں گے۔ بلکہ خود ان کے ہم مذہب ہندو عالموں فاضلوں اور پنڈتوں کی چشم دید روائتیں بھی گوش گذار کریں گے۔ اور اگر انہوں نے صبر سے کام لیا۔ تو آخر میں ہم خود ان معترضوں کو ان کی خود نوشتہ تحریریں بھی پڑھوائیں گے۔ جن کو یہ شاید طاقِ نسیان کا گلدستہ بنا چکے ہیں۔ ہمیں امید ہے۔ کہ جلد باز معترض ہماری تحقیق اور محنت کو سکونِ دل کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں گے۔ کیونکہ ہمارے پاس خدا کے فضل و کرم سے اس مسئلہ کے متعلق ہر مذہب اور طبقہ کے لوگوں کے بیانات موجود ہیں۔ جن میں سے بعض نمبروار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ ان ہر دو مسلمان اصحاب کے حقائق پر مبنی بیانات درج کرنے کے بعد اب ہم ایک

(۳) ایک پادری صاحب کا بیان

پادری صاحب کی کتاب جس کا انگریزی نام "دی نیٹو سٹیٹس آف انڈیا" اور ہندی نام "ہند دیشیہ راجاولی" ہے۔ اس کے صفحہ ۱۱۶ کا مختصر سا اقتباس درج ذیل کرتے ہیں۔ پڑھیئے اور محولہ بالا بیانات کی تصدیق کیجئے:۔

"۱۸۵۷ء میں (مہاراجہ) گلاب سنگھ مر گئے۔ اور ان کے بڑے فرزند مہاراجہ رنبیر سنگھ جو قوم کے ڈوگرہ راجپوت تھے گدی پر بیٹھے۔ ۱۸۸۵ء میں وہ بھی مر گئے۔ اور اُن کے فرزند (مہاراجہ) پرتاپ سنگھ مہاراج ہوئے۔ اس راج میں رعایا کو بہت دُکھ

دیا گیا ہے۔ اس سے لگان۔ محصول زیادہ لیا گیا۔ اور طرح طرح کی بدسلوکیاں کی گئی ہیں۔ مہاراجہ نے سوچا۔ کہ میرے پتا نے مرنے پر مچھلی کا جنم لیا ہے۔ سو رعایا کو جو زیادہ تر مسلمان تھے۔ اور جن کی خوراک میں زیادہ تر مچھلی کام آتی تھی۔ مچھلی کا شکار ممنوع قرار دیا۔ اس مصیبت کو ہلکا کرنے کیلئے (انگریزی) سرکار نے راج کو ایک کونسل کے سپرد کر دیا۔"

(ہندو لیشفیہ راجا ولی مطبوعہ الٰہ آباد ۱۸۹۶ء)

یہ تو مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب آنجہانی کے دورِ حکومت کے ابتدائی زمانہ کی حالت تھی۔ اب آخری زمانہ کی حالت بھی ملاحظہ ہو۔

پرنس آف ویلز کے شاہی سٹاف کے ایک معزز رُکن کا بیان

اور وہ ہم حضور شہزادہ ویلز کے شاہی سٹاف کے ایک معزز اور محترم رُکن کی زبانی سناتے ہیں۔ یہ صاحب پرنس آف ویلز کی سیاحتِ ہند میں آپ کے ساتھ ساتھ رہے تھے۔ جب انہوں نے شہزادہ صاحب کے ہمراہ جموں پہنچ کر وہاں کی رعایا۔ اس کے حالات اور ریاست کے نظامِ حکومت کو دیکھا۔ تو اپنے ایک مضمون میں لکھنا پڑا۔ کہ :-

(۴) "جموں کوہستانی ریاست ہے۔ مہاراجہ کشمیر کے زیرنگین ہے۔ اس کی وادی ہیں جو سیالکوٹ کے پاس سے شروع ہوتی ہے۔ زراعت ہوتی ہے۔ اور جا بجا سبز باغ ہیں۔ جن کے میوہ دار درخت نہایت نظر فریب اور خوشنما ہیں۔ دریائے توی سے جو چناب کی ایک شاخ ہے۔ نہر نکالی گئی ہے۔ اور یہ نہر تمام نشیبی علاقہ کو سیراب کرتی ہے۔ آبادی ریاست کشمیر کی ۹۵ فیصدی مسلمان ہے۔ جو نہایت غریب اور مفلس ہیں۔ تعلیم سے بے بہرہ اور تمدن سے ناآشنا ہیں۔ حکومت میں ان کو کوئی حصہ نہیں۔ حتیٰ کہ معمولی کلرک بھی (عموماً) کوئی مسلمان نہیں۔ سرکاری ملازمت بالکلیہ پنڈتوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور چھوٹے بڑے جتنے عہدہ دار ہیں۔ قریباً سب کے سب

کشمیری پنڈت ہیں۔ زمین کا لگان تو اتنا زیادہ نہیں۔ مگر غریب مزارعین کو اتنے نذرانے دینے پڑتے ہیں۔ کہ وہ خوشحال نہیں ہو سکتے۔ کیمپ کے انتظام کے لئے ہزارہا دہقانی بیگار میں پکڑے گئے تھے۔ جنکو کھانا یا بھتہ ملنا تو در کنار رہنے کو جگہ تک نہ تھی۔ اور مجھ سے ایک عہدہ دار نے کہا۔ کہ بہتوں نے اپنی لوٹیاں اور چادریں بیچ بیچ کر کھائیں اور بھاگ گئے۔ ریذیڈنسی جموں میں بھی ہے۔ اور کشمیر یعنی سرینگر میں بھی ہے۔ اور یہ کہنا ذرا بھی مبالغہ آمیز نہیں۔ کہ ہندوستان بھر میں کہیں بھی پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ اس قدر مفید کام نہیں کر رہا۔ جس قدر کہ کشمیر میں یہاں ریذیڈنسی غریب رعایا کیلئے آیۂ رحمت ہے۔ اور ان کو خود سر عہدہ داروں کی دست درازیوں سے بچاتی ہے جب کبھی کسی پر زیادتی ہوتی ہے۔ یا کسی کو پیٹا گیا۔ تو ریذیڈنسی کی بدولت وہ فائز المرام ہوا۔ مسلمان اگر ایک آدھ کہیں ملازمت میں نظر آتا ہے۔ تو وہ ریذیڈنسی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اہل اسلام سے جو تعصب یہاں ہے۔ اس کے دیکھنے سے تو یہی تعجب خیز ہے۔ کہ مسلمان یہاں آباد کیسے رہنے دئے گئے مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا۔ کہ یہاں کے پنڈتوں میں قومی تحریک بھی کام کر رہی ہے۔ اور وہ نان کواپریشن کو پسند کرتے ہیں۔ گو علانیہ اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ ریذیڈنسی کے بڑے شاکی ہیں۔ کہ حکومت اصل میں اسی کے ہاتھ میں ہے۔ مگر یہ نہیں دیکھتے۔ کہ یہ خود حکومت کی کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ حکومت اگر یہ آئین شائستہ کام کرے۔ رعایا کو خوش رکھے۔ جبر و ظلم کی بیخکنی کرے۔ عدل و شفقت کا پرتو ڈالے۔ تو ریذیڈنسی کو کیوں دخل دہی کا موقعہ ملے مجھ سے پنجاب کی ایک بڑی ریاست کے وزیر اعظم نے خوب کہا۔ کہ ریذیڈنسی کی مداخلت جہاں زیادہ ہو۔ وہ رئیس کی کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ اس سے رعایا خوش ہو۔ تو ریذیڈنسی کو کبھی دخل دہی کا موقعہ ہی نہ ملے۔ اور یہ بالکل سچ ہے۔ میں نے یہاں کے غریب مزارعین سے گفتگو کی ہے۔ اہل حرفہ کے خیالات دریافت کئے ہیں۔ عوام الناس سے

بات چیت کی ہے۔ اور سب کو مہاراجہ کا ہوا خواہ مگر عمالانِ ریاست کا شاکی پایا ہے۔
تعلیم کا نام نہیں ۔ جہالت اور فلاکت کا دور دورہ ہے۔ مسلمان نہ صرف زراعت بلکہ
تمام دستکاری اور حرفت کے مالک ہیں۔ عمدہ سے عمدہ شال اور جامہ واریہی بناتے
ہیں۔ مجھ سے ایک دوست نے ایک جامہ وار کی جانماز دکھائی جس سے بہتر کام میں
نے عمر بھر نہیں دیکھا۔ اور اس کی قیمت ہزار روپیہ سے کم نہ ہوگی۔ یہ مسلمان لڑکیوں
کی بنائی ہوئی تھی۔ اور جس قدر نفیس کام ہوتے ہیں ۔ وہ سب لڑکیاں ہی کرتی
ہیں"۔ (اخبار پیسہ اخبار لاہور ۱۱۔ مارچ ۱۹۲۲ء ص۹)

یہ اس شخص کا بیان ہے۔ جو ہر قسم کی پارٹی فیلنگ اور جانبداری سے مبرا تھا۔ اسے
نہ ریاست سے کوئی عداوت تھی۔ نہ حکومت کے عہدہ داروں سے کسی قسم کا بیر۔ بلکہ وہ
شاہی سٹاف کا رکن اور ریاست کا مہمان تھا۔ اس لئے ایسے شخص کے حقائق پر مبنی
بیان کو ایک بار نہیں کئی بار پڑھنا چاہیئے۔ اور اس کے بعد فیصلہ کرنا چاہیئے۔ کہ ہندوستان
کے اس پسماندہ اور مظلوم خطہ کی مدد کرنا۔ اور اسے ناقابل برداشت مصائب سے نکالنا
ہر ایک شریف ہندوستانی پر فرض ہے یا نہیں۔ اس کے بعد یہ دیکھئے۔ کہ ریاست کی مسلم
آبادی کی یہ غربت اور بُری حالت کیوں ہے۔ اور اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟ اس
کے متعلق ایک اور پادری صاحب کا بیان ملاحظہ ہو۔ جو کامل ۱۴ سال تک کشمیر میں مقیم
رہے۔ صاحب موصوف نے ہندوؤں کے انگریزی اخبار ٹریبیون لاہور بابت ۱۲ جولائی
۱۹۲۳ء میں رقم فرمایا۔ کہ:۔

(۵) پادری بی ڈی دو تیر صاحب کا بیان

" میں نے ۱۴ برس کشمیر میں قیام کیا۔ اور دوران قیام میں مجھے یہ کافی تجربہ ہوا۔ کہ
وہاں کے لوگ ہوشمند۔ باہمت۔ بُرے خصائل وا طوار سے پاک۔ اور خطرہ رونما
ہونے کے وقت ہمیشہ بہادر ثابت ہوئے۔ اب کشمیر کے مسلمانوں کی پستی اور تنزل

کے اسباب کیا ہیں۔ اور ان کی اس عام ناگوار حالت قائم رہنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہے۔ ایک اہم نتیجہ جو نکالا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ ریاست بہت حد تک قابلِ الزام کہی جا سکتی ہے۔ کوئی حکمران آج کل کے زمانہ میں اپنی رعایا کی پستی کی ذمہ داری لینے سے بری نہیں سمجھا جا سکتا۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا حکامِ ریاست نے اپنی رعایا کی ترقی و بہبودی کے لئے مناسب تدبیریں کیں۔ کیا ان ناگوار حالتوں کے قائم رہنے کی وجہ یہ تو نہیں ہے۔ جیسا کہ اکثر مسلمان اخبارات نے ظاہر کیا ہے۔ کہ قریب قریب، تمام افسران سرکاری غیر مسلم ہیں۔ اور انہیں مسلمانوں کے جذبات کا کوئی احساس نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسی وجہ سے مہاراجہ باوجود اس کے کہ ان کی خواہش ہمیشہ اعلیٰ وارفع رہی۔ اور وہ اس ناگوار حالت کو دفع کرنے کے برابر متمنی رہے۔ پھر بھی وہ اپنی مسلمان رعایا کی امداد سے معذور رہیں گے۔ جب تک کہ حکومت کے نظام دفاتر میں کافی مسلمان اعلیٰ عہدوں سے لے کر ادنیٰ جگہوں پر مامور نہ کئے جائیں۔" (از اخبار اتحاد الاسلام ۲۴ اپریل [illegible]ء)

یہ تو تھیں بیرونی آدمیوں کی شہادتیں۔ اب ہم خود ریاست کے ایک بہت بڑے ذمہ وار عہدہ دار کی شہادت نقل کرنا چاہتے ہیں۔ جن کا نام نامی سر ایلبین بنرجی ہے۔ اور جو ایک عرصہ تک ریاست جموں وکشمیر کے وزیر خارجہ رہ چکے ہیں۔

صاحب موصوف نے اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو جانے کے بعد جو بیان پریس کو دیا تھا۔ وہ اس قابل ہے۔ کہ اس کو متعدد بار پڑھا جائے۔ جو کہ چند لفظوں میں ہی وہاں کی غریب اور قابل امداد رعایا کی تباہ حالی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتا ہے۔

ریاست کے سابق وزیر خارجہ سر ایلبین بنرجی کا بیان

"ریاست جموں اور کشمیر کے نظام حکومت میں ایک بڑا خلل یہ ہے کہ اس کی

کثیر تعداد آبادی جو کہ مسلمان ہے علم سے بے بہرہ ہے۔ انکی اقتصادی حالت نہایت ہی گری ہوئی ہے۔ وہ اکثر گاؤں میں رہتے ہیں اور بے زبان مویشیوں کی طرح ان پر حکومت کی جاتی ہے۔ لوگوں میں اور حکومت میں بہت تھوڑا تعلق ہے۔ ان کو اپنی شکایات حکام تک پہنچانے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہاں کوئی پبلک اوپینین (عامۃ الرائے) نہیں ہے۔ اخبار کا تو وہاں نام نہیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ کو اپنی پالیسی اور کاموں پر لوگوں کی تنقید کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ ریاست کبھی بھی پوری ترقی نہیں کر سکتی۔ جبتک حکومت اور لوگوں میں کواپریشن کے تعلقات رُونما نہ ہوں"

گو کے اس بھیدی کی گواہی کے بعد اور کسی شخص کے بیان کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر محض اپنے ہندو سجنوں کی خاطر اب ایک دو کانگرسی لیڈروں کے بیان بھی نقل کئے دیتے ہیں۔ امید ہے کہ انہیں بھی پوری توجہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ تاکہ ۳۲ لاکھ مسلمانانِ کشمیر کی موجودہ بے چینی کے حقیقی اسباب اور وجوہ انہیں معلوم ہو جائیں۔ اور سمجھ لیں کہ سالہا سال کی ذلت و رسوائی سے تنگ آکر ہی انہوں نے عمالانِ ریاست کے غیر ہمدردانہ اور متشددانہ سلوک کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ اور ان کا اس وقت اصلاح حال کے لئے شور مچانا اس لئے نہیں۔ کہ اپنے عزیز مہاراج کے اقتدار کو صدمہ پہنچائیں۔ بلکہ محض اس لئے ہے۔ کہ آئندہ وہ بھی انسانی شرف سے ممتاز ہو کر عزت و وقار کی زندگی بسر کر سکیں

مشہور کانگرسی لیڈر جمنالال جی بجاج کا بیان ۱۱۔ جولائی ۲۹ء کو سرینگر میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ:۔

(۷) "باہر کے آدمی جب یہاں آتے ہیں۔ تو سرینگر۔ پہلگاؤں۔ گلمرگ وغیرہ دیکھکر واپس چلے جاتے ہیں۔ اور باہر کے لوگوں سے کہتے ہیں۔ کہ کاشمیر تو بہت مالدار ملک ہے۔ وہاں نہ پیسہ کی کمی ہے اور نہ خوبصورتی کی۔ مگر ان بیچاروں کو تو گاؤں

دیکھنے کا کبھی موقعہ نہیں ملا۔ دیہات میں صنعت ہے۔ ہنر ہے۔ مگر اس کی کوئی قدر نہیں۔ اگر قدر ہوتی۔ تو آج کاشمیر کے تمام دیہات سرینگر جیسے مالدار ہو جاتے۔"
(رسالہ تیاگ بھومی اجمیر جلد ۳ نمبر ۲ صفحہ ۱۶۹)

اسی جلسہ میں ایک دوسرے کانگرسی لیڈر جیرامداس جی نے فرمایا۔ کہ :۔

مشہور کانگرسی لیڈر جیرامداس جی کا بیان

(۸) "ہم جب کشمیر کی خوبصورتی کا مقابلہ دیہات کے رہنے والے غریبوں کی حالت سے کرتے ہیں۔ تو آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ پرانے زمانہ میں کشمیر کا نام ہندوستان اور اس کے باہر والے ملکوں میں اس لئے مشہور نہ تھا۔ کہ یہاں کے مقامات بڑے خوبصورت ہیں۔ بلکہ اس کا نام تو غیر ممالک کے ہر ایک بڑے خاندان میں اس لئے لیا جاتا تھا۔ کہ وہاں کی کاریگری۔ شال اور پشمینے سب سے اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ یہ سب صرف چرخہ کا پرتاپ ہے۔ مگر آج اس چھوٹے اندر (چرخہ) پر کوئی دھیان بھی نہیں دیتا۔ یہاں سے مال تیار ہو کر کہاں تو باہر جاتا تھا۔ اور کہاں اب کشمیر کی فوجی ضروریات کے لئے گرم کپڑا غیر ممالک سے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ کے گاؤں اُجڑ رہے ہیں۔ اور عورت مرد اپنا پیٹ پالنے کے لئے دوسرے علاقوں میں جا رہے ہیں۔"

مشہور کانگرسی رکن بنارسی لال بجاج کا بیان

یہ صاحب بھی جمنالال بجاج وغیرہ کے ساتھ ہی کشمیر گئے تھے۔ اور انہی کے ساتھ انہوں نے بھی بعض مقامات کا دورہ کیا تھا۔ جس کا حال انہوں نے قلمبند کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ :۔

(۹) "سرینگر شہر میں دوسرے شہروں کی طرح زناکاری کا دور دورہ ہے۔ اس کی اہم وجوہات میرے خیال میں تین ہیں (۱) کشمیری عورتوں کی خوبصورتی (۲) وہاں کی

غُربت (۳) باہر سے آئے مالدار لوگوں کی بُری خواہشات۔"

(دنیاگ بھومی جلد ۳ ۱ صـ۵)

"یہاں کے لوگ خاص کر مسلمان اتنے میلے کچیلے رہتے ہیں۔ کہ ان کو چھونے کو جی نہیں چاہتا۔ کپڑوں کا میلا پن شاید غربت اور سردی کے باعث ہے۔"

(دنیاگ بھومی جلد ۳ ۱ صـ۵۲)

"کشمیر ایسے زندہ ملک بہت کم دنیا کے تختہ پر ہوں گے۔ قدرت نے اپنی پوری خوبصورتی انسان کے سامنے لاکھڑی کی ہے۔ یہاں کے لوگ غریب مگر عقلمند ہیں۔ خود تو تکلفات سے دُور ہیں مگر دوسروں کی آرائش اور زیبائش کے کاموں میں خوب ماہر ہیں۔ چرخہ اور کرگھے کا ہنر وہاں کافی مقدار میں موجود ہے۔ انہیں ضرورت ہے دوسروں کی عملی ہمدردی کی۔ بس یہ آسانیاں ان کو حاصل ہو جائیں۔ تو کشمیر دوبارہ جنّت نظیر ملک بن سکتا ہے۔" (دنیاگ بھومی جلد ۳ نمبر ۲ صـ۱۷)

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ کہ :۔

"اننت ناگ سے نکل کر مارتنڈ پار کر کے تھوڑی ہی دُور آگے بڑھے۔ کہ ہمیں مہاراجہ صاحب کشمیر کے درشن ہوئے۔ مچھلی مارنے کے لئے وہاں آئے ہوئے تھے۔ اور جب ہماری لاری راستہ سے جا رہی تھی۔ تو سڑک کے کنارے ہی وہ کھڑے تھے۔ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے لئے کچھ خیمے وہاں لگے ہوئے دکھائی دئے۔ کیا ہی اچھا ہو۔ مہاراجہ صاحب جب (محلات سے) باہر جائیں۔ تو اس وقت شکار کھیلنا یا مچھلی پکڑنا اپنا اصلی کام نہ سمجھ کر اپنی دیہاتی غریب رعایا کی حالت کا بھی مطالعہ کیا کریں۔ میں تو سمجھتا ہوں۔ کہ کشمیر ایسے ملک کا دوبارہ عروج مہاراج اگر چاہیں تو آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔" (؍؍ صـ۱۶۶)

اسی مضمون میں پھر لکھا ہے۔ کہ :۔

"یہ ملک بہت جلد ترقی کے بلند مقام تک پہنچ جائے گا۔ مگر ایسی امید تو تبھی پوری ہوگی جبکہ مہاراجہ صاحب کی سرکار خود اس کام کو ہاتھ میں لے۔" (ر ر صفحہ ۱۷۱)

ان چشمدید واقعات پر مبنی بیانات کے بعد ایک اور ہندو گریجویٹ کے تاثرات ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جن کا نام شری یُت کالیداس صاحب کپور ایم۔ اے ہے۔ یہ صاحب اپنی سیاحت کشمیر کے حالات لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

مسٹر کالیداس صاحب ایم اے کا بیان

(۱۰) "کاشمیر کی اتنی زرخیز زمین ہوتے ہوئے بھی ملک بہت غریب ہے۔ آٹھ آنہ میں قُلی بیرناگ سے اچھبل تک۔ جو وہاں سے چودہ میل کے فاصلہ پر ہے اسباب لاد کر پہنچا دینے پر راضی ہوگیا۔ ہم نینی تال اور منصوری کے قُلیوں کو بہت سستا سمجھتے تھے۔ یہاں کے قلی ان سے بھی سستے نکلے۔" (رسالہ مادھری لکھنؤ مئی ۱۹۲۷ء صفحہ ۸۴۴)

اس مضمون میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ:۔

"عام کشمیری چاول اور ساگ پر گذارہ کرتے ہیں۔ ان کی خوراک کی اہم چیزیں یہی ہیں۔ وہاں کے باشندے زیادہ تر مسلمان ہیں۔ اس لئے گوشت یا مچھلی سے پرہیز نہیں ہے۔ مگر شاید عید یا بقر عید کے موقعوں پر ہی انہیں یہ نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اتنا معمولی اور بے رس کھانا کھاتے ہوئے بھی یہاں مردوں کے مضبوط پٹھوں اور عورتوں کی گالوں پر گلابی رنگ کے درشن ہو جایا کرتے ہیں۔" (ر ر صفحہ ۸۴۴)

آگے چل کر لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"کشمیری ہندو ہوں یا مسلمان۔ فوج میں بھرتی نہیں ہوتے۔ پولیس کا کام بھی ٹھیک طرح نہیں کر سکتے۔ کیا باعث ہے؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے۔ کہ ان کی بزدلی ان کی تاریخ سے تعلق رکھتی ہے۔ بڑی رنجدہ بات ہے۔ کہ ایسے خوشنما اور خوبصورت

ملک پر صدیوں سے ظالمانہ حکومت ہو رہی ہے۔ اور یہ ملک چاروں طرف سے محفوظ ہونیکے باعث نہ تو عمال حکومت کو اپنے مظالم کے نتائج کی پرواہ رہی ہے۔ اور نہ رعایا کو ہی دوسرے ملکوں سے امداد حاصل کرنے کا موقعہ ملا ہے۔" (رر صفحہ ۴۴۸)

یہی صاحب سری نگر کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ :۔

"امیرا کدل کے پاس ایک نئی آبادی ہے۔ اور شہر کے رئیسوں اور ریاست کے عہدہ داروں کی کوٹھیاں بھی اس طرف ہیں۔ آگے بڑھیں تو پرانا شہر ہے اب واٹر ورکس کی بدولت صاف پانی اور ارزاں بجلی کے ذریعہ روشنی کا انتظام ہو جانے سے شہر کی حالت سدھر رہی ہے۔ مگر شہر کا پرانا حصہ پردیسیوں کے رہنے کے لائق نہیں ہے۔ تنگ گلیاں۔ تاریک مکان۔ گندی اور بدبودار ہوا۔ اس بہشت میں بھی دوزخ کی یاد دلاتی ہے!" (مادھری جون ۲۷ء صفحہ ۵۶۹)

اس کے بعد سوپور کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ کہ :۔

"سوپور کشمیر کا تیسرا شہر ہے ..... جو ندی کے دونوں کناروں پر آباد ہے گندی گلیاں۔ گندا پانی۔ ہاں بجلی یہاں بھی ہے۔ اور وہ اس لئے۔ کہ تیل سے سستی پڑتی ہے ..... باشندے غربت کے مارے اور کمزور ہیں۔ عمدہ پانی نہ ہونے کے باعث جب کبھی بیماری پھیلتی ہے۔ تو بہت سی جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ یہاں زیادہ تر بچوں کے سروں پر گنج کا مرض نظر آتا ہے۔ شاید اس روگ کا باعث گندگی اور خوراک کی کمی ہو۔" (مادھری جولائی ۲۷ء صفحہ ۳۳)

صاحب موصوف اپنے مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں۔ کہ :۔

"ہمالیہ کے اس کونے میں قدرت نے ہندوستان ہی کا نہیں۔ ساری دنیا کا بہشت

بنا دیا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ انسان نے عطیۂ قدرت کا غلط استعمال کیا ہے۔ اس ملک کی مجلسی اور اقتصادی حالت بہت ہی قابل افسوس ہے۔ یہ ملک نئے مہاراج کی طرف نیم وا آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اور ان سے اصلاحات کی امیدیں لگائے بیٹھا ہے۔ ..... ایشور سے پرارتھنا ہے۔ کہ نئے مہاراج کے عہد میں ملک کی حالت جلد سے جلد سُدھرے۔" (مادھوری جولائی ۱۹۲۷ء صہ)

پنڈت ایشور چندر جی شرما کا بیان

ان کے بعد پنجاب کے ایک اور ہندو پنڈت کا بیان بھی پڑھ لیجئے۔ کشمیر کے مناظر اور مختلف مقامات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ:۔

(۱۱) "یہاں کے لوگ بڑے دُکھی ہیں۔ بہشت میں رہ کر بھی یہاں کے باشندے سکھوں سے محروم ہیں۔" (رسالہ چاند ہندی الہ آباد مئی ۱۹۳۰ء صہ)

پنڈت رام نریش جی ترپاٹھی کا بیان

کتاب "کاشمیر" ہندی کے دیباچہ میں لکھا ہے۔ کہ کشمیر کے

(۱۲) "دیہات میں رہنے والے بڑے غریب اور سیدھے سادھے ہیں۔" (ص۹)
"کشمیر میں جا کر میں سکھی بھی ہوا اور دُکھی بھی۔ وہاں سورگ اور نرک (جنت اور دوزخ) پاس ہی پاس ہیں۔ جہاں کاشمیر کو اپنی بے مثال قدرتی خوبصورتی پر ناز ہے۔ وہاں غربت اور بد اخلاقی اس کے لئے موجب ننگ بھی ہے۔ آپ کاشمیر جا کر وہاں برفانی چوٹیاں۔ باغ۔ مرغزار۔ جھیل۔ جھرنے۔ ندی نالے دیکھ سکھی ہو لیجئے۔ پر جب آپ وہاں کے غریب۔ مسکین اور کمزور۔ ناتوان۔ گندے دریدے ہوئے چیتھڑے لپیٹے ہوئے باشندوں کو دیکھیں گے۔ تو آپ کے دل میں رحم اور ہمدردی کا جذبہ امڈ آئے گا۔ وہاں کے باشندوں میں ۹۵ فیصدی مسلمان ہیں۔ اور وہ اکثر غریب ہی ہیں۔ اس غربت کی وجہ سے انہیں کے کیریکٹر میں گراوٹ بھی ہے۔" الخ (ص۸)

شری گوپال جی نیوٹیا کے تاثرات

(۱۴۳) "دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر سری نگر آباد ہے۔ آمدورفت کی آسانی کے لئے قدیم زمانہ سے یہ سات کدل (پُل) اب تک موجود ہیں۔ ان کدلوں اور ان کے کناروں پر غریب کشمیری زندگی بسر کرتے ہیں۔ شہر کے اس حسرتناک نظارہ کو دیکھ کر اوپر سے جھانکتے ہوئے پہاڑ کی برفانی چوٹیاں بھی پر حسرت نظر آتی ہیں۔"

(رسالہ تیاگ بھومی اجمیر جلد ۲ نمبر ۲۴ صفحہ ۶۳۶)

"انگریزوں کا کلب بھی وہیں ندی کے کنارے پر ہے۔ بند کے پیچھے دُور گیکا روڈ تک اچھے اچھے بنگلے بنے ہوئے ہیں۔ ایک طرف شہر ہیں وہاں کے باشندے اپنی سادی اور زیادہ تر دُکھی اور پُر تعفّن زندگی خاموشی سے بسر کرتے ہیں۔ دوسری طرف سینکڑوں ہزاروں کوس سے آکر دیش بدیش کے لوگوں نے اس جگہ کو اپنی عشرتگاہ بنالیا ہے۔" (صفحہ)

"دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر تعمیر شدہ ہزاروں مکانات اپنے مکینوں کی غُربت کو پیش نظر کر رہے تھے۔ وسیع راج محل کے نزدیک ہی غربت و افلاس کا یہ عبرتناک نظّارہ! ایسے ہی نظّارے نامعلوم کتنی بار سنجیدہ اور خاموش طبائع کو بھی بے چین کر دیا کرتے ہیں۔" (رر صفحہ ۶۳۶)

"کشمیر کے لوگوں سے واقفیت حاصل کرنے کی خواہش تو تھی ہی۔ مگر فلاکت کے مارے مسلمانوں سے بھرپور اس ملک میں تو ان کی المناک حالت کے نظّاروں کو دیکھ کر دل بے چین ہو ہو گیا۔ ان کے زوال وادبار کے مختلف نظّاروں کو دیکھ کر طبیعت سخت پریشان ہوئی۔ اور دل کو رنج اور صدمہ پہنچا۔" (رر صفحہ ۶۴۰)

یہی صاحب ہندی کے ایک دوسرے رسالہ میں گلمرگ کے حالات لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ کہ:۔

"غربت و افلاس نے باشندگانِ کشمیر کو کتنا کمزور بنا دیا ہے۔ اس کا مشاہدہ تو گذشتہ

موسم گرما میں سفر کشمیر کے موقعہ پر ہر روز ہی ہوتا تھا۔ مگر سب سے زیادہ دلدوز نظارہ گلمرگ کے رستے میں پہاڑ کے نیچے ٹن مرگ میں نظر آیا۔ برفانی پہاڑ۔ ان کی سرسبز چوٹیاں۔ رُوح پرور ہوائیں۔ اور سیر و تفریح ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے بھی مسُرور طبعیت۔ انسانی غربت کے نظارہ کو دیکھ کر بڑی منغّص ہوتی۔ اور یہ نظارہ بڑا ہی سبق آموز اور عبرت ناک تھا۔ ٹن مرگ سری نگر سے ۲۴ میل دُور ہے۔ اس کے آگے کھلن مرگ تک جانے کے لئے گھوڑے اور گاڑیاں کرایہ پر لینی پڑتی ہیں۔ یہاں کی کانِ جواہر کے لال نہ جانے کس طرح قسمت کے پھیر میں آ کر اس کی بخششوں سے محروم رہ کر۔ خدمتگاری کا کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جب کبھی کوئی مسافر وہاں آتا ہے۔ تو اس کے بیسیوں سے اپنے اور اپنے بلکتے ہوئے گھر والوں کے مُنہ میں دھان کا لُقمہ ڈالنے کے لئے مستعد بیٹھے ہوئے مزدوروں کا گروہ اس (مسافر) پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ غریبوں کے اس ہجوم سے بچانے کے لئے ریاست کی طرف سے پولیس کا بھی انتظام ہے۔ ہم لوگ موٹروں سے اُترنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ بیسیوں ڈانڈی و گھوڑوں والے ہماری طرف لپکے۔ اور انہیں کے پیچھے پیچھے ایک ہاتھ میں کوڑا اور دوسرے ہاتھ میں جُوتا پکڑے ہوئے پولیس مین بھی آ دھمکا۔ کوڑا تو اُسے ریاست ہی کی طرف سے ملا ہوگا۔ مگر جُوتے کے متعلق ہمارے ایک ساتھی کا خیال کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ ان کی رائے تھی۔ کہ اس سپاہی کو وہ جُوتا بھی ریاست ہی کی طرف سے ملا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ قلیل تنخواہ والا پولیس میں اپنا ذاتی جُوتا توڑے گا ہی کیوں؟ کسی دوسر کے جُوتے کو ایک خود دار پولیس مین چھو بھی کیسے سکتا ہے؟ خیر جا ہے جو کچھ ہو۔ غربت و افلاس کا یہ نظارہ بہت ہی سبق آموز اور عبرت انگیز تھا۔ گھوڑے اور ڈانڈی والوں کو انہی کے بُرے طرزِ عمل کے باعث (کوڑے اور جُوتے سے) پٹتے دیکھ کر طبعیت منغّص نہ بھی ہو۔ لیکن اگر گہری نگاہ سے دیکھا جائے۔ تو ان لوگوں کی غربت و واماندگی کا

ایک برہنہ منظر پیش نظر ہو جاتا ہے۔" (رسالہ سرسوتی الٰہ آباد دسمبر ۲۸ء صفحہ ۷۶۴)

انہی صاحب نے کشمیر کے حالات پر حال ہی میں ایک کتاب بھی شائع کی ہے۔ جس میں جا بجا انہوں نے وہاں کے مسلمانوں کی حالتِ زار کا ذکر کرتے ہوئے آنسو بہائے ہیں۔ ذیل میں اس کتاب سے بھی چند اقتباس ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔ صاحب موصوف اپنی کتاب "کاشمیر" کے آغاز میں لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"کشمیر کی خوبصورتی کے ساتھ ہی ساتھ باشندگانِ کشمیر کی فلاکت و غریبی نے بھی ہمیں متاثر کیا۔" (صفحہ ۲)

"یہاں کے مسلمان بڑے غریب ہیں۔" (صفحہ ۲۶)

"اب تک ہمیں کشمیر کے ہندوؤں کی حالت دیکھنے کا موقعہ نہ ملا تھا۔ صرف کشمیری مسلمان ہی ہمارے دیکھنے میں آتے تھے۔ اور وہ (مسلمان) سب دیکھنے میں غریب تھے۔ اور رحم کے مستحق تھے۔" (صفحہ ۴۷)

"(پہلے کشمیر میں) گھی۔ دودھ۔ اناج اور پھل بہت ہی سستے تھے تعلیمی لحاظ سے بھی کشمیر کافی ترقی یافتہ تھا۔ جرائم کا نام و نشان نہ تھا۔ مگر یہ حالت تھوڑی مدت ہی رہی۔ گو زمانہ بدلنے کے ساتھ ہی چیزیں بھی مہنگی ہونے لگیں۔ ریاست کی طرف سے لگان بھی بڑھا دیا گیا۔ شال وغیرہ پر بھی محصول لگا دئے گئے جس سے آہستہ آہستہ تجارت کو نقصان پہنچنے لگا۔ سمت ۱۹۳۴ میں زیادہ بارش ہونے کے باعث قحط پڑ گیا۔ اس کے دوسرے سال پیداوار اچھی ہوئی۔ مگر رعایا میں لگان کی وجہ سے بے اطمینانی پیدا ہو گئی۔ اور اس بے اطمینانی کی بدولت نصف سے زیادہ پیداوار تباہ ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ دو تہائی آبادی بھوک کے مارے فنا ہو گئی۔ گاؤں کے گاؤں اجڑ گئے۔ اس خوفناک حالت کے بعد کچھ اصلاح بھی ہوئی۔ شرح لگان بھی متعین کی گئی۔ آمدورفت کے ذرائع بھی ٹھیک کئے گئے۔" (صفحہ ۱۳)

"ایک انگریز مصنف کا قول کہ جتنی مصیبتیں گذشتہ ایام میں کشمیریوں نے برداشت کی ہیں۔ اتنی اگر انگریزوں کو سہنی پڑتیں۔ تو ممکن ہے۔ ہم لوگ بھی اعلیٰ انسانی صفات سے محروم ہو جاتے۔ (جس طرح کشمیری ہوئے) بری عادت کا الزام افراد پر نہیں لگ سکتا۔ بلکہ اس کی ذمہ واری اس ماحول پر ہے (جو پیدا کیا گیا)" (رر صفحہ ۱۲)

مسلمانان کشمیر کی ذلت اور رسوائی کا موجب سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ ان کے پاس مال نہیں۔ اور اس کے نہ ہونے کی بدولت ہی وہ تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ اور مال پیدا کرنے کے جو ذرائع (صنعت و حرفت) تھے۔ وہ چونکہ اب مٹتے جا رہے ہیں اس لئے یہ بھی قلاش ہو رہے ہیں۔ سوال ہو گا۔ کیوں مٹتے جا رہے ہیں۔ اور کیا اس کے ذمہ دار یہ خود نہیں؟ سو اس کے جواب میں یہی کہنا کافی ہو گا۔ کہ نہیں اس کی ذمہ واری ان پر نہیں بلکہ ان کے حاکموں پہ ہے۔ جس کی تائید ہی صاحب کرتے ہیں جنکی بعض تحریریں اوپر درج کی جا چکی ہیں۔ فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"کشمیری صنعت کے دن بیت گئے۔ اس کا اب آہستہ آہستہ تنزل ہو رہا ہے اور یہ کہا جائے۔ تو نامناسب نہ ہو گا۔ کہ اس کے زوال کی باعث وہاں کی حکومت ہے۔ اور حقیقت میں وہی اس کی جوابدہ ہے" (رر صفحہ ۱۲۷)

ان بہت سی غیر جانبدار شہادتوں کے بعد کسی مزید شہادت یا بیان کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر چونکہ ہم نے وعدہ کیا ہے۔ کہ مہاسبھائیوں کے جھوٹے پروپیگنڈے کی تردید میں خود ان کی بھی وہ تحریریں نقل کریں گے۔ جو آج سے کچھ عرصہ پہلے یہ خود لکھ اور شائع کر چکے ہیں۔ اس لئے ہم ان کی بہت سی تحریروں میں سے چند ایک درج ذیل کرتے ہوئے متوقع ہیں۔ کہ آج جو مہاسبھائی حق و انصاف کو چھوڑ کر ناراستی کو اپنا شعار بنا بیٹھے ہیں۔ وہ اوروں کی نہیں۔ تو کم از کم اپنی ہی تحریروں کو پڑھ کر آئندہ کے لئے دنیا کو دھوکہ دینا چھوڑ دیں۔ اور جو مظلوم ہیں۔ ستم رسیدہ ہیں۔ اور سالہا سال

سے زخم خوردہ اور مصیبت زدہ ہیں۔ ان کو اس رُوح فرسا حالت سے نکلنے دیں۔ اور بے وجہ ان کی راہ میں اڑچنیں اور روکیں نہ ڈالیں۔ اس کے بعد ہم اپنے ان ہندو بھائیوں کی خدمت میں بھی جو ان لوگوں کے بے بنیاد پروپیگنڈے کا اثر قبول کر رہے۔ یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں۔ کہ وہ ان لوگوں کی خود نوشت اور شائع کردہ تحریروں کو بنظرِ غور پڑھیں۔ جن میں کہ خود یہی لوگ واضح لفظوں میں دنیا کو بتلا چکے ہیں۔ کہ ریاست جموں و کشمیر کی رعایا جن میں ۹۵ فیصدی مسلمان ہیں۔ نہ صرف بے حد دُکھی۔ افلاس میں مبتلا۔ پریشان حال اور فاقوں مر رہی ہے۔ بلکہ اپنے غیر ہمدرد حاکموں کی عدم توجہی اور ناروا برتاؤ سے سخت بے چین اور نالاں ہے۔

ہندو مہاسبھائیوں کی بعض تحریریں

نامہ نگار پرتاپ کا پُرحسرت بیان

اخبار پرتاپ جو کہ کشمیر تحریک کو بدنام کرنے میں کافی حصہ لے رہا ہے۔ اس کے نامہ نگار نے ۱۳ مارچ ۲۵ء کے پرچہ میں کشمیر کے موسم کا حال بیان کرتے ہوئے وہاں کی بے بس اور مایوس رعایا کی نکبت و ادبار کا نقشہ استعارہ کا رنگ بھر کر ایسا کھینچا تھا کہ اس کو دیکھ کر یا پڑھ کر بے ساختہ دل سے سرد آہ نکل جاتی ہے۔ ناظرین مندرجہ ذیل الفاظ پڑھیں۔ اور ان کی گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ اور دیکھیں کہ اس ہندو نامہ نگار نے ان چند سادے لفظوں میں کشمیر اور اس کے مفلوک الحال باشندوں کے گذشتہ عروج اور موجودہ زوال کا کتنا یاس انگیز منظر پیش نظر کر دیا ہے۔ اور وہاں کے حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان لوگوں کی آئندہ ترقی و بہبودی سے کس قدر مایوسی ظاہر کی ہے۔

(۱۴۱) "برف کے ستائے اور مرجھائے ہوئے کشمیری بچے خاص کر مسلمان بچے۔ گلی بازار۔ میدان اور پریڈ میں ننھی ننھی گڈیاں (کنکوے) یا پتنگ اڑاتے ہوئے موسم بہار کی خوش آمدید کر رہے ہیں۔ کشمیر کی گڈی چڑھے ہوئے عرصہ گذر گیا ہے۔ اور موجودہ رفتار کے مطابق امید نہیں۔ کہ کشمیریوں کی گڈی عنقریب چڑھ سکے۔ اس جگہ ہوا۔ موسم اور دیگر حالات اجازت ہی نہیں دیتے۔ کہ پنجاب اور ہندوستان کے مقابلہ میں یہاں کے لوگ گڈی اڑا کر بوکاٹہ کر سکیں۔ ان کی گڈی ایسے بوکاٹہ ہوئی ہے۔ کہ اس کے چڑھنے کی کوئی صورت ہی نہیں"

کیا جس ملک اور اس کے باشندوں کی ترقی اور خوشحالی کی تمام راہیں بند ہو چکی ہوں۔ اور وہ ایسی کس مپرسی اور مایوسی کی حالت میں ہوں۔ ان کے متعلق یہ کہنا حق و انصاف کا خون کرنا نہیں۔ کہ وہ بے وجہ شور مچاتے ہیں۔ انہیں ریاست میں کافی رعائتیں حاصل ہیں۔ کیا یہی وہ رعائتیں ہیں۔ جن کی طرف پرتاپ کے نامہ نگار نے اشارہ کیا ہے، کیا اس قسم کے یاس انگیز اور دلفگار حالات کی موجودگی میں آج پرتاپ اور ملاپ کا وہاں کے باشندوں کی ترقی و خوشحالی میں روک بننا انتہائی ظلم نہیں ؟ ہم نہیں سمجھتے کہ اگر سالہا سال کی مایوسانہ زندگی بسر کرنے کے بعد آج غریب کشمیری اپنے پنجابی اور ہندوستانی بھائیوں کی دیکھا دیکھی اپنی گڈی بھی آسمان پر چڑھانا چاہتے ہیں۔ تو ان لوگوں کے پیٹ میں مروڑ کیوں اُٹھتے ہیں؟ اور یہ ان کے اس اقدام کو کس لئے وحشت ناک نظروں سے دیکھتے اور خوف کھاتے ہیں؟ اگر پنجابی اور ہندوستانی گڈی چڑھانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ کشمیریوں کو یہ حق نہ دیا جائے، کیا انہیں اس لئے یہ حق نہیں دینا چاہتے۔ کہ کشمیریوں کی گڈی ان کی گڈی کا "بوکاٹہ" کر دے گی؟ اگر یہی بات ہے۔ تو یہ محض ان کی خام خیالی ہے۔

خیر ان لوگوں کے بے بنیاد خوف اور پریشانی کی تردید تو انشاء اللہ خود آئندہ کے

واقعات کر دیں گے۔ اس لئے ہم بعض دوسری تحریریں نقل کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اخبار عام کا بیان

کشمیر کے مسلمانوں میں اور کوئی گُن ہو یا نہ ہو۔ مگر ان میں احسانمندی اور شکر گذاری کا مادہ بہت زیادہ ہے۔ اور یہ دوسروں کے معمولی سے معمولی حُسن سلوک کو بھی بہت محسوس کرتے ہیں۔ چند سال کی بات ہے۔ کہ جب ریاست کے موجودہ فرمانروا نے ان کی بعض تکالیف دور کرنے کی خاطر۔ قانون ساہوکارہ۔ ایکٹ اراضی۔ اور بعض دوسری اصلاحات نافذ کیں۔ جن سے مسلمانوں کے علاوہ باقی رعایا کو بھی برابر کا فائدہ پہنچا۔ تو آپ کے اس ہمدردانہ سلوک کی یاد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تازہ رکھنے کی خاطر اخبار کشمیری نے یہ تجویز پیش کی۔ کہ آئندہ سرینگر کا نام ہز ہائینس مہاراجہ سر ہری سنگھ صاحب بہادر کے نام نامی کی رعایت سے ہری نگر رکھا جائے۔ تاکہ ان کی اس نیکی اور مہربانی کو آئندہ نسلیں بھی یاد رکھیں۔ مگر یہ تجویز سُنتے ہی کشمیری پنڈتوں کا آرگن اخبار عام چلّا اٹھا۔ اور اس تجویز پر تعریض کرتے ہوئے لکھا۔ کہ:۔

(۱۵) "اخبار کشمیری نے اپنے تازہ پرچہ میں یہ مشورہ پیش کیا ہے۔ کہ سری نگر کا نام مہاراجہ ہری سنگھ کے نام پر ہری نگر رکھ دیا جائے، مہاراجہ صاحب نے اس شہر پر جموں کو ترجیح دیکر اسے تباہ کر ڈالنے کی جو پالیسی اختیار کی ہوئی ہے۔ اس کی موجودگی میں یہ کام بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ **مگر کیا وہ کشمیری جو مہاراجہ صاحب کی سرد مہری کی وجہ سے تباہ ہو رہے ہیں۔** اس تبدیلی کو پسند کریں گے۔" (اخبار عام، ۲۷ مارچ ۱۹۳۱ء منقول از کشمیری لاہور ۱۴ مارچ ۱۹۳۱ء)

ہمیں فی الحال اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ کہ اخبار عام کی یہ تعریض درست تھی یا نادرست۔ ہم تو اس وقت اپنے ناظرین کو اس کشمیری پنڈت کے جلی الفاظ کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ معلوم کر سکیں۔ کہ کشمیر کی غریب رعایا خوشحال ہے۔ یا تباہ حال۔ اور یہ بات ان جلی لفظوں سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے۔

نامہ نگار ملاپ کا بیان اخبار ملاپ جو تحریک کشمیر کے خلاف آج سب سے پیش پیش نظر آتا ہے۔ ایک وقت تھا۔ کہ اس اخبار میں اس کے نامہ نگاروں کی طرف سے ہمیں بتایا جایا کرتا تھا۔ کہ :-

(۱۶) "ریاست نے سوائے تبدیلیوں کے اور کوئی خاص نمایاں کام رعایا کی بہتری کے لئے نہیں کیا" اور یہ کہ :-

"ایک لائق اور حقدار پنجابی کا حق چھین کر جوڈیشل ڈپٹی رجسٹرار کی آسامی ایک دوسرے محکمہ کے ڈوگرہ کو محض ڈوگرہ ہونے کی وجہ سے دی گئی ہے۔ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟" (ملاپ ۱۷ مئی ۲۸ء منقول از کشمیری ۱۲ مئی ۲۸ء ص۱)

اور پھر اسی اخبار میں اس قسم کے بیانات بھی شائع ہوا کرتے تھے۔ کہ :-

(۱۷) شالی سٹور کے باعث غرباء اور متوسط درجہ کے لوگ سخت تنگ ہیں مفصلات سے وہی پرانی تکلیف دہی۔ ایذا رسانی اور تشدد کی خبریں آ رہی ہیں۔ اہلکار ہمیشہ لوگوں میں سینہ بسینہ دیرینہ تشدد کے عمل ابھی تک برابر ڈھائے جاتے ہیں۔ غرباء کو برہنہ کر کے شرم و حیا کے دلسوز نظارے اب بھی سماعت میں آ رہے ہیں" (بحوالہ ملاپ از اخبار اتحاد الاسلام امرتسر ۱۲ مارچ ۲۴ء ص۳)

مگر معلوم نہیں۔ کہ اب یہی اخبار اپنی پہلی تحریروں کو نظرانداز کرتے ہوئے یہ کہہ کہہ کر لوگوں کو کیوں دھوکہ دے رہے ہیں۔ کہ ریاست میں مسلمانوں کو ہر طرح کی رعائتیں حاصل ہیں۔ اور انہیں کوئی تکلیف نہیں۔

اخبار "رنبیر" جموں و گورو گھنٹال لاہور کا بیان (۱۸) "ہمعصر رنبیر" جموں اپنے تازہ پرچہ میں لکھتا ہے۔ کہ مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست جموں و کشمیر کی پرانی کونسل توڑ کر نئی کونسل مقرر کر دی ہے جسکے ہیڈ سر بینرجی پرائم منسٹر ہونگے۔

آپ کو چار ہزار اور دوسرے وزرار کو دو ہزار ایک ایک سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملیگی ہمارا ہمعصر اس تبدیلی کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔ کہ وزارتی تنخواہیں بڑھ گئیں۔ مگر رعایا کو کیا ملا۔ گھبرائیے نہیں۔ رعایا کے لئے دو تین سخت قوانین اور زیر غور ہیں"۔

"رعایا کشمیر:۔ ریاست کے وزرار کی تبدیلی اور ترقی کا ذکر کرتا ہوا ہمعصر رنبیر جموں لکھتا ہے۔ اگرچہ ہماری ریاست قدرتی خزانوں سے بھرپور ہے۔ لیکن رعایا ریاست غربت اور افلاس میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ بیکاری یہاں دوروں پر ہے تعلیم یافتہ اصحاب تلاش معاش میں دربدر پھر رہے ہیں۔ ان پڑھ لوگ خواب مدہوش میں پڑے ہیں۔ اور ٹیکسوں کی بھرمار۔ رشوت اور کئی سختیوں اور سوشیل خرابیوں سے رعایا دکھی ہے۔ مہاراجہ ہری سنگھ کو عیش سے تو فرصت ہو لینے دو۔ رعایا کی بھی سن لیں گے"۔ (گورو گھنٹال لاہور ۲۸ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۱)

پنڈت گواشہ لال بی اے کا بیان

ان بہت سی علینی شہادتوں کے بعد اب ہم ایک ایسے شخص کا اقبالی بیان درج کرتے ہیں۔ جو ان دنوں مسلمانانِ کشمیر کو بہت بری طرح ذلیل۔ رسوا اور بدنام کرنے بلکہ بس چلے تو دار پر کھینچوا دینے پر آمادہ نظر آتا ہے۔ جس نے دلال کمیشن کے سامنے اپنا بیان دیتے ہوئے وہاں کے مسلمانوں پر سازش اور بغاوت کا الزام ثابت کرنے کے لئے باقی مہاسبھائیوں سے کہیں زیادہ زور لگایا تھا۔ ہاں یہی شخص آج سے کچھ عرصہ قبل ریاست کے عہدہ داروں کی بڑی بڑی تنخواہوں کا رونا روتا ہوا ہمیں بتا چکا ہے۔ کہ:۔

(۱۹) "جن لوگوں کی خون پسینہ کی کمائی پر یہ موجیں اڑائی جا رہی ہیں۔ ان بدنصیبوں کا کیا حال ہے۔ وہ بھوکوں مر رہے ہیں۔ ضعف و ناتوانی سے ان کے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ اور وہ دن قریب آ رہا ہے۔ جب ان کا بسیرا قبروں میں ہوگا۔ دوسرے خواندہ اور بے علم لوگوں کے

ٹڈی دل کو علیحدہ رہنے دیجئے۔ یہی گریجوایٹ۔ انڈر گریجوایٹ اور انٹرنس پاس اپنی قوم کے لئے بارگراں تصوّر ہو رہے ہیں۔ حالانکہ انہی کے بھائی بند پہاڑ کی دوسری طرف بڑی بڑی قربانیاں عام آزادی کے واسطے کر رہے ہیں۔ لیکن یہ غریب (کشمیری) یہاں کے سخت قوانین کی وجہ سے جنھوں نے ان کا خون خشک کر رکھا ہے۔ لب کشائی تک نہیں کر سکتے۔"

(اخبار کشمیری لاہور ۲ ر اگست ۲۵ء صفحہ ۹)

جو لوگ مسلمانان کشمیر کی بے چینی اور حقوق طلبی کو کسی سازش کا نتیجہ بتلاتے ہیں۔ وہ اپنے ہی ان بھائی بندوں کے بیانات پڑھیں۔ اور بتلائیں۔ کیا جو لوگ سالہا سال سے بھوکوں مرتے رہے۔ ضعف و ناتوانی سے قبر کے کنارے جا لگے۔ ریاست کے سخت قوانین کی بدولت خون خشک کرا بیٹھے۔ اگر وہ آج اس قسم کے ماحول سے خلاصی پانے کی خواہش کرتے ہیں۔ جن حقوق سے دوسری قومیں فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ اگر انہوں نے بھی اسی قسم کے حقوق حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے ہیں۔ تو ایسی حالت میں کس طرح یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ ملک میں انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یا ان کی غرض حکومت کا تختہ اُلٹ دینے کی ہے؟ کیا سازش کا الزام لگانیوالے یہ چاہتے ہیں کہ خدا کی یہ ۳۲ لاکھ مخلوق بعض صاحب اقتدار لوگوں کے ہاتھوں ذلیل اور رُسوا ہوتی رہے۔ اور انسانی جامہ میں ہوتے ہوئے بھی حیوانی زندگی اختیار کئے رہے؟ آخر ان تنگ دلوں کو کچھ تو خدا کا خوف اور انسانیت کا پاس کرنا چاہیئے۔

لالہ خوشحالچند جی خورسند ایڈیٹر اخبار ملاپ کا تازہ اقبال

ریاست جموں وکشمیر کی غریب اور بے زبان رعایا کی مصیبتوں۔ تباہیوں اور پریشانیوں۔ اور ساتھ ہی اس کے عمّال ریاست کی بے توجہیوں کے متعلق اور بھی بہت سی شہادتیں انہی مہا سبھائیوں کے بھائی بندوں۔ بلکہ خود ان کی بھی پیش

کی جا سکتی ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک تو یہ بہت سی بیانات بھی ضرورت سے زیادہ ہیں۔ اور ہر ایک وہ شخص جو حقیقت حال سے واقف ہونا چاہتا ہے۔ اس کے لئے محولہ بالا شہادتیں بھی اپنے اندر بہت کافی معلومات رکھتی ہیں۔ لیکن ہم مندرجہ بالا انیس ۱۹ شہادتوں میں ایک اور کا اضافہ کر کے انہیں بیس ۲۰ کئے دیتے ہیں۔ اور یہ بیسویں شہادت خود اس شخص کی ہے۔ جو مسلمانان کشمیر۔ ان کے معزز لیڈروں۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے محترم صدر کو بدنام کرنے کے لئے دنیا پر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ کہ کشمیری مسلمانوں کو ہر طرح کی سہولتیں اور رعائتیں حاصل ہیں۔ ہاں یہی شخص ایک جگہ یہ لکھنے پر مجبور ہوا ہے۔ کہ:-

(۲۰) "ساری دُنیا کشمیر کو جنّت نظیر کہتی ہے۔ (مگر) مَیں اِسے دنیا میں سب سے زیادہ بدنصیب اور مصیبت زدہ علاقہ سمجھتا ہوں۔"

(ملاپ ۱۵ نومبر ۳۱ئہ مٹ)

اس بیان کو پڑھتے ہوئے ناظرین خود ہی فیصلہ فرمالیں۔ کہ اگر کشمیر کے باشندے خوشحال ہوں۔ سُکھی اور فارغ البال ہوں مطمئن اور با اقبال ہوں۔ تو ان کے ملک کو جنّت نظیر کی بجائے "بدنصیب" کہا جا سکتا ہے؟ کیا "مصیبت زدہ علاقہ" اسی خطہ یا ملک کو کہا جائے گا۔ جہاں کے مکین کسی قسم کے فکر اور غم میں مبتلا رہ ہوں۔ کسی قسم کی تکلیف اور مصیبت میں گرفتار نہ ہوں؟ یا اس علاقہ کو "دنیا میں سب سے زیادہ بدنصیب اور مصیبت زدہ" سمجھا جائے گا جس کے باشندے مدت مدید سے رنج دُکھ، درد، مصیبت، ذلت، رُسوائی، افلاس اور غربت میں مبتلا ہونے کے ساتھ ہی اپنے حاکموں کے مظالم کا تختۂ مشق بھی بنے ہوں؟ جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ ہر ایک یہی کہے گا۔ کہ مہاشہ خوشحال چند جی جس علاقہ کو "دنیا میں سب سے زیادہ بدنصیب اور مصیبت زدہ" بتلاتے ہیں۔ اس کے باشندے بھی یقیناً بدنصیب اور مصیبت زدہ ہی ہوں گے۔ اور ان بدنصیب و مصیبت زدہ باشندوں کے متعلق یہ کہنا حقیقت پر مبنی نہ سمجھا جائیگا۔ کہ:-

"ریاست جموں وکشمیر میں مسلمانوں کو ہندؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں"۔ اور یہ کہ "مسلمانوں کو اس ریاست میں سب سے زیادہ سہولتیں اور مراعات حاصل ہیں"

کیونکہ جن لوگوں کو دوسروں سے زیادہ حقوق۔ سہولتیں اور مراعات حاصل ہوں۔ وہ بدنصیب اور مصیبت زدہ نہیں کہلایا کرتے۔ بدنصیب اور مصیبت زدہ انہیں کو کہا جائے گا جو اپنے جائز حقوق تک سے بھی محروم ہوں۔ چونکہ منقولہ بالا بیس شہادتوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مسلمانانِ کشمیر عام حقوق سے نہیں بلکہ انسانیت کے ابتدائی حقوق سے بھی محروم رکھے گئے ہیں۔ اس لئے جو شخص ان کی طبعی اور قدرتی بے چینی کو کسی سازش کا نتیجہ، حکومت کا تختہ اُلٹ دینے کا منصوبہ" بتلاتا ہے۔ وہ حقیقت کو چھپاتا۔ اور سچائی کا خون کرتا ہے۔

مسلمانانِ کشمیر کی زبون حالی اور پامالی حقوق

کے

اور بہت سے ناقابلِ تردید شواہد

مسلمانانِ کشمیر کی بدنصیبی و خستہ حالی۔ واماندگی و پس اُفتادگی کے ثبوت میں ان اکٹھ بیس عینی شاہدوں کے مندرجہ بالا بیانات بھی بہت کافی ہیں۔ مگر ہم سنگھٹنیوں کے اس جھوٹے اور غلط پروپیگنڈے کی تردید میں۔ کہ :۔

"مسلمانوں کو اس ریاست میں سب سے زیادہ سہولتیں اور مراعات حاصل ہیں"۔

اور یہ کہ "ریاست جموں وکشمیر میں مسلمانوں کو ہندؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں"۔

ایک قدم آگے بڑھ کر بہت سے اور بھی ٹھوس اور ناقابلِ تردید حقائق پیش کرتے ہیں۔ جو

اس قسم کے بے بنیاد اور بے حقیقت پروپیگنڈے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاک میں ملا دینگے اور ہمیں یقین ہے۔ کہ اگر ان ٹھوس اور صحیح واقعات سے عام پبلک واقف ہو گئی۔ تو مہا سبھائیوں کی اس قسم کی دروغ بافیوں اور کذب بیانیوں سے آئندہ نہ صرف یہ کہ کوئی شخص متاثر نہ ہوگا۔ بلکہ ان کی کذب بیانیوں کو نفرت کی نظر سے دیکھے گا۔ یہی کیوں بلکہ ہر وہ شخص جو اپنے اندر رحم۔ ہمدردی اور انصاف کا جذبہ رکھتا ہے۔ وہ اس وقت تک چین نہ لے گا۔ جب تک کہ کشمیر کے ان ۲۳ لاکھ حقوق سے محروم، تباہ حال اور مظلوم باشندوں کو ان کے جائز اور واجبی حقوق نہ مل جائیں۔

ذیل میں جو حقائق اور اعداد و شمار پیش کئے جائیں گے۔ وہ دراصل ریاست ہی کے ستم رسیدہ اور غیر ہمدرد عمال کے ہاتھوں پریشان لوگوں کی محنت۔ کوشش اور تلاش کا نتیجہ ہیں۔ جو انہوں نے وقتاً فوقتاً برطانوی ہند کے اسلامی اخباروں میں بایں غرض شائع کروائے تھے۔ کہ بیرون ریاست کے لوگ بھی ان کے حقوق کی بے دردانہ پامالی کو دیکھیں۔ اور ہو سکے۔ تو ان کی حمائت میں آواز بلند کر کے اپنا انسانی فرض ادا کریں۔ ہمیں امید ہے۔ کہ قارئین کرام ریاست جموں و کشمیر کے مختلف صیغوں اور محکموں کی ملازمتوں کے اعداد و شمار پر نظر ڈالتے ہی معلوم کر لیں گے۔ کہ مہا سبھائیوں کے اس گمراہ کن پروپیگنڈے میں کتنی صداقت ہے۔ کہ:۔

"ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں" اور یہ کہ ان کی شورش حکومت کا تختہ الٹ دینے کی غرض سے ہے۔ نہ کہ کسی تکلیف اور شکایت کو رفع کرنے کے لئے

یہاں چونکہ اتنی گنجائش نہیں کہ ریاست کے ہر محکمہ اور اس کی شاخوں کے ملازموں کے اعداد و شمار نقل کئے جا سکیں۔ اس لئے چند بڑے بڑے محکموں کا ذکر ہی کیا جائیگا۔ امید ہے۔ ان اعداد و شمار کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا جائے گا:۔

محکمۂ مال میں مسلمانوں کا حسرتناک تناسب

نام عہدہ	تعداد ہندو	تعداد مسلمان	تنخواہ عہدہ دار	کل تنخواہ
مشیر مال	۱	×	۲۵۰۰	۲۵۰۰ روپیہ
سکرٹری	×	۱	۶۰۰	۶۰۰ "
اسسٹنٹ سکرٹری	۱	×	۳۸۰	۳۸۰ "
سپرنٹنڈنٹ	۲	۱	۲۴۰	۷۲۰ "
ہیڈ کلرک	۸	۱	۱۳۵	۱۲۱۵ "
کلرک	۲۲	۶	۷۵	۲۱۰۰ "
نقل نویس	×	۱	۲۳	۲۳ "
جمعدار	۱	×	۲۳	۲۳ "
چپڑاسی	۱۰	۶	۱۴	۲۲۴ "
میزان	۴۵	۱۶		۷۷۸۵ روپے
گورنرز	۲	×	۱۰۰۰	۲۰۰۰ "
اسسٹنٹ گورنر	۲	×	۳۵۰	۷۰۰ "
وزیر وزارت	۸	۲	۶۰۰	۶۰۰۰ "
ریونیو اسسٹنٹ	۲	۲	۳۵۰	۱۴۰۰ "
تحصیلدار	۲۶	۵	۲۲۵	۶۹۷۵ "
نائب تحصیلدار	۲۸	۱۰	۹۰	۳۴۲۰ "
میزان	۶۸	۱۹		۲۰۴۹۵ "
میزان بالا	۴۵	۱۶		۷۷۸۵ "
کل میزان	۱۱۳	۳۵	[1]	۲۸۲۸۰ "

[1] اس گوشوارہ میں گورنروں کے عملہ کے اعداد و شمار نہیں دئے گئے۔

محکمہ مال کے مذکورہ بالا عملہ کو خزانہ ریاست سے ۲۸۲۸۰ روپے ملتے ہیں۔ جن میں سے ۸۰ - ۹۰ فیصدی آبادی رکھنے والے کارکنوں کے حصہ میں بعقدر ۵۴۵۷ روپے آتے ہیں^ف۔ غور فرمایئے۔ اگر ریاست کے مسلمان نالاں اور ہراساں نہ ہوں۔ تو کیا کریں؟

اب اس کے بعد دفتر خزانہ کی کیفیت بھی ملاحظہ فرمایئے :-

دفتر خزانہ میں مسلمان ملازموں کا یاس انگیز تناسب

یہ دفتر ریاست کے تمام دفاتر سے بڑا اور سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ مگر غیر مسلم "مہربانوں" کی بدولت اس میں بھی مسلمان خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

نام عہدہ	کل تعداد	ہندو	تنخواہ سالانہ	مسلمان	تنخواہ سالانہ
محاسب اعلیٰ	۱	۱	۲۰۸۹۰	x	x
ڈپٹی محاسب اعلیٰ	۱	۱	۱۵۰۰۰	x	x
نائب محاسب اعلیٰ	۲	۲	۱۲۰۰۰	x	x
مہتمم خزانہ	۲	۲	۱۲۰۰۰	x	x
چیف سپرنٹنڈنٹ	۱	۱	۴۸۰۰	x	x
اسسٹنٹ اکونٹ افسر	۷	۶	۲۸۸۰۰	۱	۴۸۰۰
سپرنٹنڈنٹ	۱۹	۱۸	۵۱۸۴۰	۱	۲۸۸۰
اگزامینر	۱۴	۱۳	۲۱۱۶۰	۱	۱۶۲۰
کلرک	۱۵۴	۱۴۴	۱۲۹۶۰۰	۱۰	۹۰۰۰
میزان^{ف۲}	۲۰۱	۱۸۸	۲۹۶۰۹۰	۱۳	۱۸۳۰۰

ف۲ مہتمم سرینگر اور جموں کے عملہ کو اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ جنہیں غالباً کوئی بھی مسلمان کلرک نہیں (انقلاب ۷۔ فروری ۱۹۳۱ء ص۲)

ف۱ انقلاب ۵۔ فروری ۱۹۳۱ء ص۲

اس دفتر میں ۱۸۸ ہندو اور ان کے مقابل صرف ۱۳ مسلمان ہیں۔ اور ہندو اس سے دو لاکھ چھیانوے ہزار نوّے روپے سالانہ وصول کرتے ہیں۔ اور مسلمان صرف اٹھارہ ہزار تین سو روپیہ سالانہ۔ اور ان حقائق کی موجودگی میں بھی یہ کہنے کی جرأت کیجاتی ہے۔ کہ "ریاست جموں وکشمیر میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ مراعات حاصل ہیں۔"

محکمہ کسٹم میں مسلمانوں کی افسوسناک قلت

نام عہدہ	کل تعداد	ہندو	مسلمان	گریڈ
انسپکٹر جنرل کسٹم اینڈ اکسائز	۱	۱	×	۱۵۰۰ روپیہ
سپرنٹنڈنٹ کسٹم اینڈ اکسائز	۲	۲	×	۷۰۰-۲۵-۵۰۰ "
ڈپٹی انسپکٹر درجہ اول	۳	۳	×	۳۵۰
" " " دوئم	۶	۵	۱	۲۵۰
" " " سوئم	۹	۹	×	۲۰۰
اسسٹنٹ انسپکٹر	۲۳	۲۱	۲	۱۲۵-۱۰۰-۷۵
کلرک تقریباً	۳۵	۳۵	×	
دفتر سپرنٹنڈنٹ کسٹم اکسائز کشمیر	۴۰	تقریباً ۳۷	۳ غالباً	
" " " جموں	۴۰	تقریباً ۳۷	۳ غالباً	
میزان	۱۵۹	۱۵۰	۹	لہ

تقریباً ۱۵۹ ملازمین میں سے صرف ۹ مسلمان نظر آتے ہیں۔ کیا جس ریاست میں ۷۰۔۸۰ فیصدی مسلمان ہوں۔ اس کے دفاتر میں اکثریت اتنے ہی حقوق کی مستحق سمجھی جائے گی؟ ہم نہیں سمجھتے۔ کہ اس قسم کے تعجب ناک حقائق کے ہوتے ہوئے

لہ انقلاب ۲۶ جون ۱۹۳۰ء

کس طرح یہ لوگ دنیا کو یہ سُنا سُنا کر مغالطہ دینے کی جرأت کر بیٹھتے ہیں ۔ کہ :-
"ریاست جموں و کشمیر میں تو مسلمانوں کو دوسروں سے بہت زیادہ حقوق حاصل ہیں۔"

محکمۂ انصاف میں نام لیوایانِ اسلام کی انتہائی قلت

نام عہدہ	کل تعداد	ہندو	مسلمان	ماہوار تنخواہ فی آدمی
چیف جج ہائیکورٹ	۱	۱	×	۲۱۰۰
ججان ہائیکورٹ	۲	۱	۱	۱۷۵۰
رجسٹرار ہائیکورٹ	۱	×	۱	۴۰۰
ڈپٹی رجسٹرار	۱	۱	×	۳۰۰
سشن جج	۲	۲	×	۱۰۰۰
ایڈیشنل سشن جج	۲	۲	×	۸۰۰
ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ	۲	۲	×	۷۰۰
سب جج	۹	۹	×	۴۰۰-۵۰۰-۶۰۰
منصف	۱۳	۱۲	۱	۲۲۵
گورنمنٹ ایڈوکیٹ	۱	۱	×	۷۰۰
پبلک پراسیکیوٹر	۲	۲	×	۳۰۰
"	۱	×	۱	۱۵۰۰ (د؟)
میزان ۵	۳۷	۳۳	۴	

قارئین کرام ان گزشتہ اسامیوں کے گوشوارہ کو دیکھیں اور بتلائیں۔ کیا اسی برتنے پر کہا جاتا ہے۔ کہ ریاست کے مسلمان حق سے زیادہ لے چکے ہیں؟

۵ ماتحت عملہ کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اس میں بھی مسلمانوں کا تناسب اسی قسم کا ہے۔
(انقلاب ۱۹- اکتوبر ۳۱ء)

محکمۂ طبّ میں مسلمانوں کی قلیل التعدادی

نام عہدہ	کل تعداد	غیر مسلم	مسلم	تنخواہ ماہوار فی آدمی
چیف میڈیکل آفیسر	۱	۱	×	۱۰۷۰ روپیہ
اسسٹنٹ سرجن	۱۰	۹	۱	۴۵۰
سب اسسٹنٹ سرجن	۴۱	۳۶	۵	۱۷۵
جراحی کا معاون	۱	۱	×	۷۰
لیبورٹری اسسٹنٹ	۱	۱	×	۴۰
سینئیر کمپونڈر	۲	۲	×	۶۰
جونیئر کمپونڈر	۵۷	۵۳	۴	۴۰
زنانہ کمپونڈر	۲	۲	×	۴۰
نرسس	۱	۱	×	۱۹۰
زنانہ خدمتگار	۴	۳	۱	۱۴
خدمتگار مردانہ	۵۰	۳۸	۱۲	۱۲
باورچی	۳۸	۲۹	۹	۱۲
محکمہ امراض متعدّی				
ماہر خصوصی امراض متعدّی	۱	۱	×	۶۵۰
سب اسسٹنٹ سرجن	۲	۲	×	۱۷۵
کمپونڈر	۳	۳	×	۴۰
ہیڈ کلرک	۱	۱	×	۱۴۰
کلرک	۵	۵	×	۵۵
میزان [1]	۲۲۰	۱۸۸	۳۲	

[1] انقلاب ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۔

محکمہ ہذا میں دوسو بیس (۲۲۰) آسامیوں میں سے صرف ۲۳ مسلمانوں کے حصّہ میں آئیں اور اس محکمہ سے جو رقم ملازمین لیتے ہیں۔ ان کی مقدار تقریباً اٹھارہ ہزار ایک سَو بیاسی روپیہ ماہوار ہے۔ جسمیں سے ایک ہزار سات سو اکاون روپیہ مسلمانوں کے حصہ میں آتا ہے۔

اب ان اعداد و شمار کو پڑھیئے اور مسلمانانِ جموں و کشمیر کی بدقسمتی پر آنسو بہائیے۔

محکمہ تعلیم میں مُسلمانوں کی المناک قلّت

یہ وہ محکمہ ہے۔ جس کا ہیڈ کچھ مدّت سے ایک مسلمان ہے۔ مگر اس محکمہ کی ملازمتوں کا گوشوارہ دیکھیں گے۔ تو آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ اگر کسی مسلمان کو بعض مصالح کے ماتحت ریاست ہیڈ بھی بنا دے۔ تو اس کا وجود مسلمانوں کے لئے عدم برابر ہی ہوتا ہے۔

ذیل کے اعداد و شمار پڑھیئے۔ اور سر پکڑ کر رہ جائیے :-

نام عہدہ	کل تعداد	غیر مسلم	مسلم	تنخواہ ماہوار
وزیر تعلیم	۱	×	۱	۲۵۰۰
سکرٹری وزیر تعلیم	۱	۱	×	۶۰۰
اسسٹنٹ سکرٹری "	۱	۱	×	۴۰۰
ڈائرکٹر محکمہ تعلیم	۱	۱	×	۱۵۰۰
پرنسپل جموں و سرینگر کالج	۲	۲	×	۱۰۰۰
انسپکٹر مدارس	۲	۲	×	۵۵۰
اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس	۶	۵	۱	۱۵۰-۱۰-۲۰۰
پروفیسران جموں و سرینگر کالج	۳۲	۲۹	۳	۲۵۰-۲۰-۵۵۰
ہیڈ ماسٹر ہائی سکولز	۱۱	۱۰	۱	۱۵۰-۱۰-۲۵۰

حصّہ تعلیم نسواں

نام عہدہ	کل تعداد	غیر مسلم	مسلم	تنخواہ ماہوار
چیف انسپکٹرس زنانہ مدارس	۱	۱	×	۸۰۰-۵۰-۸۰۰
ہیڈ مسٹرس زنانہ ہائی سکول	۲	۲	×	۳۵۰
ڈسٹرکٹ انسپکٹرس زنانہ	۲	۲	×	۱۵۰
میزان	۶۲	۵۶	۶	

نوٹ :- وزیر تعلیم کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ سے لے کر ادنیٰ چپڑاسی تک ایک بھی مسلمان نہیں۔ ڈائرکٹر تعلیم کے دفتر میں بھی سپرنٹنڈنٹ دفتر سے لے کر ایک ادنیٰ چپڑاسی تک مسلمان نہیں۔ ہر دو انسپکٹروں کے دفاتر میں سوائے ایک کلرک صوبہ جموں کے کوئی بھی مسلمان کلرک نہیں ہے [۵۱]

جب تعلیم ایسے محکمہ میں مسلمانوں کی اتنی یاس انگیز قلت ہو۔ تو آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اس حکومت کے اندر مسلمانوں کی تعلیمی حوصلہ افزائی کتنی ہوگی۔ اور وہ کس طرح تعلیمی دوڑ میں دوسروں کی ہمسری کر سکیں گے ؛

محکمۂ پولیس میں مسلمانوں کا افسوسناک تناسب

یہ وہ محکمہ ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ مسلمان جس طرح محکمہ پولیس کا نظم و نسق رکھ سکتے ہیں۔ دوسری کوئی قوم نہیں رکھ سکتی۔ مگر ذرا ریاست کے اس محکمہ کا حال ملاحظہ ہو۔ مسلمان کتنے ہیں۔ اور غیر مسلم کتنے ؛

نمبر شمار	نام عہدہ	کل تعداد	ہندو	تنخواہ ماہوار فی شخص	مسلمان	تنخواہ ماہوار فی شخص
۱	انسپکٹر جنرل پولیس	۱	۱	۱۶۰۰	×	×
۲	ڈپٹی انسپکٹر جنرل	۲	۱	۸۰۰	۱	۸۰۰

[۵۱] انقلاب ۸۔ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء صفحہ ۳ -

۳	سپرنٹنڈنٹ پولیس	۷	۶	۴۰۰	۱	۴۰۰
۴	ٹریفک سپرنٹنڈنٹ	۱	۱	۴۰۰	×	×
۵	اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ	۹	۵	۳۰۰	×	×[۱]
۶	انسپکٹر پولیس	۱۷	۱۷	۲۰۰	×	×
۷	سب انسپکٹر پولیس	۵۰	۴۰	۱۲۵-۱۰۰-۷۵	۱۰	۱۲۵-۱۰۰-۷۵
۸	ہیڈ کانسٹیبل	۲۳۶	۱۴۵	۴۰	۹۱	۴۰
۹	کانسٹیبل درجہ اول خواندہ	۲۵۴	۱۵۷	۲۰	۹۷	۲۰
۱۰	معمولی کانسٹیبل	۸۸۸	۴۲۶	۱۸	۴۶۲	۱۸

نوٹ :- نمبر ۷ تا ۱۰ کے اعداد صرف صوبہ جموں کے ہیں۔ کشمیر کے اعداد ان میں شامل نہیں ہو سکے ۔[۲]

اس صیغہ کی بڑی چھوٹی اسامیوں کے تناسب کو دیکھتے ہوئے یہ بھی خیال فرمالیں کہ یہ اس ریاست کی باتیں ہیں۔ جہاں ۷۰ - ۸۰ فیصدی مسلمان آباد ہیں۔

دفتر سکریٹریٹ جموں و کشمیر میں مسلمان ملازمین کی دردناک قلت

اس محکمہ کی گزٹیڈ اسامیوں میں ۱۳ ایسی ہیں۔ جن کا گریڈ ۶۰۰ روپیہ ہے۔ ان میں ایک بھی مسلمان نہیں۔ چار گزٹیڈ اسامیوں میں سے جن کا گریڈ ۴۰۰ ہے۔ صرف یک مسلمان ہے۔ دفاتر کے ۳۰ سپرنٹنڈنٹوں میں جن کا گریڈ ۲۵۰ ہے۔ تمام کے ہندو ہیں۔ قریباً ساٹھ ہیڈ کلرکوں میں سے جن کا گریڈ ۱۳۵ ہے صرف دو مسلمان ہیں۔ چار سو کلرکوں میں سے صرف ۲۰[۳] کے قریب مسلمان ہیں۔"[۴]

---

[۱] اس گوشوارہ کی نقل اول کے وقت اس عہدہ کی ۴ اسامیاں خالی تھیں [۲] غالباً ان میں بھی ۱۳ مسلمان کلرکوں کا گریڈ کم کر کے انکو دوسرے محکموں میں تبدیل کر دیا ہے۔

---

[۳] انقلاب ۱۵- فروری ۱۹۳۸ء مسلم۔ [۴] انقلاب ۲- اپریل ۱۹۳۸ء

اور بھی کئی صیغے ہیں۔ جن کے اعداد و شمار پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مگر چونکہ اس مختصر سے رسالہ میں ان کے لئے گنجائش نکالنی ناممکن ہے۔ اس لئے ہم آخر میں جموں گورنمنٹ کی گزٹیڈ اسامیوں کا ایک گوشوارہ نقل کرنے کے بعد باقی کو کسی دوسری صحبت پر اٹھا رکھتے ہیں۔ ذیل کے گوشوارہ میں بعض وہ اسامیاں بھی دکھائی گئی ہیں جن میں سے بعض کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ مگر اب مع دوسری گزٹیڈ اسامیوں کے مجموعی گوشوارہ بھی ملاحظہ فرمائیے :۔

جموں گورنمنٹ کی گزیٹڈ اسامیوں کا گوشوارہ

نام محکمہ	نام عہدہ	کل تعداد	مسلم	ہندو	تنخواہ ماہوار
محکمہ مال	گورنر جموں	۱	×	۱	۱۰۰۰
	نائب گورنر	۱	×	۱	۴۰۰
	وزیر وزارت	۱	×	۱	۵۰۰
	آفیسر مال	۱	×	۱	۳۵۰
	تحصیلدار	۱	×	۱	۲۲۵
	نائب "	۲	×	۲	۱۰۰
محکمہ جوڈیشل	سشن جج	۱	×	۱	۰۰۰
	ایڈیشنل سشن جج	۱	×	۱	۸۰۰
	" ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ	۱	×	۱	۷۰۰
	سب جج	۱	×	۱	۵۰۰
	سٹی جج	۱	×	۱	۵۰۰
	پبلک پراسیکیوٹر	۱	+	۱	۳۰۰

نام محکمہ	نام عہدہ	کل تعداد	مسلم	ہندو	تنخواہ ماہوار
	منصف	۱	x	۱	۲۲۵
	سب رجسٹرار	۱	۱	x	۱۰۰
	ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس	۱	x	۱	۸۰۰
	ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ ,,	۱	۱	x	۴۰۰
	اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ,,	۱	x	۱	۲۵۰
	انسپکٹر پولیس	۲	x	۲	۱۵۰
	ڈپٹی انسپکٹر ,,	۴	x	۴	۱۰۰
محکمہ تعلیم	انسپکٹر سکول	۱	x	۱	۵۵۰
	اسسٹنٹ انسپکٹر ,,	۱	x	۱	۱۵۰
	ہیڈ ماسٹر ہائی سکول	۱	x	۱	۲۵۰
	ہیڈ مسٹرس زنانہ ,, ,,	۱	x	۱	۳۳۰
	انسپکٹر گرل سکول	۱	x	۱	۱۵۰
	پرنسپل کالج	۱	x	۱	۱۰۰۰
	پروفیسر	۱۴	۱	۱۳	۵۵۰
	لیکچرار انگلش	۱	x	۱	۳۴۰
	لیکچرار عربی ؎	۱	۱	x	۱۵۰
محکمہ تعمیرات امور عامہ	ڈویژنل انجینئر تعمیرات عامہ	۱	x	۱	۵۰۰
	اسسٹنٹ ,,	۱	x	۱	۳۰۰
محکمہ انہار	ڈویژنل انجینئر انہار	۱	x	۱	۵۰۰
	اسسٹنٹ ,,	۱	x	۱	۳۰۰

؎ اغلباً اس اسامی پر بھی اب ایک ہندو ہی فائز ہے۔

نام محکمہ	نام عہدہ	کل تعداد	مسلم	ہندو	تنخواہ ماہوار
الیکٹریکل ڈیپارٹمنٹ	الیکٹریکل انجینیر	۱	x	۱	۲۷۰
محکمہ جنگلات	کنزرویٹر جنگلات	۱	x	۱	۱۱۰۰
	اسسٹنٹ "	۱	x	۱	۷۰۰
انجمن امداد باہمی	رجسٹرار	۱	x	۱	۶۵۰
	اسسٹنٹ "	۱	x	۱	۲۲۰
محکمہ ابریشم	ڈائرکٹر ابریشم	۱	x	۱	۵۵۰
	اسسٹنٹ "	۱	x	۱	۳۰۰
محکمہ پریس	سپرنٹنڈنٹ پریس	۱	x	۱	۳۰۰
	اسسٹنٹ "	۱	x	۱	۱۰۰
محکمہ سٹیشنری	سپرنٹنڈنٹ سٹیشنری	۱	x	۱	۱۵۰
	مہتمم خزانہ	۱	x	۱	۴۰۰
محکمہ کسٹم	انسپکٹر کسٹم	۱	x	۱	۷۰۰
	ڈپٹی "	۲	x	۲	۲۵۰
محکمہ زراعت	انسپکٹر زراعت	۱	x	۱	۲۰۰
	سپرنٹنڈنٹ دستکاری سکول	۱	x	۱	۲۵۰
میڈیکل ڈیپارٹمنٹ	سول سرجن	۱	x	۱	۸۰۰
	اسسٹنٹ سرجن	۲	x	۲	۴۰۰
	لیڈی ڈاکٹر	۱	x	۱	۲۵۰
	ہیلتھ آفیسر	۱	x	۱	۴۰۰
میونسپلٹی	پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی	۱	x	۱	۴۰۰

	نام عہدہ	کل تعداد	مسلم	ہندو	تنخواہ ماہوار
متفرقات	سپرنٹنڈنٹ ریکارڈ	۱	×	۱	۴۰۰
	کنٹرولر رسومات	۱	×	۱	۶۰۰
	اسسٹنٹ "	۱	×	۱	۳۰۰
	اسسٹنٹ کنٹرولر رکھ	۱	×	۱	۳۰۰

یہ صرف جموں گورنمنٹ کی گزیٹڈ اسامیوں کا گوشوارہ ہے۔ جس میں ان کے ماتحت عملہ کا کوئی ذکر نہیں۔ اور نہ ہی دوسرے صوبوں کے اعداد و شمار۔ اب ناظرین بالخصوص ہندو ناظرین خود ہی غور فرمالیں۔ حکومت جموں کے اس نقشہ ہائے عہدہ داران کے مطالعہ کے بعد اگر آپ کو کوئی یہ کہے۔ کہ :۔

"ریاست جموں وکشمیر میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں"۔ (ملاپ)

توکیا آپ کی ضمیر گوارا کریگی۔ کہ اس کی بات کو صحت کا درجہ دیا جائے؟

ریاست کے دفاتر اور تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کی قلت اور ہندوؤں کی گھماگھمی کو دیکھ کر ہی وہاں جانیوالوں ہندو سیاحوں کو بھی بادلِ ناخواستہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ :۔

ریاست کے چھوٹے بڑے تمام عہدوں پر عموماً ہندو قابض ہیں

مسلمانوں سے اُن کی حالت بہت اچھی ہے

زمینداری کا فائدہ بھی زیادہ ہندو اٹھاتے ہیں

کانگرسی کارکن لالہ بنارسی لال بجاج کی عینی گواہی | "کشمیر کی دونوں قوموں

(ہندو-مسلم) کی حالت کا اگر مقابلہ کیا جائے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں سے پنڈتوں کی حالت اچھی ہے"

"ریاست کے بڑے بڑے عہدہ دار عموماً ہندو ہی ہیں" سرینگر کالج میں تقریباً ۸۰ فیصدی طالب علم ہندو ہی ہیں"

(رسالہ تیاگ بھومی ہندی اجمیر جلد ۳ نمبر ا صہ)

شری گوپال نیوٹیا کی چشمدید شہادت

"ہندو ریاست ہونیکے باعث ہندوؤں کو ریاست کی ملازمتیں وغیرہ ملنے کی آسانی ہے۔ بڑے بڑے عہدوں سے لے کر پولیس اور فوج میں بھی وہی بھرتی کئے جاتے ہیں زمینداری کا بھی زیادہ تر فائدہ ہندو ہی اٹھاتے ہیں"

("کاشمیر" ہندی صہ۱۲۱)

مسلمانان کشمیر کی حق بجانب بے چینی کو دیکھ کر ان پر حکومت وقت کا تختہ الٹ دینے کا الزام لگانیوالے۔ ان پر سازش اور بغاوت کی تہمت باندھنے والے۔ ان کو مہاراجہ صاحب بہادر، برٹش گورنمنٹ اور عام پبلک کی نظروں سے گرانے کے خواہشمند محولہ بالا عینی اور واقعات پر مبنی شہادتوں کو پڑھ کر بتلائیں تو سہی۔ کیا واقعی

"مسلمانوں کو اس ریاست میں سب سے زیادہ سہولتیں اور مراعات حاصل ہیں" (ملاپ)

کیا ریاست کے تمام چھوٹے بڑے صیغوں اور دفتروں میں اکثریت رکھنے والی قوم کی انتہائی قلت اور قلیل التعداد قوم کی تعجب خیز اکثریت ہی کی بنا پر کہا جاتا ہے۔ کہ

"ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں" (ملاپ)

مہا سبھائیوں کے اس جھوٹے اور قطعی بے بنیاد پروپیگنڈے کو غلط ثابت کر دینے کے لئے جس قدر ٹھوس۔ زبردست اور ناقابل تردید حقائق پیش کئے گئے ہیں۔ ان کی

موجودگی میں اب بڑے سے بڑا دھا سبھائی بھی اس قسم کی بات زبان پر لانیکی توجرأت نہ کریگا۔ مگر

ریاستی عمّال کی بے انصافیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش

عمّال ریاستؐ کی ان کھلی کھلی بے انصافیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ ضرور کہا جائے گا۔ کہ ریاست کے مسلمان چونکہ تعلیم سے کورے، لیاقت سے خالی اور انتظامی قابلیت سے معرّا ہیں۔ اس لئے ریاست کو مجبوراً انہیں آدمیوں کو بھرتی کرنا پڑتا ہے۔ جو ان کاموں کو خوش اسلوبی اور عمدگی سے سرانجام دے سکیں اور چونکہ اس قسم کی قابلیت اور لیاقت ہندوؤں ہی میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے انہی کے کندھوں پر یہ بار ڈالا جاتا ہے۔ لیکن جو شخص بعض کارپردازانِ ریاست کی اس عالم آشکار ہندو پرستی کو اس قسم کی بے ہودہ اور بے معنی باتوں سے چھپانا چاہتا ہے وہ

عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا مرتکب ہوتا ہے

یہ غلط ہے کہ کشمیر کے سبھی مسلمان اعلٰے قابلیّت سے معرّا ہیں

کیونکہ اول تو یہ بات ہی غلط ہے کہ ریاست کے مسلمان بالکل ہی تعلیم سے کورے، لیاقت سے خالی اور انتظامی قابلیت سے معرّا ہیں۔ لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ یہ بات یونہی ہے۔ تو کیا اس کو صحیح تسلیم کر لینے پر ریاست ہر قسم کی ذمہ واری سے سبکدوش ہو جاتی ہے ؟

کشمیری مسلمانوں کی بے علمی کی ذمّہ وار ریاست ہے،

اگر ریاست کے مسلمان صد سالہ ڈوگرہ راج میں رہ کر بھی تعلیم سے

کورے۔ لیاقت سے خالی اور انتظامی قابلیت سے معرا ہی رہے۔ تو یہ کس کا قصور ہے؟ کیا حکومت وقت کا فرض نہ تھا۔ کہ ان کو جہالت سے نکال کر علم و حکمت کی دولت سے مالامال کرتی۔ جب کہ ہر ایک حکومت رعایا کی مربی ہوتی ہے۔ تو کیا ریاست کشمیر کے ارباب بست و کشاد کا فرض نہ تھا۔ کہ ان ۳۲ لاکھ مسلمانوں کی تربیت کا کام اپنے ہاتھ میں لیتے۔ اور ان کو اس قابل بنا دیتے۔ کہ وہ بھی ریاستی کاموں میں حصہ لیتے؟ اگر مسلمانوں کو تعلیم کی طرف توجہ نہ تھی۔ تو کیا ان کی اس عدم توجہی سے ریاست پر کوئی ذمہ واری عائد نہیں ہوتی۔ جب حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ کہ وہ اپنی رعایا کو (جس کے خون پسینہ کی کمائی سے ہی اس کا شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ قائم ہوتا ہے) علم و عقل سکھلائے۔ اسے تہذیب اور تمدن کے اعلیٰ اصولوں سے واقف کرے اور ان کو اپنی شاہانہ و مربیانہ توجہ سے اس قابل بنا دے۔ کہ وہ صحیح معنوں میں اچھے شہری مہذب اور صاحب علم بن جائیں۔ تو کیا ریاست کشمیر کا فرض نہ تھا۔ کہ وہ اپنی ریاست کی ۹۵ فیصدی آبادی کو ان اچھی باتوں کا شوق دلاتی۔ ان کی حوصلہ افزائی کرتی۔ ان کا ہاتھ پکڑتی۔ مدد کرتی۔ اس کام کیلئے سہولتیں پیدا کرتی۔ تاکہ وہ بھی حکومت وقت کی پیدا کردہ آسانیوں اور امداد سے کسی لائق بن کر اپنے مہربان اور مربی راجہ کا حکومت کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ اس موقعہ پر یہ بھی کہا جائے گا۔ کہ:۔

ایک بیہودہ عذر اور اسکی تردید

"مسلمانوں نے ریاست میں کوئی ترقی نہیں کی۔ یا علمی دوڑ میں حصہ نہیں لیا۔ تو یہ ان کا اپنا قصور ہے۔ تعلیم کے دروازے تو ہر دو اقوام کے لئے یکساں طور پر کھلے ہوئے ہیں۔" (کیسری لاہور ۱۵۔ نومبر ۲۳ء)

لیکن جو شخص اس قسم کی باتوں سے ریاست کا ڈیفنس کرتا ہے۔ وہ پہلے اس بات کا جواب دے۔ کہ جب برٹش گورنمنٹ نے ملک میں جابجا مدرسے۔ پاٹھ شالائیں۔ سکول

کالج اور یونیورسٹیاں کھول رکھی ہیں۔ اور رعایا کو ریاست کشمیر سے کہیں زیادہ سہولتیں بہم پہنچا رکھی ہیں۔ ہندوستانیوں کو علم وعقل کی روشنی سے منور کرنے کے لئے بہتر سے بہتر ذرائع اختیار کر رکھے ہیں پبلک میں تعلیم کا شوق پیدا کرنے کے لئے بہت سی مفید سکیمیں بنا رکھی ہیں۔ تو ایسی حالت میں آپ ہی لوگ آئے دن کیوں اس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ اور کس بناء پر اسے ہندوستانیوں کی جہالت کا ذمہ وار ٹھیرایا کرتے ہیں۔ اور کس لئے یہ کہہ کہہ کر اس کی نندا اور مذمت کیا کرتے ہیں۔ کہ:۔

"انگریزوں کی حکومت کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ اگرچہ آج انہیں اس ملک پر حکومت کرتے ہوئے ڈیڑھ سو سال سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ لیکن آج تک صرف دس فی صدی ہندوستانی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ پر ماتما نے آدمی کو سو سال کی عمر بخشی تھی۔ لیکن آج کل ہندوستانیوں کی اوسط عمر ۲۳ سال ہے"!

(پرتاپ ۱۱ ستمبر ۲۵ء صہ۹)

کیوں صاحب! جب حکومت ہند نے تعلیم کے دروازے سبھی کے لئے یکساں طور پر کھول رکھے ہیں۔ تو پھر اس کی مذمت یہ کہہ کہہ کر کیوں کی جاتی ہے۔ کہ ڈیڑھ صدی سے زائد عرصہ حکومت کرنے پر بھی صرف ۱۰ فیصدی ہندوستانی لکھنا پڑھنا سیکھ سکے (اعلیٰ تعلیم کا تناسب تو اس سے بھی بہت کم ہو گا) جب برٹش گورنمنٹ ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں ۱۰ فیصدی ہندوستانیوں کو لکھنے پڑھنے کے قابل بنا دینے پر بھی مورد الزام ہے۔ تو ریاست کشمیر اور اس کے عمائد کیونکر یہ کہہ دینے سے بری سمجھے جائیں گے۔ کہ اس نے تو تعلیم کے دروازے سبھی کے لئے کھول رکھے ہیں۔ اگر تعلیمی دوڑ میں مسلمانوں نے حصہ نہیں لیا۔ تو یہ ریاست کا قصور نہیں۔ خود مسلمانوں کا قصور ہے۔

اچھا صاحب! اگر یہ مسلمانوں ہی کا قصور ہے۔ تو پھر ۹۰ فی صدی کی بجائے ۱۰ فیصدی ہی ہندوستانیوں کا لکھنے پڑھنے کے قابل بننا ہندوستانیوں کا قصور سمجھا جائیگا

یا گورنمنٹ کا ؟ ۔ اگر کہیئے ہندوستانیوں کا ۔ تو پھر گورنمنٹ پر اعتراض کیوں ؟ اور اگر یہ قصور گورنمنٹ ہی کا ہے ۔ تو پھر مسلمانانِ ریاست کا تعلیمی دوڑ میں پیچھے رہنا کیوں نہ ریاست کا قصور سمجھا جائے ۔ جوکہ اپنی سو سالہ حکومت میں پانچ فیصدی آبادی کو بھی لکھنے پڑھنے کے قابل نہ بنا سکی ؟ ہم کہتے ہیں ۔ اگر جس طرح برٹش گورنمنٹ نے ترقی یافتہ اور پسماندہ سبھی قوموں کے لئے تعلیمی سہولتیں بہم پہنچائیں ۔ ان کو زیور علم سے آراستہ کرنے کیلئے امکانی کوششیں صرف کیں ۔ ان کو تعلیم کا شوق دلانے اور ترقی کی دوڑ میں حصہ لینے کے لئے اُبھارا ۔ اور مختلف طریقوں سے ان کی حوصلہ افزائی کی ۔ اگر ریاست کشمیر اس کا چوتھائی بھی کرتی ۔ تو آج مسلمانانِ کشمیر علمی دوڑ میں باقی تمام قوموں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے برطانوی ہند کے باشندوں سے بھی کہیں آگے نکل گئے ہوتے ۔ کیونکہ وہ عام طور پر ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے زیادہ ذہین زیادہ زیرک اور ترقی کرنے کا زیادہ مادہ رکھتے ہیں ۔ اور جن دنوں (اسلامی عہد میں) ان کے سر پر صحیح معنوں میں گورنمنٹ کا سایہ تھا ۔ ان کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی ۔ ان کو ترقی کرنے کا موقعہ دیا جاتا تھا ۔ سہولتیں بہم پہنچائی جاتی تھیں ۔ تو انہی کشمیریوں نے (جنہیں آج جاہل ۔ غبی اور کُند ذہن کہا جاتا ہے ۔) اپنی ذہانت و ذکاوت کا چار دانگ عالم میں سکّہ بٹھا دیا تھا ۔ اور علاوہ علمی کمالات کے دنیا کو ایسے ایسے صنعتی و حرفتی کمالات کے نمونے دکھلائے تھے کہ دیکھنے والے عش عش کر اُٹھتے تھے ۔ اور برنیر جیسے ہزاروں اشخاص یہ کہنے پر بے بس ہوتے تھے ۔ کہ :۔

عہد اسلامیہ میں کشمیریوں کے علمی و صنعتی کمال پر برنیر کی گواہی

"کشمیری لوگ لطافت و ظرافت میں مشہور ہیں ۔ اور بہ نسبت اور ہندوستانیوں کے زیادہ ہوشیار اور ذہین سمجھے جاتے ہیں ۔ اور شاعری اور فضائلِ علمیہ میں بھی ایرانیوں سے کچھ کم نہیں ہیں ۔ یہ لوگ محنتی اور چست و

وچالاک ہوتے ہیں۔ اوران کی کاریگری خوبصورت اشیاء کے بنانے ہیں۔ جیسے پالکی۔ پلنگ کے پائے۔ صندوق۔ صندوقچہ۔ قلمدان جیسے وغیرہ فی الواقع قابل تعریف ہے۔ اور وہاں کے کارخانوں کی بنی ہوئی چیزیں ہندوستان کے تمام اضلاع میں برتی جاتی ہیں۔ یہاں کے لوگ روغن کاری کے فن میں نہایت کامل ہیں۔ اور نہایت باریک اور نفیس سنہری تاروں کو کسی چیز پر جما کر ہر ایک لکڑی کے رگ و ریشہ کی ایسی خوبصورتی سے ہو بہو نقل اتارتے ہیں۔ کہ میں نے کبھی کوئی ایسی نفیس اور بے عیب شئے نہیں دیکھی" (سیاحت نامہ ڈاکٹر برنیر جلد دوم ص۲۷)

یہی کیوں۔ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی جبکہ وہ ہر طرح دبا دئے گئے ہیں۔ اپنی دماغی اور ذہنی قابلیتوں کی داد لئے بغیر نہیں رہتے۔ اوران کے کمالات کو دیکھتے ہوئے آج بھی ڈاکٹر لیبان جیسے سینکڑوں ہی یہ کہنے پر مجبور ہیں۔ کہ کشمیری "زیادہ جری نہیں ہیں۔ لیکن ان کی صنعتی قابلیت تعجب خیز ہے۔ یہی اُس مشہور شال کے بنانے والے ہیں۔ جو تمام دنیا میں پہنچ گئی ہے اور یہیں (کشمیر میں) وہ تانبے پر مینا کاری کا کام بنتا ہے۔ جس کی نقل اس وقت تک یورپ (بھی) نہ کر سکا" (تمدن ہند ص۲۶)

پس جو لوگ فطرتی طور پر اتنے ذہین طباع اور ذکی ہوں۔ کیا ان کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ علمی اور دماغی قابلیت سے کورے اور انتظامی کاموں کے اہل نہیں؟ ہم کہتے ہیں۔ ان میں ترقی کرنے کی قابلیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ وہ ترقی کی خواہش بھی رکھتے ہیں۔ مگر اس کا کیا مداوا کہ ان کے پاس حصول علم کے ذرائع نہیں۔ روپیہ نہیں بعض گذشتہ یا موجودہ عمالان ریاست کی عدم توجہی سے ان کی تجارت تباہ ہو گئی۔ صنعت و حرفت میں زوال آگیا۔ زمینیں بھی ان کی ملکیت میں نہ رہیں۔ افلاس نے گھیر لیا فاقہ مستی پر نوبت آگئی۔ اب وہ علمی دوڑ میں حصہ لیں تو کیونکر؟

کشمیریوں کا ترقی نہ کرنا غیر ہمدرد عمال کی وجہ سے ہے

لیکن باوجود ان مخالف حالات کے پھر بھی وہ تعلیم کا شوق رکھتے ہیں۔ اور اس بات کے آرزومند ہیں۔ کہ انہیں تھوڑا سا بھی سہارا مل جائے۔ تو ایک دفعہ پھر وہ اپنے علمی کمالات سے دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈالدیں۔ مگر اس کا کیا علاج۔ کہ جو لوگ ان پر مسلّط کر دئے گئے ہیں۔ وہ ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے انہیں پیچھے ہی دھکیلنے میں اپنی اور اپنی قوم کی بہتری سمجھتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ موجودہ مہاراج بھی انہی کے رنگ میں رنگین ہیں۔ نہیں یہ بات نہیں۔ کیونکہ وہ اس بات کے آرزومند ہیں۔ کہ ان کی مسلمان رعایا بھی علمی دوڑ میں حصہ لے مگر افسوس کہ ان کی یہ پاکیزہ اور قابل ستائش خواہش کما حقہٗ پوری نہیں ہوتی کیونکہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور رہی ہے۔ ان میں سے بعض سوائے اپنی قوم کے اور کسی کی ترقی میں دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ اور یہی وہ حالات ہیں۔ جن کی بدولت ریاست کے مسلمان علمی ترقی میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لے سکے۔

اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے یہی کچھ وہ لوگ بھی کہتے ہیں۔ جو سالہا سال تک کشمیر میں رہنے کے باعث وہاں کی حالت سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ پادری بی ڈی دوتیٹر کے اس بیان سے ظاہر ہے۔ جو چند سال پہلے ہندوؤں کے انگریزی اخبار ٹربیون لاہور میں بایں الفاظ شائع ہوا تھا۔ کہ:۔

پادری دوتیٹر کی رائے کہ ان خرابیوں کی ذمہ دار ریاست ہے

"کشمیر کے مسلمانوں کی پستی اور تنزل کے اسباب کیا ہیں۔ اور ان کی اس تمام ناگوار حالت قائم رہنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہے۔ ایک اہم نتیجہ جو نکالا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ ریاست بہت حد تک قابل الزام کہی جا سکتی ہے۔ کوئی حکمران آج کل کے زمانہ میں اپنی رعایا کی پستی کی ذمہ واری لینے

سے بری نہیں سمجھا جا سکتا۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا حکام ریاست نے اپنی رعایا کی ترقی و بہبودی کے لئے مناسب تدبیریں کیں ؟ کیا ان ناگوار حالتوں کے قائم رہنے کی وجہ یہ تو نہیں ہے۔ جیساکہ اکثر مسلمان اخبارات نے ظاہر کیا ہے کہ قریب قریب تمام افسران سرکاری غیر مسلم ہیں اور انہیں مسلمانوں کے جذبات کا کوئی احساس نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس وجہ سے مہاراجہ باوجود اس کے کہ ان کی خواہشیں ہمیشہ ارفع و اعلیٰ رہیں۔ اور وہ اس ناگوار حالت کو دفع کرنے کے برابر متمنی رہے۔ پھر بھی وہ اپنی مسلمان رعایا کی امداد سے معذور رہیں گے۔ جب تک کہ نظامِ دفاتر میں کافی مسلمان اعلیٰ عہدوں سے لے کر ادنیٰ جگہوں پر مامور نہ کئے جائیں "۔

پس یہ کہنا کہ مسلمان نالائق ہیں۔ اور یہ کہ انہیں خود ہی علمی دوڑ میں حصہ لینے کا شوق نہیں۔ غلط ہے۔ کیونکہ وہ فطرتاً ذہین ہیں۔ علمی اور دوسرے مفید شعبہ ہائے زندگی میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ مگر چونکہ ان کا واسطہ ایسے لوگوں سے آپڑا ہے۔ جو ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے روادار نہیں۔ اور نہ ہی مسلمانوں کے جذبات کا انہیں احساس ہی ہے۔ خواہ مہاراجہ صاحب بہادر مسلمانوں کی بہتری کی کتنی ہی اعلیٰ و ارفع خواہش کیوں نہ رکھیں۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر ریاست کے مسلمان ان کی نظروں میں بالکل ہی نالائق بے علم اور نااہل ہیں۔

اگر مسلمان نالائق ہیں تو کیا ہندو عہدہ دار لائق ہیں ؟

تو کیا اس وقت ریاست کے صیغوں اور دفتروں میں جتنے ہندو کام کر رہے ہیں۔ وہ سب کے سب ہشیار قابل اور ہر طرح سے لائق ہی ہیں۔ کیا ان کو ملازمتوں پر فائز کرتے ہوئے صرف قابلیت ہی کو مد نظر رکھا گیا ہے ؟ یا ان کے مذہب، برادری کے تعلقات اور سفارشوں کو بھی ؟ اگر صرف قابلیت ہی کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ تب تو خیر۔

لیکن اگر ان کی بھرتی میں قابلیت نہیں۔ بلکہ مذہب۔ قومیت۔ برادری۔ تعلقات اور سفارشوں کا بھی دخل ہے۔ تو ایسی حالت میں یہ کہنا بجا نہ ہوگا۔ کہ قابلیت کا ڈھونگ محض مسلمانوں کو دفتری حکومت سے پرے پرے رکھنے کے لئے رچا گیا ہے ؟

اگر کوئی کہے۔ کہ ریاست میں قابلیت کے سوا اور کسی چیز کو وقعت نہیں دی جاتی تو گذشتہ دنوں میں خود ہندو مہاسبھائیوں کی طرف سے ہی یہ آواز کیوں سنائی دیتی رہی۔ کہ ریاست میں لیاقت۔ محنت۔ تجربہ وغیرہ کی کوئی قدر نہیں۔ وہاں ملازمتوں کے لئے رشتہ داری۔ برادری اور قومیت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ اخبار ملاپ ہی کے مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے۔

ملاپ کی گواہی کہ ریاست میں لیاقت وغیرہ کی کوئی قدر نہیں

" لیاقت۔ محنت۔ تجربہ۔ سروس۔ ایمانداری اور خاص طور پر خودداری وغیرہ کی ریاست (کشمیر) میں کچھ قدر نہیں۔ جس شخص میں مندرجہ بالا صفات ہوں۔ اس کے لئے بہانہ اور موقعہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر پنشن پر ریٹائرڈ کر دیا جاتا ہے اور خلاف اس کے اگر اوصاف مندرجہ صدر کا بالکل الٹ ہووے۔ اور ریاست کا ملازم) چلنے پھرنے سے عاری ہووے۔ یادداشت کا یہ حال ہو۔ کہ کلرک متعلقہ کا کسی مثل پر نوٹ لکھا ہوا سمجھ میں نہ آوے یا سمجھنے کے لئے کلرک مذکور کو طلب کر لیا جاوے۔ تو کلرک کے پہنچتے ہی یادداشت جواب دے دیوے اور یہ یاد ہی نہ رہے۔ کہ کیوں کلرک کو طلب کیا ہے۔ تو ایسے افسران (ریاست کشمیر) ایک نہیں دو دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ وسعت میعاد سروس حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن برخلاف اس کے جیسا کہ میں نے اوپر ظاہر کیا ہے۔ تجربہ کار اور جن افسروں سے ریاست کو فائدہ پہنچ سکے۔ ان کو فوراً پنشن پر ریٹائر کر دیا جاتا ہے "

(ملاپ لاہور ۹۔ مئی سنہ ۲۵ء صفحہ ۱)

"ریاست کشمیر میں ہندوؤں کو نوکریاں برادری دوستی اور تعلقات کی بنا پر ملتی ہیں"

"پھر یہ بھی انہی لوگوں کیطرف سے بتایا جاتا ہے۔ کہ ہماری آنکھوں کے سامنے جتنی موٹی موٹی اسامیاں ہیں۔ وہ سب بھاری پیٹ والے۔ اپنے رعب داب اور دم دلاسا سے اپنا کام بنلئے چلے جا رہے ہیں۔ جس کو چاہتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ریاست کشمیر کی سیر اور علاوہ سیر کے آمدن اور منفعت کے کام دلوا رہے ہیں"

پھر مہا سبھائی یہ بھی ہمارے کانوں میں ڈھولتے رہے۔ کہ :۔

"چند خود غرض اہلکاران جو ہمچو ما دیگرے نیست کے زعم میں آج آئے ہوئے ہیں۔ اور برسر روزگار ہونے کے گھمنڈ سے دل میں یہی چاہتے ہیں۔ کہ بقولیکہ آندھا بانٹے ریوڑیاں مڑ کر اپنیاں ہی کو دے"۔ ریاست کے کسی دوسرے شخص کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتے۔ یہی چاہتے ہیں۔ کہ جو اسامی ہو۔ انہی کے ہم قوم حالانکہ قوم کے معنوں سے یہ لوگ بالکل ناآشنا ہیں۔ محض رشتہ داری اور جنم مرن کے واسطہ داری اور گن کرم ہین (اعلیٰ اوصاف اور اعمال سے بے بہرہ ہیں)، تعلق داری کے باعث ایسے چند ایک صاحبان جھوٹی برادری اور قومیت کو لئے پھرتے ہیں۔ در اصل محض خود غرض اور سولہ آنہ مطلب پرستی پر تلے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ اور وقت بے وقت باوجود البیان ریاست کے صاف منشار اور ہدایت کے خلاف در پردہ ایک قسم کا طوفان بے تمیزی برپا کر رہے ہیں۔ اور جائز ناجائز طریقوں اور تحریرات سے ایسے تباہ کن اثرات پیدا کر رہے ہیں کہ جن کو جانتے ہوئے بھی اپنی عادات سے باز نہیں آتے" (ملاپ ۷، جون ۲۵ء صـ۱۱)

جب خود مہا سبھائی ہندوؤں کو بھی اقرار ہے۔ کہ ریاست کے ہندو ملازمین میں کافی تعداد ایسے لوگوں کی ہے۔ جو اپنے کار منصبی کو سرانجام دینے کی قطعاً قابلیت نہیں رکھتے۔

اور پھر بھی بڑی بڑی تنخواہیں لے کر مزے اڑا رہے ہیں۔ اور اسی طرح ملازمتوں کی بھرتی بھی عام طور پر قابلیت کی بنا پر نہیں۔ بلکہ رشتہ داری قومیت اور تعلقات کو مدنظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ تو ایسی حالت میں یہ کہنا غلط ہوگا۔ کہ قابلیت کا صرف بہانہ ہی بہانہ ہے۔ جو مسلمانوں کو دفتری حکومت میں حصہ لینے سے باز رکھنے کی خاطر بنا یا گیا ہی؟

اور اگر ان تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ ریاستی مسلمان ابھی اس قابل نہیں ہوئے۔ کہ انہیں ذمہ واری کے کاموں پر متعین کیا جائے۔ تو کیا اگر ریاست کو ان سے ہمدردی ہو۔ ان کی ترقی کی آرزومند ہو۔ اور چاہے۔ کہ وہ بھی جلد سے جلد ترقی کریں۔ تو ان کی تعلیم و تربیت کے لئے بیرون ریاست سے بہتر اور لائق مسلمان نہیں منگوائے جا سکتے۔ جب تک کہ خود ریاستی مسلمان حکومت کی مشینری چلانے کی پوری پوری صلاحیت اپنے اندر پیدا نہ کر لیں؟

مسلمانوں کی ترقی کے راستہ میں پشتینی باشندہ کی شرط کا اڑنگا

اگر کہا جائے کہ یہ ریاست کے قانون کے خلاف ہے۔ کہ جو ریاست کا پشتینی باشندہ نہ ہو۔ اسے ملازمت میں نہیں لیا جا سکتا تو یہ کوئی معقول عذر نہیں۔ بلکہ ہم اگر یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ کہ مسلمانوں کی ترقی میں روڑے اٹکانے اور انہیں قعر مذلت میں پڑے رہنے دینے کی غرض سے ہی اس قسم کے قانون وضع کئے گئے ہیں۔ تا کہ کہیں باہر سے قابل اور ہمدرد مسلمان آ کر ریاست کی ۲۳ لاکھ مسلم آبادی کی ترقی و بہبودی کی کوئی سبیل نہ نکال لیں۔ اور پھر انہیں کہنے کی گنجائش ہی نہ رہے کہ ریاست کے مسلمان چونکہ نالائق ہیں۔ اس لئے مجبوراً حکومت کے کاموں پر ہندوؤں ہی کو متعین کیا جاتا ہے۔

اور اگر پشتینی باشندہ والا قانون جنہوں نے وضع کیا ہے۔ ان کی وضع کرتے وقت ایسی نیت نہ تھی۔ تو کیا یہ ایشوری آگیا یا خدائی حکم ہے۔ جو منسوخ نہیں ہو سکتا۔ اگر

ہمیشہ کے لئے اسے منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ تو کیا اتنی مدت تک کے لئے اس سے مسلمانوں کو مستثنٰی نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کہ بیرونی مسلمان عہدہ دار آ کر ریاست کے مسلمانوں کو ہر طرح لائق اور قابل نہ بنا دیں۔ لیکن یہ تو جب ہو۔ کہ ریاست کے موجودہ عہدہ دار وہاں کے مسلمانوں کو حکومت کے کاموں میں حصہ دار بنانے کے روادار ہوں۔ اور چاہیں۔ کہ کشمیری مسلمان بھی جلد سے جلد اس قابل بن جائیں۔ کہ وہ ریاستی کاروبار میں ہمارا ہاتھ بٹا سکیں۔ مگر جو لوگ ان کو اپنے نزدیک تک پھٹکنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ وہ ان کو کسی لائق بنانے کی خاطر بیرون ریاست سے قابل اور ماہر مسلمان منگوانے کا مہاراجہ صاحب بہادر کو کیسے مشورہ دے سکتے ہیں؟

یہ پشتینی اور غیر پشتینی کا اڑنگا تو محض اس لئے لگا رکھا ہے۔ تاکہ بیرونی دنیا کے اعتراضوں سے بچے رہیں۔ اور یہ بھی محض ایک عذر ہے۔ ورنہ

ملازمتوں میں غیر پشتینی ہندو لے لئے جاتے ہیں

اگر حقیقت میں یہی بات ہوتی۔ کہ ریاست میں کوئی غیر پشتینی باشندہ ملازمت حاصل نہیں کر سکتا۔ تو یہی لوگ ضرورت آ پڑنے پر کیوں باہر کے ہندوؤں کو ریاست کے عہدوں پر فائز کر دیا کرتے ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اس وقت ریاست کے اعلیٰ اور ماتحت عملہ میں کافی تعداد ایسے ہندوؤں کی موجود ہے۔ جو یقیناً یقیناً ریاستی کی تعریف سے باہر ہیں۔ اور جنہیں قطعاً ریاست کا پشتینی باشندہ نہیں کہا جا سکتا۔ جیسا کہ پنڈت گوانند لال بی اے کے اس بیان سے بھی ظاہر ہے۔ کہ ریاست میں

"جب کوئی اسامی خالی ہوتی ہے۔ تو یا محکمہ کے اندر سے ہی کسی ایسے شخص کو دیدی جاتی ہے جو خدمات کے لحاظ سے سینئر ہوتا ہے۔ یا کچھ لے لوا کر باہر کے آدمی سے پُر کر دی جاتی ہے"

(اخبار کشمیری ۲۱۔ اگست ۱۹۲۵ء صفحہ ۹)

پس جب ہندوؤں کے لئے استثنائی صورتیں نکالی جاسکتی ہیں۔ تو مسلمانوں کے لئے کیوں نہیں نکالی جاسکتیں؟ جبکہ ان کی ترقی کے لئے ایسے لوگوں کی اشد ضرورت ہے۔ جو اپنی بہترین طاقتیں ریاست کی مسلم آبادی کی ترقی و بہبودی کے لئے وقف کردیں۔ اور سچے اخلاص اور دلی ہمدردی کے ساتھ انہیں قعر مذلّت سے نکالکر ترقی و خوشحالی کے میدان میں لاکھڑا کریں۔ مگر یہ تو تب ہو۔ جب کہ مہاراجہ صاحب بہادر اور بعض دوسرے نیک دل حاکموں کے علاوہ وہ لوگ بھی چاہیں۔ جو صرف ہندو پرستی ہی اپنا شعار بنائے بیٹھے ہیں۔

یہ غلط ہے کہ ریاستی مسلمانوں میں کوئی دفتری کام کا اہل نہیں

لیکن یہ بات ہی سرے سے غلط ہے۔ کہ ریاست کے مسلمان بالکل بے علم۔ لیاقت سے خالی اور قابلیت سے معرّا ہیں۔ کیونکہ اس وقت ریاست کے مسلمان کافی تعداد میں لکھے پڑھے موجود ہیں۔ اور اگر انہیں کام کرنے کا موقع دیا جائے تو وہ اپنی دماغی لیاقت کے جوہر دکھا سکتے ہیں۔ مگر چونکہ ریاست کے مختلف صیغوں میں اکثر ایسے ہی لوگ صاحب اقتدار ہیں۔ جو سوائے ہندو کے اور کسی کو حکومت کے کاموں میں حصہ لینے کا موقعہ نہیں دینا چاہتے۔ اس لئے وہاں کے مسلمان لکھ پڑھ کر اور یونیورسٹی کی اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرلینے پر بھی بیکار پھر رہے ہیں۔ اور ان کو واد یلا کرنے پر بھی دفتروں کے نزدیک تک نہیں پھٹکنے دیا جاتا۔ چہ جائیکہ وہ مہاراجہ صاحب بہادر تک فریاد لے جائیں۔

اور یہ بات کسی بدظنی یا عداوت پر مبنی نہیں۔ بلکہ حقیقت اور تلخ حقیقت ہے۔ جس کے ثبوت میں واقعات کا انبار در انبار لگایا جاسکتا ہے۔ مگر چونکہ یہ مختصر سا رسالہ ان سب کے اعادہ کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے بطور نمونہ مشتے از خروارے چند ایک مثالوں پر ہی اکتفا کی جائیگی۔ اور ان چند مثالوں سے ہی ناظرین معلوم کرلیں گے۔ کہ بعض عمالِ ریاست

جہاں ذہین اور ہونہار طلباء کی ترقی میں قدم قدم پر روکیں ڈالتے ہیں۔ وہاں قابل سے قابل اور لائق سے لائق فارغ التحصیل مسلمانوں کو بھی عجیب عجیب حیلوں بہانوں اور چالوں سے حکومت کی ملازمتوں سے محروم رکھنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ اور جو مسلمان کسی نہ کسی طرح سلکِ ملازمت میں منسلک ہو گئے ہیں۔ انکو بھی بدنام کرنے اور دفاتر سے خارج کرنے کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔

ہونہار طلباء کو ناکام رکھنے کی دو مثالیں

کشمیر گورنمنٹ بعض علوم کی تحصیل کے لئے ہونہار طلباء کو وظائف بھی دیا کرتی ہے۔ جس سے زیادہ تر ہندو ہی مستفید ہوتے ہیں۔ اور اگر کبھی کوئی مسلمان وظیفہ کی درخواست کرے۔ تو اس کو طرح طرح سے محروم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جس کے ثبوت میں مندرجہ ذیل صرف دو واقعات ہی کا اعادہ کافی ہوگا۔ نامہ نگار انقلاب نے بتلایا تھا۔ کہ:-

(۱) "ڈاکٹر غلام محی الدین صاحب جو پشتینی باشندہ ہونے کے علاوہ ایک معزز کشمیری خاندان کے ممبر ہیں۔ جب آپ نے ایف۔ ایس۔ سی (میڈیکل گروپ) کا امتحان نہایت شاندار نتائج کے ساتھ پاس کیا۔ تو آپ نے ایک درخواست دی۔ کہ اس وقت ریاست میں اسسٹنٹ سرجن کے جو تین وظائف خالی ہیں۔ ان میں سے ایک مجھے مرحمت فرما دیا جائے۔ تاکہ میں طبابت کے فن کی تکمیل لاہور میڈیکل کالج سے کرلوں۔ آپ نے درخواست میں یہ بھی لکھا۔ کہ اس وقت تک متعدد وظائف ہندو طلباء کو دئے جاچکے ہیں۔ اس لئے انصاف اس بات کا مقتضی ہے۔ کہ ان وظائف میں سے ایک مسلمان کو بھی دیا جائے۔ درخواست معقول تھی۔ مگر مہاسبھائی ذہنیت یہاں بھی روڑا اٹکانے سے نہ رہی۔ آخر بہت سی غور و فکر کے بعد اس ہونہار طالب علم کو امداد دینے سے یہ کہہ کر محروم کر دیا۔ کہ امیدوار طبی معائنہ میں ناکارہ ثابت ہوا ہے۔ حالانکہ یہ محض بہانہ تھا۔ کیونکہ میڈیکل کالج داخل ہونے کے لئے یہ کوئی شرط نہیں تھی۔

آخر اس طرف سے مایوس ہو کر ڈاکٹر صاحب اپنے خرچ پر لاہور میڈیکل کالج میں داخل ہو گئے۔ اور پھر وہیں سے ایک درخواست اس وقت کے وزیر تعلیم ریاست کو دی، جس میں تمام رام کہانی لکھ دی۔ اس سے متاثر ہو کر جب وزیر تعلیم نے لاہور میڈیکل کالج کے پرنسپل کو تار دیا۔ کہ مسٹر غلام محی الدین کا طبی معائنہ کرنے کے بعد نتیجہ سے مجھے مطلع کیا جائے۔ تو یہ خبر سنتے ہی ریاست کے چیف میڈیکل آفیسر نے پرنسپل کالج لاہور کو لکھا۔ کہ یہ طالب علم ریاست کا پشتینی باشندہ ہے۔ تم نے کیوں میرے علم کے بغیر اسے کالج میں داخل کیا۔ جس کا پرنسپل کالج نے بہت تلخ جواب دیا۔ آخر جب لاہور میڈیکل کالج کے پرنسپل کا سرٹیفکیٹ حاصل کر کے وزیر تعلیم کے پاس بھجوا دیا گیا۔ تو کسی "مہربان" نے اُسے دفتر ہی سے غائب کر دیا۔ اور ڈاکٹر صاحب نے دوبارہ پچاس روپے کا زیر بار ہو کر سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ مگر اب کے صرف اس کی نقل بھجوا دی۔ اِدھر یہ ہو رہا تھا۔ اُدھر ڈاکٹر صاحب کے والد صاحب مہاراجہ صاحب بہادر سے ملے۔ اور اپنے لڑکے کی متواتر تین سال کی جدّ وجہد کی ناکامی بیان کی۔ جس پر مہاراج اس داستان کو سُن کر متاثر ہوئے۔ اور اسی وقت خاص احکام جاری کئے گئے۔ کہ غلام محی الدین کو ایک خاص وظیفہ فی الفور دیا جائے۔ چنانچہ وظیفہ ان کو مل گیا۔ لیکن وہ بیچارے متواتر تین سال تک اپنے اخراجات پر تعلیم حاصل کرتے رہے۔ حالانکہ اگر عمّالِ ریاست کو اس ہونہار مسلمان سے ہمدردی ہوتی۔ تو چاہیئے یہ تھا کہ درخواست دیکھتے ہی منظور کر لی جاتی۔ مگر یہ تو جب ہوتا۔ کہ انہیں غیر قوم سے ہمدردی ہو۔

اسی طرح کشمیر تحریک کے قائدِ اعظم شیخ محمد عبداللہ صاحب ایم۔ ایس۔ سی کا نام بھی بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۴) "جن دنوں سر ایلبین بینرجی کشمیر میں تھے۔ ایک اسسٹنٹ سرجن کا وظیفہ خالی

ہوا۔ سر ایلبین نے بحیثیت صدر مجلس عطا رکنندگان وظائف صاحب موصوف کی سفارش کی۔ اور زور دیا۔ کہ یہ وظیفہ ان کو دیا جائے۔ مگر جب محکمہ میڈیکل کے پاس یہ کاغذات پہنچے۔ تو محکمہ نے ان کاغذات پر صاف لکھ دیا۔ کہ اس سال کسی آدمی کو فن طب کی تکمیل کے لئے لاہور بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ صرف بہانہ تھا۔ کیونکہ جونہی سر ایلبین نے اپنی ملازمت سے استعفیٰ دیا۔ وہی وظیفہ جھٹ ایک کشمیری پنڈت کو دے دیا گیا۔"

اگر یہ واقعات درست ہیں۔ کہ جن کی صحت میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ تو کیا ان حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا ہوگا۔ کہ ریاست کے بعض عمّال مسلمان طلبار کی ترقی میں قطعاً کوئی ہمدردی نہیں رکھتے؟ اس کے بعد ایک دو مثالیں ایسی پیش کی جاتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوگا۔ کہ جو مسلمان کسی نہ کسی طرح روپیہ خرچ کرکے اور زیر بار ہوکر اعلیٰ تعلیم حاصل کرچکے۔ اور ملازمت کے خواہاں ہوئے۔ تو کس طرح ریاست کے بعض عہدہ داروں نے ان کو ملازمت سے محروم رکھنے کی سکیم بنائی۔

تھوڑے ہی عرصہ کی بات ہے۔ کہ جب ریاست کے کئی تعلیم یافتہ مسلمان ملازمت کے لئے مارے مارے پھر رہے تھے۔ اور ریاست کے عمّال کو ان کی قابلیت اور بیکاری کا علم تھا اور یہ سمجھتے تھے۔ کہ ان کو ملازمت سے محروم کرنے کے لئے قابلیت کا بہانہ بھی کام نہ دے گا۔ تو انہوں نے امتحانی مقابلہ کے لئے ایک بورڈ بنا دیا۔ تاکہ جو امیدوار اس مقابلہ میں کامیاب ہو اسی کو ملازمت میں لیا جائے۔ مسلمان اس مقابلہ کے لئے تیار تھے۔ اور اس بات سے ریاست کے عمّال بھی ناواقف نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے بعض ایسی سخت اور کڑی شرائط عائد کردیں کہ ان قابل اور لائق مسلمان امیدواروں میں سے کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہوسکے۔ جیسے

(۱) عمر کا تعین ۲۱ - ۲۳ کے درمیان رکھا گیا۔

(۲) امتحان میں داخلہ کی فیس ۲۵ روپے مقرر کی گئی۔

اور جہاں فارسی سنسکرت یا ہندی کو لازمی مضمون قرار دیا۔ وہاں عربی کے لئے گنجائش ہی نہ رکھی۔ ان باتوں سے غرض یہ تھی۔ کہ جو مسلمان امیدوار نظر آتے ہیں۔ وہ چونکہ مقررہ عمر سے کچھ زائد عمر کے ہیں۔ اس لئے وہ امتحانی مقابلہ میں آ ہی نہ سکینگے اور پھر غریب ہیں ۲۵ روپے کہاں سے دیں گے۔ اور جس نے عربی ایم۔اے پاس کیا ہے۔ وہ بھی اس مقابلہ میں نہ آسکیگا۔ اب ناظرین خود ہی اندازہ لگا لیں۔ ان شرائط کو قابل سے قابل مسلمان بھی کس طرح سے پورا کر سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منہ دیکھتے ہی رہ گئے۔

(۲) گذشتہ دنوں محکمہ تعمیرات امور عامہ میں اسسٹنٹ انجینئروں کی چار نئی آسامیاں پُر کرنی تھیں جس کیلئے ٹربیون وغیرہ میں اشتہار دیا گیا۔ کہ غیر ریاستی ان کے لئے درخواستیں بھیجیں۔ اس اعلان کے بعد انجمن اسلامیہ جموں اور ینگ مین ایسوسی ایشن نے اس کے متعلق قرار دادیں پاس کر کے حکام کو بھیجیں۔ کہ چونکہ اس محکمہ میں مسلم عنصر بالکل معدوم ہے۔ اس لئے یہ چاروں اسامیاں مسلمان امیدواروں کو دی جائیں۔ اس کے متعلق انہوں نے اعداد و شمار بھی پیش کئے۔ اور بتلایا۔ کہ اس محکمہ میں جس کے ذریعہ لاکھوں روپے ریاست کے خزانہ سے خرچ ہوتے ہیں۔ کوئی بھی مسلمان گزیٹڈ اسامی پر نہیں۔ گزیٹڈ اسامیاں تو کجا صرف چار کے قریب اوورسیر مسلمان ہیں۔ یہی کیوں انجمن اسلامیہ نے اس کے متعلق مختلف حکام کے پاس وفود بھی بھیجے اور ایک دو ذمہ وار افسروں نے وعدہ بھی کیا۔ اس ساری تگ و دو اور وعدوں کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ پچاس کے قریب مسلمانوں کی درخواستیں نظرانداز کرتے ہوئے چاروں کی چاروں اسامیاں ہندوؤں سے پُر کر دی گئیں۔ اور مہاراجہ صاحب بہادر کو یہ کہہ کر منظوری حاصل کر لی کہ یہ سب سے زیادہ قابل ثابت ہوئے ہیں۔ حالانکہ امیدواروں میں بہتر سے بہتر قابل اور سند یافتہ مسلمان موجود تھے۔

ہندوؤں کو آگے بڑھانے اور مسلمانوں کو خارج کر دینے کی مثال

اب ہم دکھلاتے ہیں۔ کہ کس طرح سینئر مسلم ملازموں کے حقوق نظرانداز کر کے جونیئر ہندوؤں

کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ اور جب وہ اس پر احتجاج کریں۔ تو ان پر الزام لگا کر ملازمت سے ہی خارج کر دیا جاتا ہے۔ یہ دردناک مثال انقلاب ہی کے نامہ نگار کے مندرجہ ذیل الفاظ میں پڑھیئے۔ لکھا ہے۔ کہ :-

"حال ہی میں مسٹر ... کے ماتحت محکموں میں چند گزٹیڈ اسامیاں پُر کرتے ہوئے جس طرح مسلم حقوق سے بے پرواہی برتی گئی۔ اس کی داستان قابلِ شنید ہے۔
(۱) انسپکٹر جنرل کسٹم اینڈ اکسائز کی اسامی پر ایک کشمیری پنڈت کو ۱۰۰-۱۲۰۰-۱۵۰۰ روپیہ کے گریڈ میں مقرر کیا گیا۔ (۲) سپرنٹنڈنٹ پریس کی اسامی پر ۳۵۰ تنخواہ پر ایک ہندو ڈوگرے کا تقرر عمل میں آیا۔ (۳) انسپکٹر اینڈ اکسائز کی اسامی پر ۷۰۰-۲۵-۴۰۰ روپیہ کے گریڈ میں ایک ہندو راجپوت کو مقرر کیا گیا۔ (۴) سپرنٹنڈنٹ سٹیشنری جموں کی اسامی پر ایک ایسے ہندو کو لگایا گیا۔ جو اس سے پہلے دو دفعہ غبن کے معاملہ میں معطل ہو چکا ہے۔ (۵) سپرنٹنڈنٹ سرینگر کی اسامی پر ایک کشمیری پنڈت مقرر کیا گیا۔

لطف یہ کہ اگر ان اسامیوں پر اسی محکمہ کے آدمیوں کو ترقی دی جاتی تو آسانی کے ساتھ کہا جا سکتا تھا۔ کہ ان محکمہ جات میں چونکہ کوئی مسلمان موجود نہ تھا۔ اس لئے ان اسامیوں پر ہندو مقرر کئے گئے۔ لیکن ہوا یہ کہ

؎ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا ۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا

کے مصداق دوسرے محکموں سے نہایت قلیل تنخواہ پانے والوں کو تبدیل کر کے ان اسامیوں پر مقرر کیا گیا۔ اور اس پر طرفہ تماشا یہ کہ ابھی یہ آدمی ٹریننگ حاصل کریں گے۔ ہم مسٹر ... سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں۔ کہ اگر دوسرے محکموں ہی سے مختلف آدمی یہاں بھرتی کرنے تھے۔ تو آپ کی نگاہ انتخاب کیوں کسی مسلمان پر نہ پڑی۔ اور کیا مسلمانوں میں ان محکموں کی ٹریننگ حاصل کرنے

کی اہلیت نہ تھی۔ اس کا جواب یقیناً مسٹر . . . کے پاس کچھ نہیں۔ اور سوائے اس کے کہ مسلمان اپنی بدقسمتی پر خون کے آنسو روئیں اور کیا کر سکتے ہیں۔ پچھلے سال جب سپرنٹنڈنٹ سٹیشنری جموں کے عہدہ پر ایک ہندو مقرر کیا گیا۔ تو شیخ غلام قادر نے جو کہ اسی محکمہ میں ایک سینئر اور قابل آدمی تھا۔ اس تقرر کے خلاف اپیل کی صورت میں صدائے احتجاج بلند کی جس پر ایک شور برپا ہو گیا۔ ہندوؤں نے جھوٹے الزام الزام لگا کر مسٹر ویکفیلڈ سے جو اس وقت اس محکمہ کے انچارج تھے۔ اس کو معطل کرایا آخر سات آٹھ ماہ کی تنگ و دو کے بعد مسٹر ویکفیلڈ نے شیخ بچارے کو اپنے پاس بلایا اور حالات دریافت کئے۔ اس نے تمام سازشوں کو اس خوبی سے بے نقاب کیا۔ کہ مسٹر ویکفیلڈ کو اس کی بے گناہی پر یقین آگیا۔ انہوں نے شیخ غلام قادر کی بحالی کے احکام جاری کر دئے۔ اور ان آفیسروں پر جو اس سازش میں شامل تھے۔ جرمانہ کی سزا تجویز کی۔ لیکن بدقسمتی سے ان احکام کے اجراء کے دوسرے دن یہ محکمہ منتقل ہو کر مسٹر . . . کے سپرد ہوا۔ وہ کب گوارا کر سکتے تھے۔ کہ ایک مسلمان اس طرح صاف بچ جائے۔ اور ایک نااہل ہندو کے تقرر کا خواب جسے وہ دیکھ رہے تھے۔ بے تعبیر رہے۔ چنانچہ مسٹر . . . نے مسٹر ویکفیلڈ کے احکام کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس معاملہ کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کر دیا۔ اور اس کمیشن نے جس میں ٹھاکر کرتار سنگھ۔ مسٹر ڈوبے اور خود مسٹر . . . کی ذات شریف شامل تھی۔ شیخ غلام قادر کو ملازمت سے برطرف کر دیا۔ آج وہ غریب سترہ سال کی ملازمت کے بعد نان شبینہ کا محتاج ہے۔ اس طرح ایک ہندو کے لئے سپرنٹنڈنٹ سٹیشنری کی جگہ خالی کی گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (انقلاب ۵۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

اس مختصر سے رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ اس قسم کے دیگر افسوسناک واقعات کا بھی اعادہ کیا جائے۔ اس لئے ہم عمالان ریاست کی سرد مہری اور مسلم آزاری کی طرف

ایک مثال اور نقل کرنے پر ہی اکتفا کریں گے۔ اخبار وکیل امرتسر کے نامہ نگار نے لکھا تھا۔ کہ:

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی امنگوں کو پامال کرنے کی مثال

"قاضی سیف الدین ... مصیبتوں کا مارا ۱۹۱۴ء میں سررشتہ تعلیم میں دس روپیہ کی مدرسی اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ الغرض ۱۹۱۵ء میں مڈل کی تعلیم سے آگے بڑھنا شروع کیا۔ چنانچہ ایک پنڈت کے ساتھ منشی کا امتحان دیا۔ جس میں ہر دو کامیاب ہوئے۔ اس ہندو کو سررشتہ نے بیس روپے دئے۔ اور ۱۹۱۶ء میں قاضی زادے کو نارمل سکول سرینگر میں دس روپے کے وظیفہ پر ہوا خوری کے لئے سری نگر بھیجدیا۔ سیف کو یہیں چھوڑ کر آگے قسمت کا کھیل دیکھیے۔ کہ پنڈت صاحب متذکرۃ الصدر نے امتحان منشی عالم پاس کیا۔ اور سٹیٹ سکول سرینگر میں ایک اسامی کے لئے آدمی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لہذا سررشتہ نے اخباری دنیا میں دھوم مچادی کہ ایک منشی فاضل کی ضرورت ہے جس کو پچاس روپے ماہوار دئے جائیں گے۔ لیکن پنجاب سے کوئی صاحب اس تنخواہ پر نہ آئے۔ اور پنڈت صاحب باوجودیکہ منشی عالم تھے۔ ان کو اسی اسامی پر پینتالیس روپیہ ماہوار پر لگایا گیا۔ اور لکھا گیا۔ کہ منشی فاضل کرنے پر پوری اسامی کی تنخواہ دی جائے گی۔ گو اس وقت ایک مسلمان منشی فاضل تھا۔ اور اس نے اس اسامی کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے تھے۔ لیکن اس کو جگہ نہ ملی۔ کیونکہ وہ مسلمان تھا۔ اب مسٹر سیف بھی نارمل سکول کی ہوا خوری میں پورے اترے۔ اور کامیاب ہوئے۔ لہذا سرینگر سے دور دراز ایک جنگل میں جس کا نام راجوار ہے۔ پندرہ روپیہ پر چالان ہوا۔ باوجودیکہ جنگل۔ سوسائٹی ندارد۔ کتابوں کا انتظام اور استاد ندارد۔ بایں ہمہ یہاں بھی بدقسمتی نے اس کو آرام سے نہ رہنے دیا۔ چنانچہ اسی جنگل میں منشی عالم کیا اور کامیاب ہوا۔

وہی پنڈت منشی فاضل میں شامل ہوئے۔ اور بدقسمتی سے کامیاب نہ ہو سکے۔ اور سنہ ۲۰ء میں ہمارے محترم پنڈت صاحب سُرگباش ہوئے۔ اور قاضی صاحب منشی فاضل میں شامل ہو کر کامیاب ہوئے۔ جس پر سررشتہ نے پُورے چونسٹھ پیسے (ایک روپیہ) کی یکدم ترقی کر دی۔ اور سولہ روپیہ تنخواہ کر دی۔ اب خیال تھا۔ کہ ایک روپیہ ترقی پا کر چپ رہے گا۔ لیکن کہاں؟ ۱۹۲۱ء میں امتحان انٹرنس پاس کیا، سولہ سے بیس روپے دئے گئے۔ مزید ترقی کی خواہش پر ۱۹۲۲ء میں ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ مگر تنخواہ وہی بیس کی بیس رہی۔ اس خدا کے بندے نے ایف اے اور منشی فاضل کر کے بھی زبان نہ ہلائی۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتا تھا۔ کہ ترقی کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہی فرانٹیئر کا مُنہ دیکھنا نصیب ہوگا۔ جیسا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ .... بدنصیبی دیکھئے۔ کہ ۱۹۲۳ء میں یعنی اسی سال اس نے بی اے کی تیاری شروع کی جب شہرہ بلند ہوا۔ کہ مسٹر سیف بی اے کی تیاری کرتا ہے۔ تو آئی شامت اور ایکدم حکم ملا۔ کہ لداخ جاؤ۔ اور اصل تنخواہ پر۔ واقف حضرات ہی جانتے ہیں۔ کہ لداخ چہ معنی دارد؟ بتائیے اب کیا کرے بی اے کیا خاک۔ کیا اس کو یہی امید تھی۔ کیا یہی حوصلہ افزائی ہے جس پر وہ منتظر تھی؟ ہائے افسوس! کیا اب تک اسی حشر کا منتظر تھا؟ اب سُنا گیا ہے۔ کہ چھ ماہ کی رخصت لیکر اپنی قسمت کو رو رہا ہے۔"

(وکیل امرتسر ۲۹ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۵)

ہم اس دلخراش اور تکلیف دہ واقعہ پر کسی قسم کی حاشیہ آرائی کرنا نہیں چاہتے کیونکہ یہ اپنی المناکیوں کی خود تشریح کر رہا ہے۔ اور ناظرین ان سیدھے سادے الفاظ سے خود ہی جان لیں گے۔ کہ ریاست کے بعض ذمہ دار عہدہ دار ہندوؤں کی کتنی نازبرداری کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی ترقی میں کس طرح حائل ہوتے اور ان کی بڑھی ہوئی اُمنگوں اور ولولوں کو اپنے غیر ہمدردانہ طرز عمل سے کچل کے رکھ دیتے ہیں۔ اور محض اس لئے

کہ وہ کہیں ترقی کر کے کسی قابل نہ بن جائیں۔

ہم نہیں سمجھتے۔ کہ اس قسم کے طرزِ عمل اور ذہنیت کے ہوتے ہوئے بھی کس طرح ملاپ وغیرہ مہاسبھائی اخبار یہ لکھنے کی جرأت کر بیٹھتے ہیں۔ کہ مسلمانانِ ریاست کو ہر قسم کی رعائتیں اور سہولتیں حاصل ہیں؟ یہی کیا ان سے بھی کہیں زیادہ دردناک اور زہرہ گداز حالات سُنائے جا سکتے ہیں۔ جن سے بعض عمالانِ ریاست کی ذہنیت کا بدترین نمونہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ ان محدود صفحات میں زیادہ کی گنجائش نہیں۔ اسلئے ان کو دوہرانے سے ہم معذور ہیں۔ مگر مسلمانان کشمیر کی بے بسی کا اندازہ لگانے کے لئے یہ محولہ بالا چند مثالیں بھی کافی سے زیادہ ہیں۔ اور انہی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ وہاں کے مسلمانوں سے اس قسم کا برتاؤ اور روا سلوک ہی ان کی تباہی۔ بربادی اور کس مپرسی کا موجب بنا ہے۔ ورنہ جو قوم بلا کی ذہین۔ علم کا شوق رکھنے والی۔ ترقی کی آرزومند اور کارہائے نمایاں کر کے دکھانے کی امنگیں اور ولولے رکھتی ہو۔ اس کو اگر اٹھایا جائے! اس کی مدد کی جائے۔ اور آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ تو کیوں نہ وہ بھی اپنے ہموطنوں سے بڑھ چڑھ کر ترقی کر دکھائیں۔ ہاں ان کی ترقی اسی لئے رکی پڑی ہے کہ ان کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں۔ ان کو منزل مقصود تک لے جانے والا کوئی نہیں۔ ان کے ولولوں اور آرزوں کو پورا کرنے والا کوئی نہیں۔ ہاں ان کی دماغی اور ذہنی قابلیت کے مخفی جوہر کو اہلِ قدردانی کے ہاتھوں چمکانے والا کوئی نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ دن بدن نیچے ہی نیچے جا رہے ہیں۔ اور ان کی اس گراوٹ کا کسی کو پورا پورا احساس نہیں۔ اور جب وہ بدقسمتی سے اپنی اس ذلت کا احساس کرتے ہیں۔ اور اوپر اُٹھنے اور سربلند ہونے کی خواہش ہی کرتے ہیں۔ تو انہیں سازشی اور باغی کہہ کہہ کر خاموش کرا دیا جاتا ہے۔

مسلمانانِ کشمیر کی بے چینی آئندہ مظالم سے بچنے کی خاطر ہے نہ کہ مہاراج کے خلاف

اب وہ مہاسبھائی جو بے وجہ اپنے ہم مذہبوں کی حمایت کرتے ہیں بتلائیں تو

بھی۔ کیا اس قسم کی سرد مہریوں۔ بے پروائیوں اور غیر ہمدردانہ بلکہ متعصبانہ کارروائیوں کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کے دل دکھی نہ ہوں گے۔ ان کے قلب و جگر پر چوٹ نہ لگے گی جب لگے گی اور ضرور لگے گی۔ تو کیا اگر وہ کسی وقت اپنے ان دکھوں اور جانکاہ صدموں کا برملا اظہار کر بیٹھیں۔ تو انہیں باغی کا ہی خطاب ملنا چاہیئے؟ کیا جو قوم سالہا سال مصیبتوں پر مصیبتیں، سختیوں پر سختیاں، ظلموں پر ظلم برداشت کرتی رہی۔ اور اب وہ ان مصیبتوں سختیوں اور ظلموں سے بیتاب ہو کر یہ خواہش کرتی ہے۔ کہ آئندہ اس پر اس طور کے مظالم نہ توڑے جائیں۔ تو کیا وہ "سازشی" کے لقب ہی سے ملقب کئے جانے کی مستحق ہے؟ ہم نہیں سمجھتے۔ کہ اگر مسلمانانِ کشمیر اس قسم کی چیرہ دستیوں، ستم آرائیوں اور متعصبانہ کارروائیوں کا دروازہ بند کرنے کے لئے جد و جہد کریں۔ تو کس بنا پر انہیں "ریاست کا دشمن" کہا جا سکتا ہے۔ جب انہیں سالہا سال کے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد یقین ہو گیا ہے۔ کہ جب تک حکومت کے کاموں میں مسلم عنصر کافی مقدار میں نہ داخل ہو۔ اس وقت تک ہماری مصائب کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ تو کس طرح ان کی جائز خواہش کو "مسلم راج قائم کرنے کا منصوبہ" بتلایا جا سکتا ہے؟

پس جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کا ریاست کے کاروبار میں اپنی آبادی کی بنا پر حصہ وار ملنے کا مطالبہ اس لئے ہے۔ کہ وہ جموں اور کشمیر میں مسلم راج قائم کریں۔ وہ غلط کہتے ہیں۔ بلکہ ان کا یہ مطالبہ گذشتہ سو سال کے ناگوار واقعات اور تلخ ترین تجربات کی وجہ سے ہے۔

اور مسلمانانِ کشمیر کی طرح ہم بھی علیٰ وجہ البصیرت یہ کہنے پر مجبور ہیں۔ کہ ریاست کے مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔ کہ ان پر بعض ایسے لوگ مسلط رہ چکے ہیں۔ جن کو ان سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ جن کی تکالیف اور مصائب کا کوئی احساس نہ تھا ان کی ترقی اور خوشحالی کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ ان کو اٹھانے اور آگے بڑھانے کی کوئی فکر نہ تھی

انہیں اگر فکر تھی۔ تو اپنی اور اپنے ہم مذہبوں کی۔ ان کو اگر کسی کی ترقی اور خوشحالی کی خواہش تھی تو اپنی اور اپنے ہم قوموں کی۔ خواہ کشمیر کی مسلم رعایا تعلیم حاصل کرے یا نہ کرے۔ انکی تجارت چمکے یا تباہ ہو جائے۔ ان کی صنعت فروغ پائے یا تنزل اختیار کرے۔ ان کی زمینیں ان کے قبضہ میں رہیں یا ریاست کی ملکیت قرار دی جائیں۔ ان کا افلاس گھٹے یا بڑھے۔ ان کے قرضوں میں کمی ہو یا اضافہ۔ ان کی کھیتیاں پھلیں پھولیں یا ماری جائیں۔ وہ طرح طرح کے ٹیکسوں۔ مال گذاریوں۔ اور نذرانوں سے تباہ ہوں یا نہ ہوں۔ ان کو ان باتوں سے چنداں واسطہ ہی نہ تھا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ کشمیر کی مسلم رعایا کی علمی، مالی، اقتصادی، تجارتی اور صنعتی حالت دن بدن بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ اور انہی اسباب نے ان کی مذہبی۔ اخلاقی اور تمدنی حالت پر بھی مہیب اثر ڈالا۔ اور وہ کشمیری جو کبھی ہندوستان کی اکثر قوموں سے زیادہ مہذب۔ زیادہ شائستہ۔ زیادہ مالدار۔ زیادہ عالم۔ زیادہ صناع اور دستکار تھے۔ وہ آج ان تمام اقوام سے کہیں پیچھے رہ گئے ہیں۔ اور کشمیر کی موجودہ نسل کو دیکھ کر مشکل سے ہی یقین آتا ہے۔ کہ کسی زمانہ میں ان کے آباؤ اجداد اپنی دلاوری، ہنرمندی، سلیقہ شعاری، علم اور تہذیب میں اکثر قوموں سے پیش پیش رہنے والے تھے۔

اور یہی وہ بات ہے۔ جس کو مسلمانان کشمیر نے کچھ عرصہ سے محسوس کیا ہے۔ اور گذشتہ واقعات اور انقلابات کا مطالعہ کرتے ہوئے اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ اگر راجگان ریاست شروع ہی میں اس امر کا اہتمام کرتے۔ کہ ان کے تمام عمال ایسے ہوں۔ جو بلاتفریق مذہب و ملت سب سے ہمدردانہ و مربیانہ برتاؤ کریں۔ اور ان کے دکھ میں دکھ۔ اور سکھ میں سکھ محسوس کریں۔ تو آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔ اس لئے اب وہ باصرار اس امر کے خواہاں ہیں۔ کہ آئندہ والئی ملک انہی لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور پکڑائیں۔ جو ان کی رعایا سے مساویانہ سلوک کریں۔ اور ہر قسم کے تعصب۔ جنبہ داری اور رو رعایت کو خیرباد کہہ کر رواداری۔ مسالمت اور مساوات

سے کام لیں۔ اور جو باتیں رعایا کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جارہی ہیں۔ انہیں اپنی مخلصانہ کوششوں سے دور کریں۔ مگر یہ تو جبھی ہوگا۔ کہ حکومت کے کاموں میں ہر اس قوم کے افراد کو لیا جائے۔ جو ریاست میں بود و باش رکھتی ہیں۔ اور جو اشخاص جس قوم سے لئے جائیں۔ وہ اس قوم کی آبادی کے تناسب سے لئے جائیں۔ تاکہ آئندہ کسی فرقہ، جماعت یا قوم کو یہ شکایت کرنے کا موقعہ ہی نہ رہے۔ کہ فلاں قوم اپنے حق اور تناسب سے زیادہ حصہ لے گئی۔

کہا جائے گا۔ کہ یہ باتیں تو انتہائی درجہ کی فرقہ دارانہ ہیں۔ لیکن جو ایسا کہیں گے۔ وہ غلطی کریں گے۔ کیونکہ اگر اس خستہ حال اور پسماندہ قوم کی حفاظت کرنی ضروری ہو۔ اس کو مزید بربادی اور پامالی سے بچانا ہو۔ بلکہ اس کو آئندہ بہتر حالت میں لانے کا ارادہ ہو۔ تو اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس کی قسمت کا محل وہ لوگ تعمیر کریں۔ جو چاہتے ہیں۔ کہ یہ آئندہ ہر ایک آفت اور بلا سے محفوظ رہ کر باقیماندہ زندگی مسرت و خوشحالی میں گذارے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے۔ جبکہ ان کے ہمدردوں کو آگے آنے اور کام کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ لیکن اگر ایسا نہ کیا گیا۔ اور اس تجویز کو فرقہ دارانہ کہہ کہہ کر ہی نظر انداز کر دیا۔ تو یہ یقینی اور قطعی بات ہے۔ کہ یہ قوم آج بھی نہیں اور کل بھی نہیں۔ چہ جائیکہ وہ کبھی ترقی و اقبال مندی سے شادکام بھی ہو سکے۔ خواہ ان کی فوز و فلاح کے لئے مہاراجہ صاحب بہادر بہتر سے بہتر تجاویز اور اعلیٰ سے اعلیٰ سکیمیں بھی کیوں نہ بنائیں۔

پس جہاں یہ ضروری ہے۔ کہ موجودہ مہاراجہ صاحب بہادر سا روشن ضمیر۔ بلند خیال وسیع القلب اور فیاض طبع حکمران ہو۔ وہاں ان کے مشیر اور اہلکار بھی ایسے ہونے چاہئیں۔ جنہیں خدا کی اس ۲۲ لاکھ مخلوق سے کسی قسم کی نفرت۔ پرہیز چھوت چھات اور بیگانگی نہ ہو۔ نہ صرف یہی بلکہ ان سے دلی محبت۔ قلبی اُنس اور حقیقی ہمدردی رکھتے ہوں۔ اور صمیم قلب سے ان کی ترقی، خوشحالی اور اقبالمندی کے آرزومند ہوں۔ اور یہ

ظاہر ہے۔ کہ ایسے افراد اسی قوم سے مل سکتے ہیں۔ جو ستم رسیدہ دُکھی اور خوشحالی کی متمنی ہو۔

ہم یہ نہیں سمجھتے۔ کہ دوسری قوموں میں شریف۔ نیکدل۔ رواداری اور انسانی ہمدردی سے لبریز دل رکھنے والے عنقا صفت ہیں۔ بلکہ ہمارے کہنے کا یہ مطلب ہے۔ کہ ایسے آدمی آسانی کے ساتھ اس قوم سے مل سکتے ہیں۔ جس میں مصیبتوں اور دکھوں سے خلاصی پاکر خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے کا احساس پیدا ہوگیا ہو۔

ممکن ہے کہنے والے کہہ بیٹھیں۔ کہ عمّالانِ ریاست کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے۔ یہ انتہائی بدظنی ہے۔ لیکن جو اشخاص اس قسم کی بات زبان پر لانے کی جرأت کریں گے۔ وہ بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوں گے۔ کیونکہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ اور اس کی تائید میں واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ صفحات میں اپنوں اور بیگانوں کی بہت سی چشمدید اور واقعات پر مبنی شہادتیں نقل بھی کی جاچکی ہیں۔ جن کو پڑھ کر ہر ایک دانا و بینا سمجھ سکتا ہے۔ کہ کشمیر کی ۳۲ لاکھ مسلمان آبادی کس طرح روندی اور پامال کی گئی ہے۔ اور پامال بھی کن کے ہاتھوں؟ انہی کے جو ان کے حاکم اور سرپرست بنائے گئے تھے۔ اور جن پر یہ فرض عائد ہوتا تھا۔ کہ اپنے ماتحتوں کی ترقی و خوشحالی کی راہیں سوچیں۔ ان کی بہتری و بہبودی کی سبیلیں نکالیں۔ ان کو آرام اور آسائش پہنچانے کی نہ صرف سکیمیں بنائیں۔ بلکہ انہیں عمل کا جامہ بھی پہنائیں۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ان میں سے اکثر ان فرائض کی بجا آوری سے قاصر رہے اور یہی وجہ ہے۔ کہ رعایا کے دکھوں اور مصیبتوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اور یہ انہی کی بے پرواہیوں کا نتیجہ ہے۔ کہ آج ریاست کی ۳۲ لاکھ مسلم آبادی چپہ بھر زمین کی مالک نہیں۔ اپنی کاشت کردہ زمین کی پیداوار کسی دوسرے کے ہاتھ خود فروخت کرنے کی مجاز نہیں۔ وہ اپنی زیر استعمال زمین میں اُگے ہوئے کسی درخت کو کاٹ کر اپنے مصرف میں لانے کی

مختار نہیں۔ ہاں اسے اتنا بھی اختیار نہیں۔ کہ بغیر اجازت سرکار کسی بوٹی کو اکھاڑ کر دوائی کے طور پر ہی استعمال میں لا سکے۔ یا اپنی زیر کاشت زمین پر اپنی مرضی سے مکان تک بنا سکے۔ اور نہ ہی اتنی طاقت اور مقدرت رکھتی ہے۔ کہ تعلیم حاصل کرے۔ اور اپنی زوال پذیر تجارت اور صنعت کو فروغ دے سکے۔

ہم نہیں سمجھتے۔ کہ جہاں کی رعایا بیگار یا باصطلاح جدید کار سرکار کی مصیبت میں گرفتار ہو۔ جہاں کی رعایا اپنے دُکھ اور درد کا اظہار نہ کر سکے۔ جہاں کی رعایا کو تحریر اور تقریر کی آزادی نہ ہو۔ جہاں کی رعایا اپنے والی اور حکمران تک بھی اپنی شکایات نہ پہنچا سکے۔ وہاں کے ہر ایک عامل کے متعلق کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ ان کے دلی ہمدرد اور شفیق ہیں؟ کیا یہی ان کی ہمدردی ہے۔ کہ ملک کی صنعت و حرفت تباہ ہو رہی ہے۔ اور وہ اس کا مداوا نہیں سوچتے۔ کیا یہی ان کی شفقت ہے۔ کہ ملکی تجارت روبہ انحطاط ہے۔ اور انہیں اس کا احساس نہیں۔ کیا یہی ان کی خیر خواہی ہے۔ کہ رعایا طرح طرح کے ٹیکسوں اور نذرانوں سے کنگال ہو رہی ہے۔ اور وہ اس کا ازالہ نہیں کرتے۔ کیا یہی انکی ہوا خواہی ہے۔ کہ آج اشرف المخلوقات۔ گھوڑوں۔ بیلوں اور گدھوں کی طرح بیگار یا بالفاظ جدید کار سرکار کے لیئے اِدھر سے اُدھر ہانکی جاتی ہے؟

ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ ریاست کے تمام ہی عہدہ دار اس قسم کی غیر ہمدردانہ ذہنیت رکھتے ہیں۔ نہیں ان میں کئی نیکدل۔ غیر متعصب۔ روادار اور رعایا کی تکالیف کا احساس کرنے والے بھی ہوں گے۔ اور اس امر کے دل سے متمنی ہوں گے۔ کہ کشمیر کی مسلمان رعایا اپنے موجودہ مصائب سے رہائی پائے۔ بلکہ ان کی یہ بھی خواہش ہو گی۔ کہ یہ دن دُونی رات چوگنی ترقی کرے۔

مگر اس جگہ ہمارا روئے سخن صرف انہی لوگوں کی طرف ہے۔ جو تنگدلی سے کام لیتے ہوئے صرف اپنا اور اپنی قوم کا ہی مفاد مدِنظر رکھتے ہیں۔ اور انہیں دوسروں سے چنداں

ہمارردی نہیں۔ خواہ وہ تعداد میں ہزاروں ہوں۔ سینکڑوں ہوں۔ بیسیوں ہوں۔ یا پانچ دس ہی ہوں۔ بہرحال یہ حقیقت اور تلخ حقیقت ہے۔ کہ اگر سب کے سب عامل اور عہدہ دار اپنے فرائض کو سمجھتے۔ اور بلا لحاظ تفریق مذہب وملت ہر ایک قوم سے یکساں برتاؤ کرتے۔ ان سے ہمدردانہ سلوک کرتے۔ اور ان کی شکایات کا ازالہ کرتے ہوئے ان تمام مشکلات اور مصائب کا خاتمہ کر دیتے۔ جن میں کہ لاکھوں آدمی مبتلا رہیں۔ تو آج یہ المناک اور دلفگار حالت دیکھنے میں نہ آتی۔

اور اگر ہمارے سنگھٹنی بھائی موجودہ خرابیوں کی ذمہ واری ان لوگوں پر نہیں ڈالنا چاہتے۔ تو پھر وہی بتائیں۔ آخر اس مصیبت کا ذمہ وار کون ہے؟ کیا خود رعایا؟

مگر یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ کیا خود رعایا نے یہ تجویز کی تھی۔ کہ ریاست کا زیر کاشت رقبہ کاشتکاروں کا نہیں۔ بلکہ ریاست کی ملکیت سمجھا جائے۔ کیا رعایا نے بیگار کی لعنت خود اپنے اوپر وارد کی تھی۔ کیا یہ رعایا نے اجازت دی تھی۔ کہ طرح طرح کے نذرانوں۔ رشوتوں اور ٹیکسوں سے اس کا کچومر نکال دیا جائے۔ کیا رعایا نے یہ رزلیوشن پاس کیا تھا۔ کہ ریاست کی اڑھائی کروڑ سالانہ آمدنی میں سے صرف پندرہ لاکھ روپیہ تعلیمی کاموں پر صرف کیا جائے۔ خواہ وہ خاطر خواہ تعلیم حاصل کر سکے یا نہ؟

مگر دنیا میں کون شخص ہوگا۔ جو ان برائیوں اور خرابیوں کا ذمہ وار رعایا کو ٹھیرائے؟ اگر اس ناگوار صورت حال کے ذمہ وار عہدہ دار نہیں۔ رعایا نہیں۔ تو کیا مہاراجہ صاحب بہادر اس کے ذمہ وار ہیں؟ مگر تمام تر ذمہ واری کس طرح ان پر ڈالی جا سکتی ہے۔ جب کہ اکثر خرابیوں کا آغاز ان سے کہیں پہلے ہو چکا ہے۔ اب ہمارے مہاسبھائی دوست خود ہی بتلائیں کہ اس خرابی کا کون ذمہ وار ہے۔ رعایا تو ہو نہیں سکتی اور مہاراجہ صاحب بہادر پر آپ بھی ذمہ واری ڈالنا پسند نہ کریں گے۔ اب اس کی ذمہ واری عمّال پر عائد نہ ہو تو کس پر ہو؟ اگر ہم نے انہی میں سے بعض کو اس خرابی کا ذمہ وار بتلایا ہے تو کونسی غلطی کی ہے؟

لیکن اگر آپ بعض خاص وجوہات کی بنا پر عمّالانِ ریاست کو ہر قسم کی جوابدہیوں ذمہ داریوں اور اعتراضوں سے بچانا چاہتے ہیں۔ تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ آپ لوگ اپنے اثر اور رسوخ کو کام میں لا کر ان پر زور دیں۔ کہ مسلمانان ریاست کی جسقدر معقول وزن دار اور جائز شکایات ہیں۔ ان کو مہاراجہ صاحب کے حضور پیش کر کے رفع کرا دیں۔ اور اس کے بعد اگر کوئی شخص ان پر اعتراض کر جائے۔ تو ہمارا ذمّہ۔ کیا ہمارے سنگٹھنی بھائیوں کو یہ معقول شرط منظور ہے ؟

اگر منظور ہے۔ تو ہم مسلمانان کشمیر کی شکایات دوہرائے دیتے ہیں۔ آپ انہیں رفع کرا دیں جس سے نہ صرف آپ کے مربّی ہر قسم کے اعتراضوں سے نجات پا جائیں گے۔ بلکہ ۳۲ لاکھ روحیں آپ کو دن رات اپنی دعاؤں میں بھی یاد رکھیں گی۔ اور اگر یہ کہا جائے۔ تو بے جا نہ ہوگا۔ کہ وہ آپ کو اپنا محسن اور منجی بھی سمجھیں گی۔ اب ہم اختصار کو مدّنظر رکھتے ہوئے مسلمانان کشمیر کی وہ شکایات جو واقعی معقول۔ وزن دار اور جائز بھی جا سکتی ہیں۔ نمبروار ذیل میں دوہرائے دیتے ہیں۔ اور ان کے دوہرانے سے پہلے مجیب الدعوات کی درگاہ میں دست بدعا ہوتے ہیں۔ کہ وہ ان مہاسبھائیوں کے سینے کھول دے۔ اور وہ ان جائز اور معقول شکایات کا ازالہ کروانے کے لئے اپنی کوششوں کو کام میں لائیں۔ اور کامیاب ہوں۔ اور اگر ان سے کسی خیر کی توقع نہ ہو۔ تو کم از کم اور جتنے نیک دل۔ انصاف پسند اور بے تعصّب ہندو۔ سکھ۔ عیسائی۔ پارسی اور انگریز اس ملک میں رہتے بستے ہیں۔ یا ان معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں۔ وہی ان شکایات کو حق بجانب سمجھ کر عمّالان ریاست پر اپنا اخلاقی دباؤ ڈالیں۔ اور انہیں انصاف اور انسانیت کا واسطہ دے کر ان کے ازالہ کروانے پر آمادہ کر دیں۔ تاکہ یہ خدا کی بتیس لاکھ خستہ حال اور بے زبان مخلوق انسانیت سے لذّت آشنا ہو ؛

پہلی شکایت

کاروبارِ ریاست میں مسلمانوں کا کوئی قابلِ ذکر حصہ نہیں

مسلمانانِ ریاست کی پہلی شکایت تو یہی ہے (جس کے متعلق گذشتہ صفحات میں اعداد و شمار اور ہندو سیاحوں کی چشم دید شہادتوں کی بنا پر تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے) کہ انہیں حکومت کے کاروبار میں کوئی قابلِ ذکر حصہ نہیں دیا جاتا۔ اور باوجود اس کے کہ ریاست میں انہی کی آبادی زیادہ ہے۔ لگان اور ٹیکس بھی وہی سب سے زیادہ دیتے ہیں ریاست کا خزانہ بھی انہیں کے خون اور پسینہ کی کمائی سے بھرا جاتا ہے۔ ملک کی رونق اور شادابی بھی انہیں کے دم قدم سے ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے بھی حکومت کے کاموں میں ان کا ہاتھ نہیں۔ امورِ سلطنت میں ان کی شرکت ضروری نہیں سمجھی جاتی۔ ملازمتوں میں واجبی حصہ نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ ان کی پسماندگی اور پامالی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں۔ کہ جب تک انہیں بھی دوسری قوموں کی طرح حکومت میں شریک نہ کیا جائے گا۔ ذمہ داری کے کام ان کے سپرد نہ ہوں گے۔ ملازمتوں میں مسلم عنصر کافی تعداد میں داخل نہ کیا جائے گا۔ اس وقت تک ان کی ترقی و خوشحالی کی کوئی امید نہیں۔ اور ان کا یہ خیال بے بنیاد نہیں۔ کیونکہ جب وہ دیکھتے ہیں۔ کہ ریاست میں جن قلیل التعداد قوموں کے افراد صاحبِ اقتدار ہیں۔ ان قوموں کی حالت اچھی ہے اور بہت اچھی ہے۔ وہ صاحبِ علم ہیں۔ مالدار ہیں۔ سکھی اور خوشحال ہیں۔ تو کس طرح وہ اپنی واماندگی اور بدحالی کا سبب یہی نہ بتلائیں۔ وہ یہ نہیں چاہتے۔ کہ ہر قسم کا اقتدار انہی کے ہاتھ میں دیدیا جائے تمام چھوٹے بڑے عہدے ان کے سپرد کر دئے جائیں۔ ہر ایک دفتر اور ادارہ میں انہی کے افراد بھر دئے جائیں۔ بلکہ وہ صرف یہ چاہتے ہیں۔ کہ جس قوم کو جتنا حق پہنچتا ہے اُسے

اتنا ہی دیا جائے۔ اور نہ صرف ہمارے نزدیک بلکہ ہر ایک معقولیت پسند شخص کے نزدیک ان کی یہ شکایت یا مطالبہ اس قابل ہے کہ ریاست اس پر خاص توجہ دے اور جتنی جلدی ممکن ہو۔ اس شکایت کا ازالہ کرکے ان کی بے چینی کو دور کر دے۔ بلکہ ہم تو یہی کہیں گے کہ اگر ریاست ان کے اس جائز اور واجبی مطالبہ کو تسلیم کرلے۔ تو اس سے نہ صرف یہ کہ مسلمان مطمئن ہو جائیں گے۔ ان کی حالت سُدھر جائے گی۔ اور جس قسم ذلت آمیز زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس سے نجات پاکر ملک کی شاندار خدمت بجالانے کے قابل ہو جائیں گے۔ بلکہ اس سے ریاست کے استحکام کو بھی بہت بڑی تقویت پہنچے گی۔ اور آئندہ کسی قسم کی شورش بے چینی اور بد امنی کا اندیشہ نہ رہیگا۔ اور راعی و رعایا کے درمیان پہلے سے کہیں زیادہ محبت و یگانگت کے تعلقات قائم ہو جائیں گے۔

پس اگر ریاست چاہتی ہے۔ کہ ۳۲ لاکھ مسلمان نکبت وادبار سے رہائی پائیں۔ ان کی ذلتوں اور تباہیوں کا خاتمہ ہو۔ ان میں افلاس اور غربت کے باعث جو برائیاں آگئی ہیں۔ وہ دور ہوں۔ ان میں اچھے اخلاق۔ عمدہ اطوار اور پاکیزہ اوصاف پیدا ہوں۔ تو اسکو اس جائز مطالبہ کے پورا کرنے میں قطعاً دیر نہ کرنی چاہیئے۔ اور ہم امید کرتے ہیں۔ کہ ریاست کے ارباب بست وکشاد اس مطالبہ کی معقولیت کو تسلیم کریں گے۔ کیونکہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے اس کی معقولیت برطانوی مدبرین کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔ جیسا کہ احاطہ مدراس کے سابق گورنر اور مشہور انگریز مدبر۔ سرٹامس منرو کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے صاحب موصوف اپنی حکمران قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ :۔

سرٹامس منرو سابق گورنر مدراس کی رعایا کو عہدے دینے کے متعلق رائے

"صرف ہماری کتابیں ہی اکیلی کچھ نہ کرسکیں گی۔ محض لٹریچر سے ہی کسی قوم کے کیریکٹر کی اصلاح نہیں ہوا کرتی اگر کسی قوم کو ترقی یافتہ بنانا ہو۔ تو اس کے لئے تعلیم، مال وزر۔ عزت اور سرکاری

عہدوں کا دروازہ کھل جانا چاہیئے۔ ۔۔۔ مذکورہ بالا اصول صرف ہندوستان ہی نہیں دنیا کی تمام قوموں پر حاوی ہے۔ کل برطانیہ کو کسی دوسرے کے ماتحت ہو جانے دو۔ اس کے تمام باشندوں کو حکومت کے کاموں سے۔ اعزاز پانے سے اور ذمہ داری اور آمدنی والے عہدوں سے محروم ہو جانے دو۔ ان کو ہر حالت میں غیر معتمد سمجھا جانے دو۔ تو ایسی حالت میں ان کا ہر قسم کا مقدس اور مذہبی لٹریچر بھی ایک ہی نسل میں۔ کمینہ۔ دہوکہ باز اور بے ایمان قوم بن جانے سے نہ روک سکے گا۔ اور اگر ہم یہ خیال بھی کریں۔ کہ بغیر کسی ایک ہندوستانی کی امداد کے ہر قسم کے اعلیٰ اور ادنیٰ عہدوں پر یورپینوں کو ہی فائز کر کے حکومت کا ہر ایک کام انجام دے سکیں گے۔ تب بھی ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ایسا کرنا سیاست اور اخلاق دونوں کے نزدیک نامناسب ہے۔ حکومت کے زیادہ سے زیادہ عہدوں پر ہندوستانیوں کا متعین ہونا ہی ہماری حکومت سے ان کو محبت کرنے کا ذریعہ ہے۔ جتنا ہی ہم ان کو ان عہدوں سے الگ کریں گے۔ اتنی ہی ہم سے ان کی محبت گھٹتی جائے گی۔ اور اگر ہم ان کو بالکلیہ ہر قسم کے کاموں سے ہٹا دیں۔ تو انہیں ہم سے محبت کی بجائے نفرت ہو جائے گی۔ پھر ان کے یہ خیالات ساری رعایا اور دیسی فوجیوں میں پھیل جائیں گے۔ اور اتنی بے چینی پیدا کریں گے۔ کہ ان کو دبا دینا ہمارے لئے ناممکن ہو جائے گا۔ اور اگر یہ ممکن ہو۔ کہ وہ خاموشی سے بغیر مخالفت کئے دب جائیں۔ تو حالت اور بھی زیادہ بری ہوگی۔ کیونکہ اس حالت میں ان کا کیریکٹر اور بھی تباہ ہو جائے گا۔ اور وہ زیادہ نیچے گر جائیں گے۔ وہ سرکاری عہدوں اور حکومت کے اعزاز اور دوسری تمام قابلِ تعریف خواہشات کو بیٹھینگے اور ایک شکست۔ ذلیل اور اعلیٰ مقاصد اور بہترین نصب العین رکھنے کے ناقابل قوم کے ڈھانچہ میں ڈھل جائیں گے۔ لیکن بجائے اس کے کہ ہمارا

نظامِ حکومت (کہ اپنی ہی قوم کو تمام عہدوں پر مامور کیا جائے اور دوسروں کو محروم رکھا جائے) ایک قوم کی قوم کو اس طرح تباہ کر دے یہ زیادہ اچھا ہوگا کہ ہم ہندوستان سے بالکل ہی نکال باھر کر دئے جائیں "

(منقول از " برٹش بھارت کا آرتھک انہاس " ص ۸۱)

یہ اس قوم کے ایک فرد کا اپنی قوم کو مشورہ ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ اس کو ہندوستانیوں سے چنداں ہمدردی نہیں۔ لیکن جب ایسی قوم جو بالکل اجنبی اور غیر ملکی ہے۔ اپنی رعایا کے متعلق ایسے پاکیزہ خیالات، اتنی نیک خواہشات اور ایسے شریفانہ جذبات کا اظہار کرتے ہوئے انہیں عملی جامہ پہنانا ضروری سمجھتی ہے تو کیا مہاراجہ صاحب بہادر ان کے مصاحبین اور ریاست کے دوسرے ذمہ وار حاکم اپنے ہی ہموطنوں۔ نزدیکیوں اور ایک ہی گوشت اور پوست سے بنے ہوئے کشمیریوں کو اٹھانے اور انہیں با اخلاق۔ خوشحال اور ترقی یافتہ بنانے کی خاطر یہ نہ کریں گے۔ کہ آئندہ کاروبارِ حکومت میں ان کو بھی واجبی حصہ دیں۔ تاکہ اس سے جہاں ان کی حالت سنورے۔ با اخلاق بنیں۔ اچھے شہری اور ملک کے لئے کار آمد اور مفید وجود ثابت ہوں۔ وہاں خود ریاست کی ترقی۔ خوشحالی اور استحکام کا بھی موجب بنیں۔ ہمیں توقع ہے۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کا یہ مطالبہ ضرور پورا کیا جائیگا

دوسری شکایت

مسلمانانِ کشمیر کی تعلیم پر پوری توجہ نہیں دیجاتی

مسلمانانِ کشمیر کی دوسری شکایت یہ ہے۔ کہ ریاست کی طرف سے ہماری تعلیم کا خاطر خواہ

انتظام نہیں کیا جاتا۔ اور اس کام کے لئے جو توجہ، جو کوشش، جتنا روپیہ اور وقت صرف کرنا چاہیئے۔ اس کا عشر عشیر بھی صرف نہیں کیا جاتا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ رعایا کا کثیر حصہ تعلیم جیسی نعمت سے محروم رہنے کے باعث ہر قسم کی ترقی سے محروم ہے۔ حالانکہ بقول

شکیھ سمپتی رائے

"تعلیم ہی ملک کی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے"

اور یہی وجہ ہے۔ کہ:۔ "دوسرے ملک اپنے باشندوں کو تعلیمیافتہ بنانے کے لئے کس قدر (زیادہ) کوشش کر رہے ہیں۔ امریکہ میں گورنمنٹ کی طرف سے سکولوں میں ہی نہیں بلکہ کالجوں میں (بھی) مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ وہاں کا اصول ہے کہ رعایا کو ہر طرح سے مکمل تعلیم دینا سوسائٹی اور گورنمنٹ کا فرض ہے" (بھارت ورشن صہ ۱۵۵ و ۱۶۵)

لیکن یہاں تعلیم کی جو اہمیت سمجھی گئی ہے۔ وہ اسی سے ظاہر ہے۔ کہ بقول

لالہ بنارسی لال جی بجاج

"کشمیر اور جموں ریاست کی اڑھائی کروڑ روپوں کی آمدنی میں سے ۱۵ لاکھ روپیہ تعلیم کے لئے خرچ ہوتا ہے" (رسالہ تیاگ بھومی ۳ صہ ۵۳)

اور پھر لطف یہ کہ ان ۱۵ لاکھ کا بھی زیادہ فائدہ غیر مسلموں کو ہی پہنچتا ہے۔ محکمہ تعلیم کے ہیڈ کے علاوہ اکثر عملہ غیر مسلم ہے۔ تعلیمی انسپکٹر زیادہ تر غیر مسلم ہیں۔ پروفیسر ماسٹر اور مدرس زیادہ تر غیر مسلم ہیں۔ اور کالجوں اور سکولوں کے طالب علم زیادہ تر غیر مسلم ہیں۔ ہاں وظائف اور امداد پانے والے طالب علم زیادہ تر غیر مسلم ہیں۔ اگر ان حالات کو دیکھتے ہوئے مسلمانان کشمیر شکایت کریں۔ تو اسے کس طرح بے جا کہا جا سکتا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ موجودہ مہاراجہ صاحب بہادر کے عہد میں بعض جگہ نئے سکول کھلے ہیں۔ وظائف میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ مگر اس معمولی ترقی سے سالہا سال کی پچھیڑی ہوئی

جاتی کا اُدھار کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور اس شست رفتاری سے ۳۲ لاکھ مسلمانوں کی پسماندہ قوم کس طرح جلد جلد ترقی کر کے دوسری ترقی یافتہ قوموں کی برابری کر سکتی ہے؟ کہنے والے کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ جب خود مسلمانان کشمیر کو ہی تعلیم حاصل کرنے کا شوق نہیں تو اس میں ریاست کا کیا قصور؟ مگر ان کا جواب ریاست کے سر سے وہ ذمہ واریاں نہیں ہٹا سکتا۔ جو اس بارہ میں اس پر عائد ہوتی ہیں۔ اوّل تو یہ بات ہی غلط ہے۔ کہ مسلمانوں کو تعلیم کا شوق نہیں۔ لیکن اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیں۔ کہ خود مسلمان ہی تعلیم کیطرف متوجہ نہیں ہوتے۔ تو کیا اتنی بات سے ریاست بری الذمہ ہو جائے گی۔ ہم کہتے ہیں۔ اگر تعلیم کی طرف مسلمانوں کو توجہ نہیں۔ تو ریاست کا فرض ہے۔ کہ ان کی اس عدم توجہی کے اسباب معلوم کرے اور ان بواعث کا پتہ لگائے۔ جو اس ضروری چیز سے انہیں محروم کرنے کا باعث ہو رہے ہیں۔ اور جب بواعث معلوم ہو جائیں۔ تو ان کے رفع کرنے کی کوشش کرے۔ اور ان کو تعلیم کی خوبیوں سے آگاہ کر کے اس کی طرف راغب کرے۔ اس بارہ میں جو وسیع واقفیت اہلکاران ریاست حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ ہمیں تو حاصل نہیں ہو سکتی مگر پھر بھی ہم اس مفروضہ عدم توجہ کی تین چار وجوہ بتا سکتے ہیں۔ اگر فی الحال انہی کو مدنظر رکھ کر کام شروع کیا جائے۔ تو ہم امید کرتے ہیں۔ کہ جو لوگ تعلیم کی طرف راغب نہیں ہوتے وہی لوگ دیوانہ وار اس کے حصول کے آرزومند نظر آئیں گے۔ اس عدم توجہی کی

پہلی وجہ تو یہ ہے۔ کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں یہ کام دیا ہوا ہے۔ ان میں سے بعض اس میں حقیقی دلچسپی نہیں لیتے۔ اگر وہ یہ عزم کر کے اٹھیں۔ کہ مہاراجہ صاحب بہادر کی ۳۲ لاکھ مسلمان رعایا کو علم کی روشنی سے منور کر کے رہیں گے۔ تو قلیل ترین عرصہ میں ہی کشمیری تعلیم میں تعجب خیز ترقی کر جائیں۔ لیکن چونکہ ایسا نہیں کیا جاتا۔ اس لئے تعلیم میں خاطر خواہ ترقی نہیں ہو رہی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ محکمہ تعلیم میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو دوسروں کو شوق

دلانے کی بجائے ان کی ہمتیں پست کر دیتے ہیں۔ اگر یہ محکمہ ایسے لوگوں سے پاک کر دیا جائے تو بہت کچھ مفید ہو سکتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ خود ریاست ہی اس کام کی طرف پوری پوری توجہ نہیں دیتی۔ اس کام پر جتنا روپیہ خرچ کرنا چاہیئے۔ وہ خرچ نہیں کرتی۔ جہاں جہاں سے سکولوں کے لئے درخواستیں آتی ہیں۔ وہاں وہاں بھی سکول قائم نہیں کئے جاتے جو لوگ عرضیوں پر عرضیاں دیتے ہیں۔ مکان بلا کرایہ دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔ افسروں کے پاس جاتے ہیں زور دیتے ہیں۔ پھر بھی اکثر اوقات ان کی نہیں سُنی جاتی۔ بلکہ ہم نے تو یہاں تک سُنا اور پڑھا ہے۔ کہ بعض اوقات جہاں مدرسے قائم تھے اور تعلیم کا سلسلہ جاری تھا۔ وہاں سے بھی ہٹائے گئے۔ جس کی بہت سے مثالوں میں سے تین چار مثالیں سنائے دیتے ہیں۔

پہلی مثال "نوگام شاہ آباد میں تقریباً اڑہائی سو سے زیادہ گھر آباد ہیں وہاں کے باشندوں نے ایک مدرسہ کے لئے بہت سی درخواستیں پیش کیں۔ اور بہت واویلا کیا۔ اِدھر اُدھر کم و بیش مدارس جاری ہوگئے لیکن نوگام میں تو ویکنسی کا دور دورہ ہی رہا۔ اب جبکہ سمت ۱۹۸۱ میں چند جدید مدارس کے لئے نقشہ جات محکمہ مال میں آئے۔ تو یہاں کے لوگوں نے بذریعہ نائب تحصیلدار ایک نقشہ کی خانہ پُری کی۔ اور اس میں یہ بھی اقرار کیا۔ کہ ہم ایک مکان معہ صحن بسر دست بلا کرایہ دیں گے۔ ان لوگوں میں سے کئی ایک نے اسسٹنٹ انسپکٹر اور انسپکٹر کی خدمت میں ویری ناگ حاضر ہو کر بہت کچھ عرض معروض کیا۔ اس پر صاحب موصوف نے اطمینان بھی دلایا۔ کہ تمہاری درخواستیں آئی ہوئی ہیں۔ لیکن اس کے بعد صدلئے برنخواست"

یہ واقعہ لکھنے کے بعد کشمیری نامہ نگار لکھتا ہے۔ کہ:۔

"تعجب ہے۔ کہ جب مہاراجہ صاحب بہادر اور سر مہاراجہ صاحب ہم لوگوں کو

دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور فی الواقعہ بغیر تعلیم کے ہم بالکل حیوان ہیں۔ تو نمکخواران سرکار (ملازمین) خواہشمند رعایا کو باوجود ہر قسم کی شرائط ماننے کے تکلیف دے رہے ہیں۔"

(اخبار کشمیری ۲۱- جنوری ۲۵ء صفحہ ۸)

دوسری مثال "(موضع) ہردو شیوہ بلحاظ آبادی اور مالگذاری تمام زیر بنہ گیر میں امتیازی درجہ رکھتا ہے۔ . . . . اس موضع میں سرکاری پرائمری سکول کی اشد ضرورت ہے۔ اگرچہ اس موضع کے قرب و جوار میں سرکار کی عنایت سے ایک دو پرائمری سکول نظر آرہے ہیں۔ لیکن موسم سرما اور برسات میں جبکہ ندی نالے اور نالے ناقابل عبور ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے ان میں تعلیم کے لئے جانا ازحد خطرناک ہوتا ہے۔ جہاں تک میرا یقین ہے۔ باشندگان دیہہ اور ذیلدار صاحب نے جو خوش قسمتی سے یہیں کے باشندے ہیں۔ افسران مال سے افتتاح مدرسہ کے واسطے متعدد دفعہ پُرزور سفارشیں کرائیں۔ لیکن بدقسمتی سے تاحال وہ کسی حد تک بارآور نہیں ہوئیں۔"

(ایضاً صفحہ ۹)

یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ان ہر دو جگہ سال دو سال یا اس کے بعد ریاست نے مدرسے قائم کر دئے ہوں جن کا ہمیں علم نہیں۔ مگر ان مثالوں سے تو ہم نے یہ دکھانا ہے۔ کہ کس طرح رعایا مدارس کے لئے زور دیتی ہے۔ درخواستیں کرتی ہے۔ سفارشیں کرواتی ہے۔ افسروں کے پاس وفد بھیجتی ہے۔ مکان وغیرہ کی امداد بھی پیش کرتی ہے مگر ان کی اس ابھرتی ہوئی امنگ اور بڑھتے ہوئے شوق کو افسران مجاز کی سرد مہری اور سہل انگاری مٹی میں ملا دیتی ہے۔ اب ناظرین خود ہی قیاس فرمالیں۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے کس طرح یہ کہنا حق بجانب ہو سکتا ہے۔ کہ ریاست تو چاہتی ہے کہ لوگ تعلیم حاصل کریں۔ مگر وہاں کی رعایا خود ہی تعلیم کا ذوق نہیں رکھتی۔

اب ہم ایک مثال اس قسم کی بتاتے ہیں۔ کہ جہاں جہاں مدرسے قائم تھے بعض اوقات

وہاں سے ہی ہٹائے جاتے ہیں۔ نامہ نگار اخبار کشمیری نے لکھا تھا۔ کہ :-

تیسری مثال " تحصیل اونتی پورہ میں چار مدارس ان مواضعات میں ہیں جہاں خالص مسلمانوں کی آبادی ہے۔ ان مواضعات کے نام حسب ذیل ہیں۔ دربہ گام۔ راتھوہ۔ دیارو۔ ترتنی پورہ۔ ان مواضعات میں پرائمری مدارس ہیں۔ اور پڑھنے والے بچے سب مسلمان ہیں۔ اس لئے کہ یہاں کی آبادی ہی مسلمانوں کی ہے۔ ہمارے مہربان دیہاتی مسلمانوں کو لکھتے پڑھتے دیکھنا کس طرح گوارا کر سکتے۔ اور پھر یہ ظلم کہ (ان) مدارس میں سب مسلمان ہی مسلمان۔ یہ دونوں باتیں سینہ میں چھید اور دل کو زخمی کر دینے کے لئے کافی تھیں۔ چنانچہ اسسٹنٹ صاحب حصہ جنوبی نے ان وجوہات کی بنا پر جن کا پبلک کو کوئی علم نہیں ہے۔ ان چاروں سکولوں کو یہاں سے اٹھوا دیا۔ اور دو مدارس ان مواضعات میں قائم کئے ہیں۔ جہاں ہمارے بھائی پنڈت صاحبان کی آبادی ہے "

(اخبار کشمیری ۲۸ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ۱)

ہم یہ نہیں کہتے کہ ماتحت عملہ سے اس قسم کی جو حرکات سرزد ہوتی ہیں۔ وہ والیٔ ملک کے ایما سے ہوتی ہیں۔ نہیں۔ بلکہ ہم یہ بتا رہے ہیں۔ کہ مسلمانان ریاست کے اندر تعلیمی ذوق پیدا نہیں ہوگا۔ جبکہ محکمہ تعلیم میں اس قسم کے غیر ہمدرد کارکنوں کی بجائے وہ لوگ کام کرینگے جو کہ دل سے اس امر کے خواہاں ہوں۔ کہ رعایا کا ایک ایک فرد تعلیم سے بہرہ ور ہو۔ اور اس کے لئے لوگوں کو شوق دلائیں۔ ان کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں۔ لیکن جب تک اس قسم کے لوگ اس محکمہ کی باگ ڈور سنبھالے رہیں گے۔ جو محض اپنے ہم مذہبوں کی تعلیم اور سہولیت کی خاطر دوسروں کو علم سے محروم کر دینا معیوب نہ سمجھیں۔ اس وقت تک کشمیر میں علم کی روشنی نہیں پھیل سکتی۔

چوتھی مثال یہ تین مثالیں تو محکمہ تعلیم کے ماتحت عملہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

اب ایک سابق حاکم اعلیٰ کی ذہنیت بھی ملاحظہ ہو۔ ۱۹۲۵ء میں ہوم ممبری کے علاوہ تعلیم کا محکمہ بھی مسٹر اے ڈی حکیم کے ماتحت تھا۔ جب آپ دورہ کرتے ہوئے "سوپور" تشریف لائے۔ اور باشندگان سوپور نے مڈل سکول کو ہائی سکول بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ "انٹرنس پاس کرکے مچھلیاں بیچا کروگے"۔ (کشمیری ۲۸ جنوری ۱۹۲۵ء)

اس جواب کو پڑھ کر ناظرین خود ہی اندازہ لگائیں۔ ریاست کے ذمہ وار احکام کو رعایا کی تعلیم کا کس قدر خیال ہے۔ اور وہ کس طرح اس کی "حوصلہ افزائی" کر کرکے تعلیم کو عام بنا رہے ہیں۔

چوتھی وجہ مسلمانوں کی مفلسی بھی ہے۔ اگر ریاست اس طرف بھی توجہ کرے۔ اور اس روک کو دور کردے۔ تو بہت جلد تعلیم عام ہوسکتی ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے۔ کہ بہت سے مسلمان حالات پر نظر رکھتے ہوئے یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اگر اپنا اثاثہ خرچ کرنے کے بعد ہم پڑھ بھی گئے۔ تو پھر بھی ہمیں کونسی ڈپٹی کلکٹری یا کلرکی مل جاتی ہے۔ جب زیر بار ہونے کے بعد بھی حبیب جو تمال اور مراد بٹ بیگاری ہی بنے رہنا ہے۔ تو پڑھنے کا فائدہ ہی کیا؟ اور ہمارے نزدیک اگر وہاں کی اکثریت کو یقین ہو جائے کہ سرکاری ملازمتوں کے دروازے ہمارے لئے بھی کھلے ہیں۔ اور ہم ترقی کرتے ہوئے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں اور اہم سے اہم ذمہ داری کے کاموں پر بھی فائز ہو سکتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں وہ اپنا سب کچھ بیچ کر اور پیٹ پر پتھر باندھ کر بھی اس میدان میں گامزن ہونے پر تیار ہو جائیں گے۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر ریاست اس امر کی دل سے متمنی ہے۔ کہ مسلمان بھی علم کی طرف راغب ہوں۔ اور جس طرح دوسری قومیں اس شعبہ میں ترقی کر رہی ہیں۔ وہ بھی اپنی خداداد ذہانت کے جوہر دکھائیں۔ تو اس کا فرض ہے۔ کہ حکومت کے کاروبار میں مسلمانوں کو بھی زیادہ سے زیادہ حصہ دے۔ اور ان پر اعتماد کرتی ہوئی اہم سے اہم اور ذمہ واری کے عہدوں پر انہیں فائز کرے۔ اور یہ صرف ہمارا ہی خیال نہیں بلکہ مشہور مدبر انگریز

سر ٹامس منرو بھی یہی فرما چکے ہیں۔ ہاں وہ اپنے زمانہ کے بعض مہا سبھائی ذہنیت رکھنے والے انگریزوں کے خیالات پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ :-

"وہ لوگ تجویز کرتے ہیں۔ کہ ہندوستانی قابل اعتماد نہ سمجھے جائیں۔ ان کو اختیارات تفویض نہ کئے جائیں۔ اور حتی الامکان انہیں ہر ایک عہدہ سے الگ رکھا جائے۔ مگر ساتھ ہی یہ لوگ ہندوستانیوں میں تعلیم پھیلا کر ان کی اصلاح کرنے کے بڑے شائق ہیں۔ مگر اس سے زیادہ گمراہ کُن خیال زیادہ سے زیادہ جہالت کے زمانہ میں بھی نہ پیدا ہُوا ہوگا۔ کیونکہ کسی زمانہ اور کسی ملک میں شہرت، مال اور اقتدار حاصل کرنے کی خواہش کے علاوہ تعلیم پانے کے لئے لوگوں کو آمادہ کرنے والی اور کوئی دوسری چیز نہیں رہی۔ اور اگر لیاقت کا عُمدگی سے استعمال نہ کیا جائے۔ اگر تعلیم یافتہ لوگوں کو ان کی لیاقت کے مطابق حکومت کے کاموں اور مختلف عہدوں پر متعین نہ کیا جائے۔ تو پھر تعلیم حاصل کرنے سے فائدہ ہی کیا؟" (برٹش بھارت کا آرتھک اتہاس ص۷-۹)

اس بے توجہی یا سرد مہری کے اور بھی کئی اسباب ہوں گے۔ لیکن اگر فی الحال ریاست انہی کو مدنظر رکھ کر کام شروع کرے۔ تو خدا کے فضل سے جلد ہی ایک ایک گھر علم کی روشنی سے منوّر ہو سکتا ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں۔ یہ تبھی ہو گا۔ جبکہ اس قسم کے کاموں پر مسلمان کارکنوں کو لگایا جائے۔ کیونکہ جو درد اور تڑپ اس کام کے متعلق انہیں ہو سکتی ہے وہ دوسروں کو قطعاً نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ سالہا سال کے تجربہ نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ جب تک مسلمانوں کی اصلاح۔ فلاح اور ترقی کا کام مسلمانوں کے سپرد نہ کیا جائے گا۔ اس وقت تک کامیابی ناممکن اور محال ہے۔ لہٰذا اگر ریاست مسلمانانِ ریاست کی شکایات کا ازالہ کرنے پر تیار ہے۔ تو ان کی اس شکایت کو بھی رفع کرے۔ اور جن ذرائع کو بھی عمل میں

اگر ان بے علموں مگر علم کے پیاسوں کو اس سے شاد کام کیا جاسکے۔ وہ ذرائع جلد سے جلد عمل میں لائے جائیں۔

تیسری شکایت

بڑھتی ہوئی بیکاری اور افلاس کو دور کرنے سے لاپرواہی

ریاست کی مسلم آبادی عام طور پر غریب ہے مفلس اور قلاش ہے۔ اور اس کی غربت افلاس اور قلاشی دن بدن ترقی پر ہے۔ اور اس مفلسی اور غربت کی وجہ سے ہی وہ ہر قسم کی ترقی سے دُور جا پڑی ہے۔ تعلیم سے محروم ہے۔ تجارت میں ناکام ہے صنعت و حرفت سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے۔ اور یہ مفلسی اور قلاشی کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ اس کا جذبۂ خودداری مٹتا چلا جا رہا ہے۔ اعلیٰ اخلاق سے بیگانہ ہو رہی ہے۔ بد اخلاقی اور بُری خصلتیں اس میں پیدا ہونے لگ گئی ہیں۔ اس کا کیرکٹر بگڑنا شروع ہوگیا ہے۔ بلکہ اس کی مذہبی اور رُوحانی حالت میں بھی کمزوری کے آثار نمایاں ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس غربت اور مفلسی کے ہاتھوں تنگ آکر ہی اس بہشت ثانی کے بہت سے مکین اسکو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر دوسرے علاقوں میں نقل مکان کر گئے ہیں۔ اور جو اس سورگ بھومی کو ہمیشہ کے لئے نہیں تیاگ سکتے وہ بھی ہر سال گرم ملکوں میں اپنی اور اپنے تڑپتے بلکتے بیوی بچوں کی پیٹ پوجا کی خاطر بلکہ ساتھ ہی سرکاری مالگذاری کے ادا کرنے کی خاطر مارے مارے پھرتے نظر آتے ہیں۔ دن کو مزدوری کرکے اور رات کو بھیک مانگ کر گذارہ کرتے ہیں۔ روکھی سُوکھی کھا کر کھلے میدانوں اور دکانوں کے تختوں پر سو کر غریب الوطنی کی صعب ناک راتیں گذار دیتے ہیں۔ اور جو رقم محنت مزدوری سے پس انداز ہوتی ہے۔ وہ گھر والوں کو بھیج دیتے ہیں۔ تاکہ اس سے جہاں ان کے بیوی بچے فاقہ مستی

کے عذاب سے مخلصی پائیں۔ وہاں سرکاری پیادے بھی مالگذاری وصول کرنے کے بعد ان کا پیچھا چھوڑیں۔

اور یہی وہ دردناک اور زہرہ گداز حالات ہیں جن کو سن یا دیکھ کر کلیجہ مُنہ کو آتا ہے بلکہ وہ عشرت پسند اور بے فکرے جو ہر قسم کی فکروں سے آزاد ہو کر کشمیر سیر و سیاحت کیلئے جاتے ہیں۔ وہ بھی ان لوگوں کی غمناک اور روح فرسا حالت دیکھ کر مغموم و متاسف ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ مگر مسلمانان ریاست کو افسوس ہی نہیں بلکہ شکایت ہے۔ کہ ان کی یہ دُردشا دیکھ کر بھی وہ لوگ اس کے دفعیہ کی کوشش نہیں کرتے۔ جو مہاراجہ صاحب بہادر کی طرف سے رعایا کے آرام اور آسائش کے لئے مامور ہیں۔ اور جن کا فرض ہے کہ وہ رعایا کو تکلیف میں دیکھیں۔ تو اس سے نجات دلانے کی کوشش کریں۔

رعایا کہتی ہے۔ کہ چونکہ حکومت ہی کی سرد مہری اور عدم توجہی سے ہماری تجارت کو دھکا لگا۔ دستکاری مدھم ہو گئی۔ صنعت کو زوال آگیا۔ زراعت ناکافی ثابت ہوئی۔ ملازمتوں کے دروازے بند ہیں۔ محنت مزدوری کے لئے کوئی کام نظر نہیں آتا۔ اس لئے غربت اور افلاس نے ہمیں گھیر لیا ہے۔ اس لئے حکومت وقت کا فرض ہے۔ کہ وہ ہمارے لئے کام مہیا کرے اور بصورت دیگر ہماری روٹی کا بندوبست کرے۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ ہمارے ہندو مہا سبھائی دوست بھی مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی معقولیت سے انکار نہ کرینگے کیونکہ آج سے کچھ سال قبل وہ خود بھی مہاراجہ صاحب کشمیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ چکے ہیں کہ:-

کشمیریوں کے مطالبہ کی تائید اخبار ملاپ نے بھی کی

حکومت کشمیر کا فرض ہے۔ کہ یا تو بیکار رعایا کو کسی کام پر تعینات کرے۔ ورنہ اخراجات کا انتظام کرے۔ چنانچہ اس فرض کی تائید برطانیہ کا ایک خاص مدبر۔ وزیر اعظم مسٹر میکڈانلڈ۔ ان الفاظ میں کرتا ہے۔ کہ اگر کسی رعایا کے آدمی کو باوجود تلاش روزگار کامیابی نہ ہو۔ تو وہ سرکار سے مطالبہ کر سکتا ہے۔

کہ مجھے یا تو کسی کام پر تعینات کیا جاوے بصورت دیگر میرے گذر اوقات کے لئے مالی امداد بہم پہنچائی جائے" (اخبار ہاب ۱۶- جون ۲۲ء صـ)

لیکن چونکہ مہا سبھائی دوستوں کے اس مشورہ کو بھی ابھی تک ریاست نے قبول نہیں کیا اس لئے چار و ناچار وہی بات دوہرانی پڑے گی۔ کہ حکام بالا کو اپنی غریب و لاچار رعایا کی مصیبت اور تکالیف کا چنداں احساس نہیں۔ اور ریاست کا موجودہ انتظام کافی اصلاح کا محتاج ہے۔ اور اس امر کا مقتضی ہے۔ کہ اس کو چلانے والے وہ لوگ ہوں۔ جو والیٔ ریاست کی طرح دوسروں کی تکالیف محسوس کریں۔ اور ان کو ان تکالیف سے رہائی دلائیں۔

کہا جائے گا۔ کہ ریاست لوگوں کے لئے کہاں سے کام مہیا کرے۔ اس کے پاس کون سے ذرائع ہیں۔ جن کو وہ کام میں لاتی ہوئی ان کے افلاس کو دور کرے۔ ہم کہتے ہیں۔ جو حکومت رعایا کے لئے کام مہیا نہیں کر سکتی۔ اس کے افلاس اور بدحالی کو دور کرنے کے ذرائع نہیں نکال سکتی۔ وہ حکومت کہلانے کی مستحق ہی نہیں۔ کیونکہ جب ہر ایک حکومت کا فرض ہے۔ کہ وہ رعایا کو سکھی اور خوشحال بنائے۔ اس کے کشٹ کو دور کرے۔ انکی ضروریات پوری کرے۔ تو ایسی حالت میں کسطرح کشمیر گورنمنٹ اپنے اس فرض سے سبکدوش ہو سکتی ہے۔ جب رعایا سے مالیہ لینے کی حقدار ہے۔ تو اس کے مقابل رعایا بھی یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتی ہے۔ کہ وہ جتنا روپیہ اس سے وصول کرتی ہے۔ وہ اس کی بہتری اور بہبودی میں صرف کرے۔ اور چونکہ اس وقت کشمیر کی غریب رعایا بیکاری میں مبتلا ہے افلاس نے اُسے گھیر رکھا ہے۔ ہر ایک دیکھنے والا اس پر ترس کھاتا ہے۔ اس لئے وہ لوگ جو مہاراجہ صاحب بہادر کی طرف سے رعایا کے گارڈین ہیں۔ ان پر واجب ہے۔ کہ اس کی بیکاری دور کریں اس کے لئے کام مہیا کریں۔ اور ایسے وسائل اختیار کریں۔ جن سے کہ وہ باعزت زندگی بسر کر سکیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر عمائدین ریاست تھوڑی سی بھی توجہ اس طرف مبذول فرمائیں۔ تو یہی رعایا جو بیکاری کے ہاتھوں نالاں ہے۔ آج مالا مال

ہو سکتی ہے۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔ اس کے لئے دل میں ایک درد خلش بے چینی اور انتہائی ہمدردی کا جذبہ ہونا ضروری ہے۔ مگر چونکہ اسی کا فقدان ہے۔ اس لئے مہاراجہ صاحب بہادر کی پاکیزہ خواہشات۔ رعایا کا واویلا اور بیرونی لوگوں کا اظہار رنج بھی کوئی مفید نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا۔

اگر ان لوگوں میں اپنی غریب رعایا کی آسائش کا خیال ہوتا۔ اس کو خوشحال بنانے کی خواہش ہوتی۔ تو خود ریاست کے اندر ہی بہت سے کام معمولی توجہ اور تھوڑے سرمایہ سے جاری کئے جا سکتے تھے۔ جن سے نہ صرف رعایا کے گذارہ کی صورت نکل آتی۔ بلکہ ریاست کی آمدنی اور رونق میں بھی اضافہ ہو جاتا۔

کیونکہ کشمیر ایک ایسا ملک ہے۔ جس کو قدرت نے بیش بہا چیزیں عطا کر رکھی ہیں لیکن چونکہ وہ ابھی عام نظروں سے اوجھل اور مخفی ہیں۔ اس لئے اس ملک کے لوگوں کو پیٹ پالنے کے لئے دوسرے علاقوں میں جانا اور دربدر ہونا پڑتا ہے۔ اگر ذمہ وار حکام ان مخفی خزانوں کو تلاش کرنے کے بعد نکالیں۔ تو یہی کشمیری جو آج دوسروں کے دروازہ پر جا کر طالب امداد ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس قسم کی ذلت اور پریشانی سے بچ جائیں۔

اس میں شک نہیں کہ کبھی ریاست نے اس طرف توجہ کی تھی۔ بعض کانیں بھی دریافت کیں۔ اور غالباً کوئی سکیم بھی تیار ہوئی تھی۔ مگر چونکہ اس کے بعد اس کی طرف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ اس لئے وادی کشمیر اور جموں کی غریب رعایا اسی طرح در در کی ٹھوکریں کھاتی اور افلاس کے ہاتھوں پریشان نظر آتی ہے۔

ریاست کے قدرتی خزائن کھودے جائیں تو ملک مالا مال ہو جائے

اخبار کرسچین سائنس مانیٹر نے ۶؍اگست ۱۹۲۷ء کے پرچہ میں معدنی معلومات کے متعلق ایک اہم مضمون شائع کیا تھا جس میں ریاست

کی معدنیات کے متعلق ریاست کی دریافت اور سکیم کا ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا۔ کہ :-

"جموں کی نشیبی پہاڑیوں اور بالخصوص ریاست کے اردگرد متعدد قسم کی دھاتیں ہیں۔ جو اقتصادی لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان سب میں سے زیادہ اہم کوئلہ ہے۔ باک سائٹ۔ کچا المونیم جو بظاہر ۸۰ فیصدی خالص ہے۔ اس میں نیل کا جزو اعظم ہے۔ متعدد کانوں میں کوئلہ دھات پیدا کرنے والا دوسرا جزو (galena) یا کچا سرمہ ہے اور حال ہی میں جو کوئلہ دریافت ہوا ہے۔ اس میں کچا تیل۔ کچا پیتل۔ کچا جست اور کچا لوہا پایا گیا ہے۔ جست اور لوہے کی کچی دھاتیں ساٹھ اور ستر فی صدی تناسب کے لحاظ سے ہیں۔ اسی قرب و جوار میں نہایت خالص ٹالک (Talc) جو مگنیشیا کی طرح ایک معدنی پیداوار ہوتی ہے۔ بیرائٹا (Barayta) یا سلفیٹ آو بیریم کی دھاتیں اور نہایت اعلیٰ چینی مٹی (جس سے چینی کے برتن بنتے ہیں) کی موٹی موٹی تہیں ہیں۔ غالباً تیل کے دو چشمے بھی دریافت ہوئے ہیں۔ لیکن تاحال ان میں سوراخ نہیں کیا گیا۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ آیا ان سے (.........) کا ڈر کے تیل کے چشموں کو جن کا تیل کم ہوتا جاتا ہے مدد مل سکتی ہے یا نہیں۔ کھریا مٹی بھی ملتی ہے۔ جس میں بہت بڑی قوتیں ہیں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ کشمیر میں کوئلہ نہیں ہے۔ لیکن حقیقت حال بالکل اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا عام کوئلہ کے علاوہ کشمیر میں بھورے کوئلہ کی موٹی اور وسیع مقدار موجود ہے۔ جن سے اس ملک میں کاربن اور ہائیڈروجن تیار کرنے کے عمل سے حرارت خیز گیس۔ موٹر سپرٹ۔ لیمپوں اور سڑکوں کے لئے گندہ تیل اور دوسری ایسی چیزیں تیار کی جا سکتی ہیں۔ درّوں سے دور بلند تر پہاڑیوں میں سونا۔ کم قیمت قسم کا ازبر۔ جو بظاہر ہیرے کی شکل میں لانے سے زیادہ مفید ہو۔

لعل اور ٹورمیلین بھی پایا جاتا ہے۔ یہ جاننا موجب دلچسپی ہے۔ کہ خیال کیا جاتا تھا۔ کہ کشمیر کا قیمتی نیلم کبھی کا ختم ہو چکا ہے۔ لیکن گذشتہ سال سے یہ پھر وجہ آمدنی بن گیا ہے۔ حکام ریاست کو امید ہے۔ کہ زیادہ عرصہ نہ گذرے گا۔ کہ نیلم دنیائے جواہر میں پھر اپنی جگہ حاصل کرے گا۔ اور اس کی وقعت کو چار چاند لگ جائیں گے۔"

(اخبار ملاپ ۲۔ دسمبر ۲۶ء صفحہ ۹)

اب ناظرین اس مضمون کو پڑھ کر غور فرمائیں۔ جس ملک میں اتنے قیمتی خزائن مدفون ہوں۔ ایسی ایسی بیش بہا چیزیں موجود ہوں۔ اگر اس ملک کے ارباب حکومت ان کو نکالنے کی جدوجہد کریں۔ تو کیا کشمیریوں کے دکھ۔ درد چٹکی بجاتے ہی میں نہ دور ہو جائیں۔ لیکن چونکہ نئی دریافت اور سکیمیں وجہ تسلی نہیں ہو سکتیں۔ جس کی طرف اس مضمون کے شروع میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس لئے ریاست کا فرض ہے۔ کہ وہ ان کاموں پر ایسے لوگوں کا تقرر کرے جو بعجلد سے جلد ان خزائن کو کھود نکالیں۔ اور ملک کی اقتصادی حالت جو سخت تیلی اور سقیم ہو رہی ہے۔ اور اس کی وجہ سے رعایا کا اخلاق اور کیریکٹر بھی تباہ ہو رہا ہے سنبھل جائے اور پھر کوئی یہ کہنے کی جرأت نہ کرے۔ کہ ریاست کو اپنی غریب رعایا کے افلاس۔ غربت اور اخلاق کی قطعاً فکر نہیں۔ اور وہ انہیں دوسروں کی غلامی اور در در کی ٹھوکریں کھانے سے نہیں بچاتی۔ کیا ہم امید کریں۔ کہ ہمارے مہاراجہ بھی دوست خود بھی ریاست پر اس کیلئے زور دینگے؟

چوتھی شکایت

کشمیریوں کی تجارت کی حوصلہ افزائی نکرنیکے متعلق

ریاست کے مسلمان باشندوں کو اپنی حکومت سے یہ بھی شکایت ہے۔ کہ وہ ان کی ملکی تجارت کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔ وہاں کے تاجروں کو نہ مالی امداد دیتی ہے۔ اور نہ ہی ان

کے تجارتی مال کی عام کھپت کے متعلق کوئی کوشش کرتی ہے۔ بلکہ جو چیزیں خود حکومت کے کارخانوں میں تیار ہوتی ہیں۔ ان کی ایجنسیاں بھی ریاستی باشندوں کو دینے کی بجائے غیر ملکی لوگوں کو دیدیتی ہے[1] یہی کیوں ان غیر ملکیوں کو سلک اور کھڈی کے کام کے لئے ہزاروں اور لاکھوں روپے بلا سُود بھی دیتی ہے[2] تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ نفع اٹھا سکیں۔ حالانکہ سب سے پہلا حق ریاست کے تاجروں کا ہے۔ اسی طرح جنگلات کے ٹھیکے بھی عام طور پر غیر ملکیوں کو ہی دئے جاتے ہیں[3] جن کا فائدہ ریاستی باشندوں کی بجائے غیر لوگ اٹھاتے ہیں۔ اور یہ وہاں کے باشندوں کی صریح حق تلفی ہے۔ اور ریاست کی اس قسم کی عدم توجہی بے پرواہی۔ سرد مہری اور اپنی رعایا کے حقوق سے تغافل کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ ملک کی تجارت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ اور کشمیر کی وہ تجارت جس کا حلقہ عہد اسلامیہ میں بہت وسیع تھا۔ اب محدود سے محدود تر ہو کے رہ گیا ہے۔ اور اگر ملکی تجارت کے متعلق حکومت کا یہی رویّہ رہا۔ تو رہی سہی تجارت بھی ختم ہو جائے گی۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں۔ کشمیریوں کی یہ شکایت بھی حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ خود ہندو مہا سبھائی اخبار بھی اس شکایت کی تائید کر چکے ہیں۔ جیسا کہ اخبار پرتاپ لاہور کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ:۔

لہ شری گوپال نیوٹھیا اپنی کتاب "کاشمیر" کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں۔ کہ کارخانہ ریاست کے "ریشم فروخت کرنے کی ایجنسی اب تک غیر ملکی کمپنی کے ہاتھ میں تھی۔ مگر اب یہ خوشی کی بات ہے۔ کہ وہ کام ایک مارواڑی تجارتی فرم (کیا یہ غیر ملکی نہیں؟ ناقل) کے ہاتھ میں آگیا ہے۔"

۲ہ راولپنڈی کے بھگت سنگھ۔ سُکھ دیال۔ امیر چند کو تین لاکھ روپیہ بغیر سود کے دیا گیا۔ تاکہ وہ کارخانۂ سلک کو فروغ دے سکے۔ (انقلاب ۵۔ اکتوبر ۳۱ء)

ایک اور غیر ملکی سرمایہ دار ہندو فرم کو پچاس ہزار روپیہ بہت قلیل سُود پر قرض دیا۔ تاکہ وہ کھڈی کے کپڑے کی تجارت میں کامیاب ہو۔ (انقلاب ۵۔ اکتوبر ۳۱ء)

۳ہ کشمیری ٹھیکیدار سے غیر ملکیوں کا ٹھیکہ کم ہوتا ہے۔ پھر بھی انہی کو ترجیح دی گئی۔ (کشمیری لاہور، ۲۵ فروری ۳۱ء)

"کشمیر دربار کی طرف سے شروع سے لے کر اب تک کوئی کوشش یہاں کی تجارت اور حرفت کی ترقی دینے کی نہیں ہوئی"

(ریزنا پ ۲۷ فروری ۲۶ء ص۹)

ملکی تجارت کا انحطاط اور نواور بقول اخبار اتحاد الاسلام۔ خود ریاست کی رپورٹ مردم شماری سے بھی اس کی تائید ہو جاتی ہے۔ کہ کشمیر کی تجارت دن بدن زوال پذیر ہے۔

"شروع زمانہ سے کشمیر کی اپنی خوبصورت شالوں کے باعث دنیا میں شہرت ہو رہی ہے اور برنیر سیاح نے جس نے کہ شہنشاہ اورنگ زیب کے ساتھ سفر کیا تھا۔ اس ملک کی خاص دستکاری کی چیز بیان کیا ہے۔ سابق مہاراجہ گلاب سنگھ اور مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحبان کے وقت میں تیس چالیس ہزار آدمی شال بننے کا کام کیا کرتے تھے۔ اور وہاں سے ۲۸ لاکھ روپے کی شالیں ہر سال باہر جایا کرتی تھیں۔ ڈائرکٹر صاحب مردم شماری کا بیان ہے کہ وہ اس وقت کی شالوں کی برآمد کی قیمت کا کوئی قابل اعتبار اندازہ نہیں بتا سکتے۔ لیکن ان کی یہ رائے ہے۔ کہ یہ برآمد بہت کم ہونے لگی ہے۔ یعنی اس وقت ان کی برآمد صرف آٹھ لاکھ روپیہ ہے"

(اتحاد الاسلام ۲۳ مئی ۲۶ء ص۳)

یہ تو صرف شال کی تجارت کا حال ہے۔ باقی چیزوں کی تجارت کا بھی یہی حشر ہو رہا ہے اور یہ اس لئے ہو رہا ہے۔ کہ گورنمنٹ کشمیر کے مسلمان تاجروں کی حوصلہ افزائی کرنیکی ضرورت نہیں سمجھتی۔ بلکہ جو چیزیں وہ خود تیار کرواتی ہے۔ اس کی ایجنسیاں بھی کشمیر کے مسلمان تاجروں کو نہیں دیتی۔ بلکہ بیرونجات کے سرمایہ داروں کے سپرد کر دیتی ہے۔ جو قرین انصاف نہیں کہا سکتا۔ ہمیں امید ہے۔ کہ ہمارے ہندو بھائی کشمیریوں کی اس واجبی شکایت کا ازالہ کروانے کے لئے بھی کشمیر گورنمنٹ پر زور دیں گے۔ اور اسے سمجھائیں گے۔ کہ اگر وہ اسی طرح

اپنے ملک کے تاجروں کو نظرانداز کرتی رہی۔ تو اس سے خود ریاست کی آمدنی کو بھی بہت بڑا دھکا لگے گا۔ کیونکہ جب ملکی تجارت ہی تباہ ہو گئی۔ تو جو آمدنی اس کے محصول وغیرہ سے اب ریاست کو ہوتی ہے۔ پھر وہ کہاں سے آئے گی۔ ہمیں مہاراجہ صاحب بہادر سے بھی پوری پوری توقع ہے۔ کہ وہ آئندہ اپنے کشمیری تاجروں کی حوصلہ افزائی کی طرف خصوصیت سے توجہ فرمائیں گے۔ تاکہ وہ بھی ترقی کریں۔ اور ریاست کو بھی فائدہ ہو۔

پانچویں شکایت

کشمیر کی صنعت و حرفت کی تباہی ریاست کی سرد مہری کے باعث

کشمیر کی کثیر التعداد آبادی کو حکومت وقت سے یہ بھی شکایت ہے۔ کہ وہ ان کی دستکاری اور صنعت کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔ اس کی بحالی اور ترقی میں دلچسپی نہیں لیتی۔ اور جس صنعت نے کشمیر کا نام دنیا کے کونہ کونہ میں مشہور کر دیا۔ آج وہی صنعت محض ریاست کی عدم توجہ اور سرد مہری کی بدولت کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ اور جو لوگ اس کے ذریعہ اپنا پیٹ پالتے تھے۔ وہ اس کے انحطاط کی وجہ سے بہت ہی تنگدست اور تباہ حال ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ریاست کا فرض تھا۔ کہ اپنی تمام طاقتیں اس کے فروغ میں لگا دیتی۔ اس کی رعایا میں جس قدر دستکار۔ صناع اور کاریگر ہیں۔ ان کا حوصلہ بڑھاتی۔ ان کی مالی امداد کرتی۔ ان کو نئے نئے طریقوں سے روشناس کرا کر اس قابل بنا دیتی۔ کہ وہ کشمیر کے اس لاثانی فن کو از سر نو زندہ کر دیتے۔ اور کشمیر صنعتی دنیا میں پھر وہی مقام حاصل کر لیتا۔ جو اُسے عہد اسلامیہ میں حاصل تھا۔

مگر جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے۔ ریاست کو اس طرف توجہ نہیں ہوئی۔ تو اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ اس کے زیر حکومت جتنے بھی صناع۔ کاریگر اور دستکار ہیں۔ وہ سب کے سب

مسلمان ہیں۔ اور جو لوگ مختلف وقتوں میں ملکی انتظام پر مامور ہوتے رہے۔ ان میں سے اکثر غیر ہمدرد اور بے پرواہ تھے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ اس خالص ملکی صنعت کو دن بدن نقصان پہنچ رہا ہے۔ اور جس صنعت اور حرفت کی بدولت ہزاروں آدمی فارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ وہی آج ملکوں ملکوں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور نان شبینہ تک کے محتاج ہیں۔ اور یہی وہ حالات ہیں۔ جنہیں دیکھ کر کشمیری ہراساں ہیں۔ اور انہیں اندیشہ ہے۔ کہ اگر چندے یہی حال رہا۔ اور حکومت وقت نے اس طرف کماحقہٗ توجہ نہ کی تو کشمیر کی یہ بے نظیر کاریگریاں افسانۂ ماضی بن کر رہ جائیں گی۔ اور بعد میں جو لوگ اس ملک کے صنعتی کمالات کے نمونے ڈھونڈیں گے۔ وہ انہیں پھر نہ مل سکیں گے۔

اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ تباہ حال کشمیریوں کی یہ شکایت سو فیصدی درست اور بجا ہے۔ اور اس میں قطعاً کلام نہیں کہ اس فقید النظیر فن کا انحطاط حکومت ہی کی سرد مہریوں کا نتیجہ ہے۔ اور یہ صرف کشمیریوں کا ہی نہیں۔ ہمارا ہی نہیں بلکہ ان لوگوں کا بھی یہی خیال ہے جو کشمیر میں جا کر وہاں کے حالات بچشم خود مطالعہ کر چکے ہیں۔ ہاں وہی کہتے ہیں۔ کہ:۔

شری گوپال نیوٹیا کی رائے

"کاشمیر کی ترقی پذیر کاریگری کے دن بیت گئے۔ اس کو اب آہستہ آہستہ زوال ہو رہا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے۔ تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا۔ کہ اس زوال کی ذمہ داری وہاں کی حکومت پر ہے۔ جو صحیح معنوں میں اس کی جوابدہ ہے۔ کیونکہ جسے جولاہوں اور کاریگروں پر حکومت کرنے کا ناز ہے اس پر ان کی اصلاح کی بھی ذمہ واری عائد ہونی چاہیئے۔"

شری جمنالال جی بجاج کی رائے

"کشمیر کے دیہات میں کاریگری ہے۔ ہنر ہے مگر اس کی کوئی قدر نہیں۔ اگر قدر کی جاتی تو آج کاشمیر کے تمام دیہات سرینگر جیسے مالدار ہو جاتے۔"[1]

[1] رسالہ تیاگ بھومی سے صفحہ ۱۶

شری بنارسی لال بحاج کی رائے
"مگر ایسی امید تو تبھی پوری ہوگی جبکہ مہاراجہ صاحب کی سرکار خود اس کام کو ہاتھ میں لے"
(رسالہ نیاگ بھومی ۲/۲ صـ۱۷۱)

اور تو اور خود ہندو مہاسبھائی اخبار بھی یہی کچھ کہہ چکے ہیں۔ یقین نہ آئے۔ تو اخبار پرتاپ لاہور کی مندرجہ ذیل رائے پڑھ دیکھیئے :۔

"کشمیر کی پورانی صنعت اب معدوم ہوتی جاتی ہے۔ نہیں نہیں معدوم ہوچکی ہے۔ کشمیر دربار کی طرف سے شروع سے لے کر اب تک کوئی کوشش یہاں کی تجارت اور حرفت کو ترقی دینے کی نہیں ہوئی۔ ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ ڈاکٹر لے ہتر اسابق ہوم منسٹر ریاست نے اپنے وقت میں کشمیر کی تجارت و حرفت پر ایک چھوٹا سا رسالہ شائع کیا تھا۔ لیکن اس میں بتلائی ہوئی تجویزوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ریاست کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ دوشالوں کے علاوہ کشمیر کے باشندے لکڑی کے کام میں بہت دسترس رکھتے ہیں۔ ناظرین میں سے جن اصحاب نے حضور شہنشاہ جارج پنجم دہلی میں تشریف آوری کے وقت کشمیر کیمپ کے دروازے کو دیکھا ہوگا۔ انہیں یہ بتلانے کی ضرورت نہیں۔ کہ یہاں کے باشندوں نے اس ہنر میں کتنا کمال حاصل کیا ہوا ہے۔ لکڑی کے کام کے علاوہ چاندی کے برتن ہاتھ سے ایسے نفیس اور خوبصورت بنائے جاتے ہیں۔ کہ یورپ کا مشین کا بنا ہوا سامان بھی کسی طرح ان سے سبقت نہیں لے جاتا۔ اس کے علاوہ پیپر میچی کا کام بھی نہایت اعلیٰ اور قابل دید ہوتا ہے۔ افسوس یہ ہے۔ کہ یہ تمام ہنر اس وقت کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ اور اگر کوئی تجویز ریاست نے ان کو فروغ دینے کی نہ کی۔ تو وہ چند روز کے مہمان رہ کر

معدوم ہی ہو جائیں گے“ (اخبار پرتاپ ۲۷-فروری ۲۶ء؁ ص۹)

ہندو سبھائیوں کے اس اقبالی بیان کو نقل کرنے کے بعد ہم امید کرتے ہیں۔ کہ خستہ حال اور دکھی کشمیریوں کی اس شکایت کا ازالہ کرنے کے لئے خود یہ لوگ بھی گورنمنٹ کشمیر پر زور دیں گے۔ کہ وہ ریاست کے اس مایۂ ناز فن کو باد حوادث سے بچالے۔ اور اس کا صرف یہی ذریعہ ہے۔ کہ سب سے پہلے وہ کشمیر کے صناعوں کی غربت و افلاس کو دور کرے۔ انہیں مالی امداد دے۔ اس کام کے لئے انہیں ضروری سامان مہیا کر کے دے۔ اور جو لوگ ہر طرح سے مایوس ہو کر اس کام کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ انہیں بھی حوصلہ دلا کر میدان عمل میں لائے۔ اور اس کے بعد جو مال یہ لوگ تیار کریں۔ ان پر کچھ عرصہ تک کسی قسم کا ٹیکس نہ لگائے۔ بلکہ اس مال کی کھپت کا بھی خاطر خواہ انتظام کرے۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی اس کے شائق اور خریدار پیدا کرے۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر کشمیر گورنمنٹ ملک سے افلاس کی لعنت دور کرنے کی خواہشمند ہے۔ اگر وہ ریاست سے بیکاری کی وبا دور کرنا چاہتی ہے۔ اگر وہ اپنی غریب اور خستہ حال رعایا کو سکھی اور خوشحال دیکھنا چاہتی ہے۔ ہاں اگر وہ کشمیر کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ بنائے رکھنے کی خاطر اس کی کاریگریوں کو فروغ دینے کی آرزومند ہو۔ تو اسے جلد سے جلد اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اور ایسے ذرائع استعمال میں لانے چاہئیں جو اس لاثانی اور بے نظیر صنعت کا نام دنیا میں از سرنو روشن کر دیں۔ مگر یہ تبھی ہو گا۔ جبکہ اس فن کو ترقی دینے کا کام ایسے لوگوں کے سپرد کیا جائے۔ جو نہ صرف اس کام دلچسپی رکھتے ہوں۔ بلکہ خود کاریگروں اور صناعوں سے بھی انہیں دلی ہمدردی ہو۔ ہم توقع رکھتے ہیں۔ کہ ملکی صنعت کے حامی اصحاب کشمیریوں کے اس مطالبہ کی تائید کرتے ہوئے کشمیر گورنمنٹ پر زور دیں گے۔ کہ وہ جلد سے جلد اس طرف توجہ کرے۔؛

چھٹی شکایت

کشمیری زمینداروں کی زبوں حالی و حقوق تلفی سے متعلق

اس میں شک نہیں۔ کہ موجودہ والئے کشمیر نے ریاست کے غریب اور خستہ حال زمینداروں کی بعض تکالیف دور فرمادی ہیں۔ ان کو ساہوکاروں کے بے پناہ تشدد سے کسی حد تک بچالیا ہے زمیندارہ ایکٹ منظور فرما کر ان کو اور بھی بعض فائدے پہنچائے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ اپنے حکمران کے تہ دل سے شاکر و ممنون ہیں۔ مگر مہاراجہ صاحب بہادر کی ان قابل ستائش اصلاحات کے ہوتے ہوئے بھی کشمیر کے بے زبان اور تباہ حال زمینداروں کو ابھی تک بعض ناقابل برداشت تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور ابھی انہیں ریاست کے بعض مروجہ قوانین کے باعث سخت سے سخت اذیتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ مطمئن اور سکھی نہیں کیونکہ جب تک ان کی باقیماندہ شکایات رفع نہ ہو جائیں۔ جن تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہیں۔ ان سے نجات نہ ملے۔ اس وقت تک انہیں مطمئن اور سکھی نہیں کہا جا سکتا۔ ریاست کے زمینداروں کی قابل ازالہ شکایات میں سے بعض ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ جن کو پڑھ لینے کے بعد ہر ایک شخص محسوس کریگا۔ کہ انہیں ابھی کتنی مشکلات اور تکلیفوں کا سامنا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہر وہ شخص خواہ ہندو ہو یا مسلمان سکھ ہو یا عیسائی انکی مندرجہ ذیل تکالیف کو دیکھ کر اس امر کا متمنی ہوگا۔ کہ جس طرح بھی ہو جلد سے جلد یہ شکایات رفع ہو جائیں۔ اور خدا کی یہ بے زبان مخلوق بھی سکھ کا سانس لے سکے۔

زمینداران ریاست کو سب سے بڑی اور ہر وقت بے کل رکھنے والی شکایت تو یہی ہے۔ کہ تمام زیر کاشت رقبہ جن پر وہاں کے زمیندار قابض ہیں۔ ان کی ملکیت نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ وہ ریاست کی ملکیت تصور کیا جاتا ہے۔ اور جو زمیندار مدت مدید سے ان زمینوں پر قابض اور

متصرف ہیں۔ وہ یہ خیال ہی نہیں کر سکتے۔ کہ آئندہ بھی یہ ہمارے ہی قبضہ میں رہے گا۔ کیونکہ قانون مروجہ کی رُو سے ریاست اس امر کی مجاز ہے۔ کہ وہ جب اور جس وقت چاہے۔ انہیں بیدخل کر سکتی ہے۔ اور محض کاشت کے حقوق کی بناء پر انہیں خفیف سا معاوضہ دے کر الگ کیا جا سکتا ہے۔ یہی کیوں ریاست یہ بھی حق رکھتی ہے۔ کہ خالص اسلامی رقبہ جات میں بھی جن کی کاشت شروع سے ہی مسلمان زمیندار ہی کرتے آئے۔ غیر مسلموں کو لاکر مسلط کر دے۔ اور زیر کاشت رقبہ کا مالک قرار دیدے۔ چنانچہ اس وقت تک خالص اسلامی رقبوں میں کئی غیر مسلم محض رسمی نذرانوں کی بناء پر مالک بنائے جا چکے ہیں۔

نہ صرف مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب آنجہانی کے وقت کئی ڈوگرے مسلمانان کشمیر کی اچھی اچھی زمینوں پر قابض کر دئے گئے۔ جیسا کہ پنڈت ہرگوپال کی کتاب "گلدستہ کشمیر" مطبوعہ ۱۸۸۳ء کے مندرجہ ذیل الفاظ سے واضح ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب کے عہد میں ڈوگروں کی

"جاگیریں ... پرانی واگذار ہیں۔ جدید ملتی جاتی ہیں۔ جیسے کشمیر میں اس فاتح قوم کو عطا رہوئی ہیں" (صفحہ ۲۰۶)

یہی نہیں بلکہ اب بھی اس قسم کی عطائے جاگیر کا سلسلہ جاری ہے۔ اور موجودہ مہاراجہ صاحب بہادر کے عہد میں بھی بیس کے قریب ٹھاکر راجپوت اچھے بڑے بڑے رقبوں کے مالک قرار دئے جا چکے ہیں۔ جن میں مسلمان ۲ اور غیر مسلم ۱۸ ہیں۔ نتیجہ یہ ہو رہا ہے۔ کہ آہستہ آہستہ خالص اسلامی علاقے بھی دوسروں کے قبضہ میں جا رہے ہیں اور جو مسلمان زمیندار پہلے صرف ریاست کی رعایا تھے۔ وہ اب ان کی بھی غلامی پر مجبور ہیں۔ جیسا کہ انقلاب کے کشمیری نامہ نگار کی ایک تازہ تحریر سے ظاہر ہے۔ کہ:۔

"مہاراجہ ہری سنگھ (صاحب بہادر) کی گدی نشینی کے وقت سے لیکر آج تک کل بیس آدمیوں کو پانچ ہزار سے لے کر ایک ہزار تک کی جاگیریں صوبہ کشمیر کے زمینداروں سے چھین کر جو اللہ کے فضل سے قریباً تمام مسلمان ہیں ڈوگروں کے سپرد کی گئیں۔ ان

بیس اشخاص میں سے جن کو یہ جاگیریں عنایت کی گئیں - اٹھارہ ڈوگرے راجپوت ہیں اور صرف دو مسلمان ہیں "۔

اس کا نتیجہ کیا نکلا - وہ بھی نامہ نگار کے لفظوں میں پڑھیئے ۔

"ڈوگرے ان جاگیروں پر قبضہ کر کے جو جو ظلم غریب مزارعین پر ڈھا رہے ہیں - اس کی کیفیت صحیح طور پر جبھی معلوم ہو سکتی ہے - کہ آپ ان زمینداروں کو ملیئے جن پر اس قسم کی سرمایہ پرستی کی لعنت کو مسلط کر دیا گیا ہے - ان جاگیرداروں کی طرف سے ان زمینداروں کو علانیہ کہا جاتا ہے - کہ شدھ ہو جاؤ - ورنہ ہم تمہیں نکال دیں گے - کبھی ان کو اور کئی طرح کی دھمکیوں سے مرعوب کیا جاتا ہے "۔

(انقلاب ۲۹ نومبر ۱۹۳۱ء صہ ۲)

خدا کرے کہ یہ بیان غلط ہو - لیکن اگر یہ صحیح ہے - جس کے متعلق شک کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی - تو پھر یہ بے حد اندوہگین واقعہ ہے - بہر حال اس قسم کی عطائے جاگیر کی پالیسی کشمیر کے اصل زمینداروں کو بے چین کئے رکھنے میں کافی ممد ہے - اور جب تک ہزہائی نس مہاراجہ صاحب بہادر اس قانون یا قاعدے کو منسوخ نہ فرما دیں گے - اس وقت تک غریب کسان اطمینان کی زندگی بسر کرنے سے قطعی محروم رہیں گے - اور ساتھ ہی یہ نتیجہ بھی ہوگا - کہ ایک خالص اسلامی علاقہ پر غیر مسلم ہی چھائے چلے جائیں گے کشمیری یہ نہیں کہتے - کہ وہ قوم پروری نہ کریں - اپنی برادری کے مستحق لوگوں کو جاگیریں نہ دیں - دیں اور ضرور دیں - مگر ان علاقوں میں نہیں - جو خالص اسلامی علاقے ہیں - اور جہاں کے کسان پہلے ہی بہت پریشان اور بدحال ہیں -

چونکہ ریاست کی تمام زمین حکومت وقت کی ملکیت سمجھی جاتی ہے - اس لئے " کوئی مسلمان زمیندار اپنی زمین پر مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا - بلکہ ہر مالکانہ تصرف کے لئے اسے ریاست کی خاص اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے " وہ اپنی اراضی پر اُگے ہوئے درخت

نہیں کاٹ سکتے۔ مکان تعمیر نہیں کر سکتے"۔ جنگلات کا قانون بھی عملاً زمینداران مسلمانوں کے لئے نہایت تکلیف دہ ہے۔ اور مسلمان آبادی کو روزانہ اس قانون سے واسطہ پڑتا ہے اول تو جنگل سے کسی قسم کی لکڑی لے کر استعمال کرنا قانوناً منع ہے۔ اور اسکی وجہ سے عموماً سزائیں ہوتی رہتی ہیں۔ علاوہ ازیں محکمہ جنگلات کے ملازمین مسلمانوں کے لئے طرح طرح کی تکالیف اور ایذا رسانی کا موجب بنتے رہتے ہیں۔ اور شکایت ہونے پر کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا۔ اگر جنگل میں اتفاقیہ آگ لگ جائے۔ تو اس کے بجھانے کا بوجھ بلا مزدوری گردو پیش کے زمینداروں پر پڑتا ہے۔ اور کوتاہی کی صورت میں انہیں مقدمات میں لپیٹ کر سزائیں دلائی جاتی ہیں۔ اس قانون کی ایک شاخ جنگل کی جڑی بوٹیوں سے تعلق رکھتی ہے اس قانون کے ماتحت زمینداروں کو اس بات تک کی اجازت نہیں۔ کہ وہ اپنی ادویہ وغیرہ کی تیاری کے لئے جنگل کی کوئی جڑی بوٹی اکھیڑ کر اپنے مصرف میں لا سکیں۔ بعض صورتوں میں دو تولہ جڑی بوٹی کسی کے قبضہ میں نکلنے کی وجہ سے اُسے سزا دی گئی ہے۔ قانون ابریشم و زعفران بھی مسلمان زمینداروں پر ایک نہایت ناواجب سختی عائد کرتا ہے زعفران کی پیداوار کے متعلق ریاست خود بخود اپنے فیصلہ اور حکم کے ساتھ واحد ٹھیکیدار بن گئی ہے۔ جس سے زمینداروں کو ان کی جائز محنت کی آمدنی کے بڑے حصہ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ ابریشم کا قانون اس سے بھی عجیب تر ہے۔ جس کے ذریعہ سے زمینداروں کو اپنے نصب کردہ اور مقبوضہ درختانِ توت کے استفادہ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح ریشم کے "کوکون" کو ریاست بہت معمولی قیمت پر زمینداروں سے جبراً خریدتی ہے۔ اور پھر اُن سے بہت معقول فائدہ خود اٹھاتی ہے۔ اس چیرہ دستی کو "سٹیٹ مناپلی" کی آڑ میں جائز کیا گیا ہے۔ درختانِ چنار اور اخروٹ کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ یہ درخت بالعموم اور بلاوجہ شاہی درختان قرار دئے گئے ہیں۔ حالانکہ وہ عموماً نصب کردہ زمینداران ہیں۔ اس سے مسلمانوں کی چوب کاری کی صنعت کو جس میں عموماً ان درختوں کی لکڑی استعمال ہوتی ہے۔ بڑا نقصان پہنچا ہے۔ ایک قانون

کشمیر میں یہ ہے۔ کہ اگر کسی سرکاری جائداد مثلاً تار۔ پل وغیرہ کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ خواہ یہ نقصان اتفاقیہ ہی ہو۔ بلا کسی تحقیق و اثبات جرم کے اس نقصان کا بار آس پاس کے دیہات پر بطور جرمانہ کے ڈال دیا جاتا ہے۔ اس قانون کے عملی اجراء سے غریب مسلمان زمیندار آئے دن ناقابل برداشت نقصان اٹھاتے رہتے ہیں۔ جدید کشمیر سٹیٹ بینک کے قواعد وضوابط ایسی صورت میں مرتب کئے گئے ہیں۔ کہ اس سے مسلمان آبادی کو بہت ہی کم فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی تجارت اور کاروبار کو بالآخر سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔" ("کشمیر کے حالات" صفحہ ۱۵۔۲۰۔۲۱)

یہی نہیں۔ مالگذاری اور شالی سٹور کے موجودہ سسٹم سے بھی کشمیر کے زمینداروں کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ کیونکہ کشمیر میں ریاست مالیہ اور بٹائی کے عوض صرف روپیہ ہی نہیں لیتی۔ بلکہ کچھ جنس بھی لیتی ہے اور لیتی بھی اپنے مقرر کردہ نرخ پر ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو غلہ زمیندار کے پاس بچ رہے۔ وہ اگر بڑے بڑے قصبوں یا سری نگر میں جا کر فروخت کرنا چاہے۔ تو وہ اس کا مجاز نہیں۔ بلکہ خود حکومت ہی اس سے وہ غلہ خرید کر سکتی ہے خریدے گی بھی اس قیمت پر جو وہ خود تجویز کرے۔ اور اس میں کسان کو مجالِ دم زدن نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ پہلے تو ریاست رعایا سے سستے داموں غلہ خریدتی ہے اور پھر رعایا ہی کے پاس مہنگے داموں فروخت کر دیتی ہے۔

اب جہاں کے زمینداروں کو اس قسم کے قوانین سے واسطہ پڑے۔ وہ مطمئن اور سکھی کہلا سکتے ہیں؟ یہی مصیبتیں اور پریشانیاں ہیں۔ جو وہاں کے زمینداروں کو اپنے اور اپنے بال بچوں کے گذارہ کے لئے دوسرے ملکوں میں جا کر محنت مزدوری کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اور یہ اسی قسم کے قوانین کا نتیجہ ہے۔ کہ جنت کے مکینوں کو گرم علاقوں میں جا کر دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔ اور امداد کے لئے دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے پڑتے ہیں۔ کیا ہم امید رکھیں۔ کہ ہمارے ہندو بھائی دوست مسلمانانِ کشمیر کی اس چھوٹی سی شکایت کا

بھی ازالہ کروائیں گے۔ جس سے نہ صرف غریب کسانوں کا بھلا ہوگا۔ بلکہ ان کی بھلائی میں ریاست کی بھی بھلائی ہوگی۔ کیونکہ جہاں کے زمیندار سکھی اور خوشحال ہوں۔ وہاں حکومت کے خزانہ میں آمد بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اور جہاں کے زمیندار تنگدست اور پریشان حال ہوں۔ وہاں ریاست کو بھی کافی آمدنی نہیں ہوتی۔ اگر ہندو دوست کشمیر کے زمینداروں کی ان مشکلات کو دور کرانے کی سعی فرمائیں گے۔ تو نہ صرف کسانوں کو فائدہ پہنچائیں گے بلکہ خود ریاست کو بھی بہت بڑے فائدہ کا مستحق بنا دیں گے ؛

ساتویں شکایت

بیگار یا باصطلاح جدید کار سرکار کے متعلق

مسلمانان کشمیر کو اپنے حاکموں سے بیگار کے متعلق بھی مدت سے شکایت چلی آتی ہے باوجود اس کے کہ اس کے متعلق مسلسل واویلا کیا گیا۔ جلسے کئے گئے۔ رزولیوشنز پاس کر کر کے بھیجے گئے۔ اخباروں میں دوہائی مچائی گئی۔ مگر بیگار کی یہ لعنت ابھی تک کشمیر کی غریب رعایا پر مسلط ہے۔ کشمیری سالہا سال سے اس کی تباہ کاریوں کا شکار ہوتے چلے آرہے ہیں۔ مگر ابھی تک اس سے چھٹکارا نہیں پا سکے۔ اس کی طفیل لوگوں کے مال و زر کا بھی نقصان ہوا۔ کھیتی باڑی بھی تباہ ہوئی۔ پیٹے اور زخمی بھی ہوئے کچلے اور مارے بھی گئے۔ مگر اس نے ان کا پیچھا نہ چھوڑنا تھا۔ پر نہ چھوڑا۔ نام تو اس کا بیگار ہے۔ لیکن حقیقت میں انسان کی خودداری۔ وقار اور تمام اچھے جذبات کو کچل کے رکھ دیتی ہے۔ جو اس کا شکار ہوا۔ سمجھو۔ کہ اسکی انسانیت بھی خاک میں مل گئی۔ اس میں شک نہیں ہے کہ کشمیر گورنمنٹ نے اس کو دور کرنے کے لئے کوشش بھی کی۔ مگر بیگار کی بجائے کار سرکار نام رکھ دینے سے اس کی وحشت ناکیوں میں کوئی بین اور نمایاں کمی

نہیں آئی ۔ اب بھی پہلے کی طرح غریب دیہاتیوں کو اس کے ذریعہ خوار کیا جاتا ہے ۔ اب بھی اس کے عادی بے زبان جانوروں کی طرح تباہ حال کشمیریوں کو ہانکتے پھرتے ہیں۔ چونکہ یہ انسانیت پر ایک بدنما داغ اور انسانی شرف کو خاک میں ملا دینے والی چیز ہے ۔ اس لئے کشمیری اس کو کسی نام اور کسی رنگ میں بھی دیکھنے کے روادار نہیں ۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ کشمیر ملک کو اس لعنت سے پاک کر کے انہیں بھی انسانیت سے لذت آشنا ہونے دے

ہمارا خیال ہے۔ کہ جو لوگ بیگار کی ہولناکیوں سے واقف نہیں ۔ وہ اتنا کچھ پڑھ جانے کے بعد بھی یہ پوچھے بغیر نہ رہیں گے۔ کہ یہ بیگار ہے کیا چیز؟ سو ان کو معلوم ہونا چاہیئے ۔ کہ یہ وہ لعنت ہے ۔ جس کے ذریعہ ریاست کے بعض افسر بادنیٰ سے ادنیٰ ملازم بھی براہمنوں، پروہتوں، سادھوؤں، راجپوتوں، ڈوگروں، کھشتریوں اور اسی طرح سیدوں پیر زادوں یا دو چار دوسری جماعتوں کے علاوہ ریاست کے جس آدمی کو چاہیں۔ سرکاری اسباب یا عہدہ داروں کے اسباب اٹھانے ۔ ان کی خدمت کرنے ۔ پہرہ دینے ۔ اور دوسرے اور بھی جو سرکاری کام ہوں ۔ ان کو سرانجام دینے پر مجبور کر سکتے ہیں ۔ اور خواہ وہ شخص کتنا مصروف ہو۔ کسی کی تیمارداری میں لگا ہوا ہو۔ یا اپنے روزگار اور کھیتی باڑی میں مشغول ہو وہ سرکاری حکم کو ٹال نہیں سکتا ۔ یہی نہیں اگر وہ کسی تیوہار کی تیاری کر رہا ہو[۱] کسی کے

---

[۱] اخبار سیاست کے کشمیری نامہ نگار نے اپنا چشمدید واقعہ لکھا تھا۔ گزشتہ [illegible] کی بات ہے ۔
"عید اضحیٰ کے متبرک ایام تھے ۔ مسلمان یہ مبارک دن سنت رسول صلعم ماتحت جوش مسرت سے منانے کے لئے تیار ہو رہے تھے ۔ کہ سرکار والا مدار (مہاراجہ پرتاپ سنگھ) نے ایک ہندو تیوہار منانے کی خاطر بغرض جاترا کھیر بھوانی جانے کی تیاریاں شروع کر دیں ۔ صدہا بیگاری اور بیشمار مانجی (جو سب کے سب مسلمان تھے اور عید اضحیٰ کی تیاریوں میں مصروف تھے) پکڑے ہوئے بلوائے گئے ۔ ابھی روانگی نہیں شروع ہوئی تھی ۔ کہ بندگان عالی سری راجہ صاحب (موجودہ مہاراجہ صاحب جو اس وقت شہزادہ تھے) کو گلمرگ میں چشم زخم پہنچا ۔ . . . . ہز ہائینس (پرتاپ سنگھ) نے

بیاہ شادی کی تقریب میں حصّہ لے رہا ہو[۵۹]۔ یا خود ہی اپنا بیاہ رچا رہا ہو۔ ریاستی عہدہ دار اُسے سرکار کے جس کام کے لئے چاہیں۔ مجبور کر سکتے ہیں[۶۰]۔ اور اگر وہ حیل و حجت کرے۔ اپنی مجبوریوں اور معذوریوں کا اظہار کرے۔ تو علاوہ جوتوں۔ ٹھڈوں۔ کوڑوں اور ہنٹروں کی مار کے وہ سرکاری سزا پانے کا بھی مستحق سمجھا جاتا ہے۔ پہلے تو کوئی معاوضہ دینے کا بھی قاعدہ نہ تھا۔ مگر اب قانون کی رُو سے ان بیگاریوں کو کچھ نہ کچھ مل بھی جاتا ہے۔ یہ الگ امر ہے۔ کہ سرکاری ریٹ پورے کا پورا نہیں ملتا ہے۔ یا کچھ ادنیٰ ملازمین کی جیب میں بھی چلا جاتا ہے بہر حال یہ جبر خواہ بے دام ہو یا دام دے کر دونوں ہی صورتوں میں قابل صد نفرت و مذمت ہے۔ جو کہ اس روشنی اور تہذیب کے زمانہ میں بھی خدا کی اشرف المخلوقات کو اس طرح عاجز۔ لاچار بلکہ ذلیل اور خوار کرواتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹ :۔ کھیر بھوانی کا ارادہ ترک فرما کر اور بے اختیار بسواری موٹر گلمرگ تشریف فرما ہوئے۔ بیگاری اور ہانجی اس طرح رخصت ہوئے جس طرح وحشی پرندے پنجروں سے نکل جاتے ہیں"۔ (سیاست ۹ اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۱)

صفحہ ہذا۔ [۵۹] لالہ شام لال کپور ایڈیٹر گوروگھنٹال نے جناب نواب صاحب اکبر گوندہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ان کی سیر کشمیر کا بھی ایک واقعہ لکھا تھا۔ جو درج ذیل ہے :۔

"چونکہ آپ (نواب صاحب) کا ارادہ علاقہ کشمیر کی تمام پہاڑیوں کی سیر کا تھا..... اسلئے آپ کی بار برداری کے لئے حکام ریاست کشمیر نے بہت سے مزدوروں کا اجتماع کر رکھا تھا۔ ایک دن آپ سفر پر روانہ ہونے کے لئے گھوڑے پر سوار ہونے ہی والے تھے کہ آپ کی نظر چند غریب مزدوروں پر پڑ گئی۔ جو آپ کے کیمپ کے ذرا فاصلے پر ڈیرے ڈالے پڑے تھے۔ آپ ان سے باتیں کرنے کے لئے ان کے قریب چلے گئے دوران گفتگو میں۔ انکو معلوم ہوا۔ کہ یہ ایک بارات کے ممبر ہیں۔ جو شادی کے بعد دلہن سمیت اپنے گاؤں واپس جا رہے تھے۔ مگر ان میں سے کئی ایک کو (ہماری شنیدہ روایت کے مطابق مع دولہا کے) بیگار کے لئے حکام ریاست نے گرفتار کر لیا ہے۔ اور یہ بیگاری آپ کی ہی بار برداری کے لئے ہیں۔ یہ معلوم کر کے آپ کو بہت افسوس ہوا۔ اور حکام سے کہکر انہیں فوراً رہا کروا دیا"

(گوروگھنٹال ۲۳ جنوری ۱۹۲۶ء صفحہ ۲)

[۶۰] جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ مہاراجہ صاحب بالا کی گورنمنٹ کا ایسا منشا نہیں ہوگا۔ یہ اگر ہوتا ہے تو ادنیٰ ملازمین کی بیہودہ اور ظالم طبیعت کی وجہ سے ہوتا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

ہمیں یقین ہے۔ کہ مہاراجہ صاحب بہادر اس قسم کے مظالم کے روادار نہیں۔ اور یہ بھی ہم مانتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ کشمیر نے ماتحت عملہ کے ظلم و ستم سے ان بے زبانوں کو بچانے کے لئے بہت سے قاعدے قانون بنا دئے ہیں۔ ہمیں اس کا بھی علم ہے۔ کہ اب اس کا نام کار سرکار رکھ کر اجرتیں بھی مقرر کر دی ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے۔ کہ اب حکومت کی بعض سفری ضروریات موٹر لاریوں سے پوری کر لی جاتی ہیں۔ مگر ابھی تک حکام بالا کی یہ کوششیں غریب دیہاتیوں کو اس مصیبت سے پوری طرح نہیں بچا سکیں۔ کیونکہ بقول ایڈیٹر اخبار رنبیر جموں :۔

"(جس کی) زیادہ تر وجہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ حکام دیہاتی و دیگر ادنیٰ افسران ریاست بیگار میں لطف لیتے ہیں اور اپنے لئے اسے ایک بڑا فائدہ مند سودا خیال کرتے ہیں۔ اس لئے وہ نہیں چاہتے کہ بیگار دور ہو۔ لہذا جو احکام بھی اس کے انسداد کے لئے جاری ہوتے ہیں۔ خود غرض حکام اس پر بہت کم عملدرآمد ہونے دیتے ہیں۔ اور اپنے مقامی دقار و رسوخ کی وجہ سے اس میں روڑا اٹکانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ باوجود ریاست کی چند ایک ذمہ دار ہستیوں کی لگاتار کوششوں کے بیگار کا تشدد ابھی تک کم ہونے میں نہیں آتا۔ اور زمیندار لوگ بالخصوص اس کا پہلے سے بھی زیادہ شکار نظر آتے ہیں"

پھر یہی اخبار لفظ بیگار کو کار سرکار میں بدل دینے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ:۔

"ہم حکام مجاز سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا لفظ بیگار کو ملیا میٹ کر دینے سے بیگار کی سختیوں کا بھی ہمیشہ کے لئے انسداد ہو جائے گا۔ اور کار سرکار کی آڑ میں دیہاتی حکام و دیگر خود غرض افسران ریاست غریب رعایا پر ظلم و تشدد نہ کر سکیں گے۔ جیسا کہ وہ اب تک بیگار کی صورت میں کرتے آئے ہیں۔ نہیں

لفظ بیگار سے خلش نہیں۔ بلکہ ہم تو اس کی سختیوں کے دشمن ہیں۔ اور یہ اس صورت میں دُور ہو سکتی ہے۔ جب حکام ریاست اپنے آپ کو رعایائے ریاست کا مالک نہیں۔ بلکہ سچا خادم و خیر خواہ تصوّر کریں۔ اور اس سپرٹ کو کام میں لا کر اس کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں"

(رنبیر جموں ۹ ہاڑ سمت ۸۳ء)

چونکہ اس ہندو اخبار کے مندرجہ بالا الفاظ پر کچھ اور اضافہ کرنا تحصیل حاصل ہے۔ اس لئے ہم انسانیت کے نام پر مہاراجہ صاحب بہادر اور ریاست کے ذمہ وار عہدہ داروں سے اپیل کرتے ہیں۔ کہ وہ ریاست کو اس لعنت سے کلّی طور پر پاک کر دیں۔ اگر سرکاری کاموں کے لئے باربرداروں اور خدمت گاروں کی ضرورت ناگزیر ہو تو اس کیلئے مستقل عملہ رکھا جائے۔ نہ کہ ریاست کے ادنیٰ عہدہ دار جس کو چاہیں پکڑ دبائیں۔ اور ہمیں امید ہے۔ کہ اس اپیل میں شریف الطبع ہندو دوست بھی ہمارے ساتھ شریک ہونگے ؛

آٹھویں شکایت

مسلمانوں سے غیر مساویانہ سلوک کے متعلق

مسلمانانِ ریاست کو ڈوگرہ راج کے آغاز ہی سے یہ شکایت چلی آتی ہے۔ کہ ریاست کا نظام حکومت مساوات کے اصولوں پر مبنی نہیں۔ جس طرح مہذب ممالک میں رعایا کے ہر ایک فرد یا قوم سے مساویانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ اس طرح یہاں نہیں ہوتا۔ مہذب ممالک میں ہر قوم اور فرد پر ایک ہی قسم کے قوانین اطلاق پاتے ہیں۔ لیکن یہاں بعض ایسے قانون بھی ہیں۔ جو ہندوؤں اور مسلمانوں پر الگ الگ اثر ڈالتے ہیں۔ اور اس کی بعض مثالیں بھی سُنائی جاتی ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ ریاست جتنی تعداد اور تناسب سے دوسری

قوموں کو حکومت کے کاموں میں شریک کرتی ہے۔ اس کا عشر عشیر بھی مسلمانوں کے حصّہ میں نہیں آتا۔ اس ریاست میں جتنا دوسری قوموں کی تعلیم کے متعلق خیال رکھا جاتا ہے اس کا دسواں حصہ بھی مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق نہیں رکھا جاتا۔ اس ریاست میں غیر مسلم تاجروں اور کارخانہ داروں کی تو حوصلہ افزائیاں ہوتی ہیں۔ مگر مسلمان تاجروں کو پوچھا تک نہیں جاتا۔ اکثر اوقات ریاست کے ٹھیکے غیر مسلموں کو تو کم ریٹ پر بھی دیدئے جائیں مگر زیادہ ریٹ دینے والے مسلمانوں کو نہیں دئے جاتے۔ پنڈت مدن موہن مالویہ پنڈت دینبدیال جیسے مہا سبھائی اگر ریاست میں آئیں۔ تو ان کی خاطر داریاں ہوں۔ مگر نواب صاحب ڈھاکہ اور سید محسن شاہ ایسے بے ضرر صلح پسند اور معزز رہنماؤں کو ریاست میں داخل ہونے تک اجازت نہیں ملتی۔ مہا سبھائی اور کانگرسی ریاست میں آکر کھلے بندوں تقریریں کریں۔ کوئی روکاوٹ نہیں۔ مگر بعض اوقات علمائے اسلام کے لیکچر کیا خطبے تک روک دئے جاتے ہیں۔ ہندو اگر جلسوں میں بھجن گائیں تو کچھ نہیں۔ لیکن اگر کسی اسلامی جلسہ میں ایک مسلمان نعت پڑھے۔ تو اُسے زیر حراست کر لیا جاتا ہے۔ ریاست کے دفاتر اور تعلیمی اداروں میں ہندو تیوہاروں اور تقریبوں پر تو کافی سے زیادہ چھٹیاں دی جائیں۔ مگر اسلامی تیوہاروں اور تقریبوں پر بہت کم۔ ریاستی اشتہار ہندو اخباروں میں تو دھڑلے سے دئے جائیں۔ مگر اسلامی اخباروں (سوائے ایک آدھ کے) میں دینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی۔ اگر کوئی مسلمان شُدھ ہو جائے۔ تو اس کو کسی قسم کی گزند اور نقصان نہیں پہنچتا۔ لیکن اگر کوئی ہندو مسلمان ہو جائے۔ تو اس کی جائداد ضبط کر لی جاتی ہے۔ ریاست کے دہرم ارتھ فنڈ سے تو مندروں کی توسیع۔ تعمیر۔ رونق اور حفاظت کی جاتی ہے۔ مگر مسلمانوں کی بعض مساجد سے شالی سٹور۔ اصطبل اور بارودخانہ کا کام لیا جاتا ہے۔ مسلمان گوجروں کو جرائم پیشہ قرار دیا گیا ہے[۱]۔ مگر ہندو گدی اس قانون سے دور رکھے گئے ہیں۔

[۱] جب پوچھا جائے کہ ان بے زبان گوجروں نے کونسا جرم کیا ہے۔ جو انہیں جرائم پیشہ سمجھ لیا گیا۔ تو

مسلمان بکروالوں سے اگرچہ عام فی بھیڑ محصول کاہ چرائی لیا جاتا ہے۔ تو ہندو گدیوں سے صرف ۳ر آنے کے قریب۔ بعض ہندؤں کو تو دختر کشی سے روکنے کی خاطر زمینیں تک دی جائیں۔ مگر گاؤ کشی روکنے کے لیے مسلمان گاؤ کشوں کو سات سال کی سزا۔ گاؤ کشی کے جرم میں جو جرمانہ مسلمانوں سے وصول کیا جائے۔ اس روپے سے صرف ہندو طلبار کو تعلیم دلائی جاتی ہے۔ پرتاپ ہائی سکول کے دروازے ہندؤں کے لئے تو کھُلے رکھے جائیں۔ مگر مسلمانوں کے لیئے قطعی مسدود۔ ڈوگرے اگر کسی کو قتل کر دیں۔ تو عمر سزا کے مستوجب۔ مگر دوسرے پھانسی کے تختہ پر چڑھائے جائیں۔ برت اور اماوس کے دنوں میں مسلمانوں کو ہر قسم کے گوشت کھانے سے جبراً باز رکھا جائے۔ مگر انگریز اس سے مستثنیٰ۔ جاگیریں دیتے ہوئے اگر ۸ ڈوگرے منتخب کئے جائیں۔ تو مسلمان صرف ۲۔ بیگار کی مصیبت مسلمانوں کے لئے مگر اکثر ہندو اس سے محفوظ۔ اور یہ جو کچھ کہا جاتا ہے۔ اس کی تائید میں ثبوت اور مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں۔ مگر چونکہ مضمون اندازہ سے زیادہ طول پکڑ رہا ہے۔ اس لیئے فی الحال ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اور ہم مہاراجہ صاحب بہادر کی خدمت میں عرض کریں گے۔ کہ جب آپ تختِ حکومت پر متمکن ہونے کے بعد اپنی سب سے پہلی پبلک تقریر میں فرما چکے ہیں۔ کہ :۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳ :۔ بات بنانے کے لئے کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ یہ چوری اور ڈاکہ کی وارداتیں کرتی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ کیا ہندو گدی۔ ہندو راجپوت۔ ہندو ڈوگرے۔ ہندو اچھوت اس قسم کی وارداتیں نہیں کرتے اگر کرتے ہیں اور ان سے زیادہ کرتے ہیں۔ تو انہیں بھی کیوں نہ جرائم پیشہ کی فہرست میں شمار کیا ؟ اور پھر یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ چند افراد کے بُرے فعل پر ساری کی ساری قوم کو جرائم پیشہ قرار دے لیا جائے۔ جو لوگ اپنے ظلموں کو چھپانے کی خاطر اس بے زبان اور ستم رسیدہ قوم کو جرائم پیشہ بتلا کر پبلک کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں وہ لارنس صاحب کی اس گواہی کو کس طرح چھپائیں گے۔ کہ :۔ "چونکہ یہ ایک سادہ طبع اور ایماندار فرقہ ہے۔ اور ان کے وجود سے ملک کو کئی طرح کے فائدے پہنچتے ہیں۔ اسلئے ریاست کا فرض ہے کہ وہ گوجروں کی آئندہ بہتری و فلاح میں کوئی کوتاہی نہ کرے"
(منقول از اقوام کشمیر صفحہ ۱۹۱)

"میرے لئے سب قوم میں برابر ہیں۔ بہ حیثیت رئیس میرا کوئی دہرم نہیں۔ سب دھرم میرے ہیں۔ اور میرا دھرم انصاف ہے"

تو ایسی حالت میں آپ مسلمان رعایا کی ان شکایات کی بھی تحقیق فرمائیں اگر یہ صحیح اور حقیقت پر مبنی ہوں تو اپنے "دھرم انصاف" پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ان کا ازالہ فرمائیں تاکہ آئندہ کسی کو بھی اس قسم کی باتیں زبان پر لانے کا موقع نہ ملے۔ اور جہاں تک ہم سمجھتے ہیں۔ دوسرے ہندوستانی بھی ہماری اس درخواست کی تائید کریں گے۔ کیونکہ ایک ایسے دانائے ملک کی ریاست میں جس کے نزدیک "سب قومیں برابر ہیں" اور جس کا "دھرم انصاف ہے" قوموں میں اس طور کا غیر مساویہ برتاؤ زیب نہیں دیتا۔

نویں ۹ شکایت

زبان اور قلم کی آزادی کے متعلق

مسلمانان ریاست کو نویں ۹ شکایت یہ ہے۔ کہ انہیں حدود ریاست میں زبان اور قلم کی بھی آزادی نصیب نہیں۔ وہ تقریر اور تحریر کی آزادی سے بھی محروم ہیں۔ اپنے جذبات واحساسات کا آزادانہ اظہار نہیں کر سکتے۔ نہ صرف پریس اور پلیٹ فارم کے فوائد اور برکات سے محروم ہیں۔ بلکہ کوئی انجمن۔ کوئی ایسوسی ایشن بھی بلا منظوری ریاست نہیں قائم کر سکتے۔ بغیر اجازت خاص کوئی جلسہ نہیں کر سکتے۔ کوئی جلوس نہیں نکال سکتے۔ اور انہیں حکم ہے۔ کہ جن لیکچراروں کے لیکچر کروانے ہوں پہلے ان کی فہرست پیش کریں۔ پھر اس جلسہ میں جو تقریریں ہونی ہوں۔ ان کا خلاصہ مطلب لکھ کر پیش کریں۔ اور اگر

حاکم مجاز چاہے۔ تو جلسہ میں ہونے والی تقریر ساری کی ساری بھی لکھوا کر دیکھ سکتا ہے اور اُسے اختیار ہے۔ کہ اس تحریر کے خلاف تقریر نہ ہونے دے۔ یہی کیوں وہ اپنے خداوندان مجازی کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی اخبار اور کوئی رسالہ اور کوئی میگزین بھی نہیں نکال سکتے اسی پر بس نہیں۔ اگر وہ برطانوی ہند کے اخباروں میں اپنی شکایات کا اظہار کریں۔ تو ان کی تلاش اور جستجو ہوتی ہے۔ اور کوشش کی جاتی ہے۔ کہ لکھنے والے کا پتہ لگا کر اس کی گردن ناپی جائے۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کی جاتی۔ بلکہ برطانوی ہند کے ان اخباروں کا بھی داخلہ ریاست میں حکماً بند کر دیا جاتا ہے۔

اگر ان حالات کو دیکھتے ہوئے باشندگانِ ریاست دن رات اس شعر کا ورد کرتے رہیں تو کیا بیجا نہ ہوگا۔ کہ:۔

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھُٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیّاد کی ہے

اور یہ جو کچھ کہا گیا ہے۔ نری بُری قیاس آرائی نہیں۔ بلکہ حقیقت ہے اور اس کی تائید میں بیسیوں شواہد پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اور نام بنام بتلایا جا سکتا ہے۔ کہ کب کب اور کن کن لوگوں کی تقریریں روکی گئیں۔ کب کب اور کن کن لیکچراروں کو حدود ریاست سے خارج کیا گیا۔ کب کب اور کس کس کی تقریر کے نوٹس مانگے گئے۔ اور جب تک افسر مجاز نے اطمینان نہ کر لیا۔ اس وقت تک تقریر نہ ہونے دی۔ اور پھر یہ بھی بتایا جا سکتا ہے۔ کہ کب کب اور کن کن اخباروں کا ریاست میں داخلہ بند کیا گیا۔ کب کب اور کن کن لوگوں کا داخلہ بند کیا گیا۔ اور کب کب اور کن کن نامہ نگاروں کی تلاش ہوئی۔ اور کب کب اور کن کن لوگوں کو محض شک کی بنا پر ہی ملازمت سے الگ کر دیا گیا۔

ہم نہیں سمجھتے۔ کہ جو ریاست اپنی رعایا کی زبان اور قلم پر اتنی سخت پابندیاں عائد کرے۔ اس کا نظامِ حکومت کسی اصلاح کا محتاج نہ ہو۔

ریاست کشمیر کی یہ روش اتنی قابل افسوس ہے۔ کہ خود ہندوؤں کو بھی اس کی شکایت ہے۔ اور باوجود اس کے کہ مسلمانوں کی نسبت انہیں آزادی ہے۔ ان کے جلسوں اور جلوسوں پر اتنی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں۔ ان کے لیکچراروں کی اس طرح زبان بندیاں نہیں ہوتیں۔ ان کے اخباروں کا اتنی تعداد میں داخلہ بند نہیں ہوتا۔ جتنا کہ اسلامی اخباروں کا۔ مگر پھر بھی وہ حکومت کشمیر کی اس دقیانوسی پالیسی کو قابل مذمت قرار دیتے ہیں۔ اور اس رجعت پسندانہ بلکہ آزادی کش پالیسی کو بدلوانا ضروری سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی بہت سی تحریروں اور تقریروں سے ظاہر ہے۔ جن میں سے چند درج ذیل کی جاتی ہیں۔ جن کے پڑھنے سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ مسلمانان ریاست کی طرح دوسرے بھی ریاست کی اس پالیسی کے شاکی ہیں۔

ہمیں امید ہے۔ کہ مندرجہ ذیل اقتباسات پڑھ لینے کے بعد ہر فرقہ اور خیال کا آدمی مسلمانوں کی اس نوع کی شکایت کو بھی بجا اور درست سمجھ کر اس کے ازالہ کی کوشش کریگا۔

آزادئ تحریر کا حشر

ریاستی رعایا کو اخبارات کی کتنی ضرورت ہے۔ اور اسے اخبارات کے اجراء کے لئے کتنی دوڑ دھوپ کرنی پڑتی ہے۔ اور پھر بھی کس طرح ناکامی ہوتی ہے۔ اور ان حالات کے ماتحت کس طرح رعایا بیرونی اخباروں میں اپنے جذبات کا اظہار کرنے پر مجبور رہوتی ہے۔ اس کے متعلق ہندو مہا سبھائی اخبار ملاپ لاہور کے نامہ نگار کا مندرجہ ذیل مضمون پڑھیئے۔ جس کے پڑھنے سے ہمارے ایک ایک حرف کی تائید ہوگی۔ اور ساتھ ہی مسلمانان ریاست کی اس شکایت کی واقفیت کا بھی اندازہ ہو سکے گا:-

"ریاست کشمیر میں اجرائے اخبار کی اجازت کا اہم اور ضروری سوال عرصہ دراز سے زیر غور چلا آرہا ہے۔ ڈوگرہ پارٹی کے ایک نوجوان گریجوایٹ اس بارہ میں کوشاں ہیں۔ کہ اگر ان کو اجرائے اخبار کی اجازت دربار سے حاصل ہو جاوے۔ تو وہ اور انکی

پارٹی رعایائے ریاست کی خدمت کرنے کو تیار رہیں۔ ایک دو دفعہ یہ معاملہ معرض غور میں آکر نامنظور ہو چکا ہے۔ مگر اس پر بھی قطعی ناامیدی تصور نہیں کی گئی۔ آج کل مکرر کوشش ہو رہی ہے۔ کہ کونسل عالیہ میں یہ معاملہ بحری حضور مہاراجہ صاحب کے پیش کرا کر حکم حاصل کیا جاوے۔ دیکھیں اب کے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ ہماری اپنی رائے اس معاملہ میں یہ ہے۔ کہ ایسی اجازت مانگنے سے شاذونادر ہی ملا کرتی ہے"۔

"مدراس کے مدبر اور مینجی دان۔ ممبر لیجسلیٹو اسمبلی سر شیشا گری آئر نے دربار کشمیر کی اس غلطی کی طرف نہایت زوردار لفظوں میں توجہ مبذول کرائی تھی۔ مگر یہاں صدا سے برنخواست کا معاملہ ہے"۔

"پنجاب اور ہندوستان کے اخبارات اپنے اپنے مقررہ مشن میں مصروف ہیں۔ البتہ گاہے گاہے "بندے ماترم" اور "ملاپ" میں مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اور جس قدر رعایائے ریاست کو اخبارات کی مدد کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے موجودہ اخبارات میں سے بہت کم ایسے اخبار ہیں۔ جو زیادہ جگہ اپنے اخبارات میں معاملات کشمیر کے لئے وقف کریں۔ ہفتہ واری انگریزی یونائیٹڈ انڈیا اور انڈین ٹیز جو پہلے پانڈیچری مدراس سے شائع ہوتا تھا۔ اور اب دہلی سے نکل رہا ہے۔ ایک طرح سے کہنا چاہیئے۔ کہ ریاست کشمیر کے حالات کی عموماً اطلاع دیتا ہے لیکن چونکہ اخبار مذکور ایک انگریزی اخبار ہے۔ اور مضمون نگار ان بھی انگریزی دان ہیں۔ جو اپنی تحریرات بھیجتے ہیں۔ اس لئے عام رعایا کو اس کے مضامین سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔۔۔۔ ان کے علاوہ دوسرے اخبارات جو گاہے گاہے معاملات کشمیر کے متعلق کچھ مضامین شائع کرتے ہیں۔ رعایائے ریاست ان کی تہ دل سے مشکور

اور مرہون منت ہے۔ حال ہی میں "ملاپ" لاہور کے ایڈیٹر صاحب کے حُسن انتظام امید کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ کہ جس طرح "ملاپ" ہندوستان بھر میں کامیاب ہو رہا ہے۔ ریاست کشمیر میں بھی اسی طرح کامیاب اور طاقتور ثابت ہو۔ ایڈیٹر صاحب (ملاپ) سے درخواست ہے۔ کہ وہ ضرور اس طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ اور جب تک اجازت مندرجہ صدر حاصل نہیں ہوتی۔ بے دست و پا رعایائے ریاست کی جہاں تک اخبارات کا تعلق ہے۔ مدد اور رہنمائی فرمائیں۔ لالہ خوشحال چند جیسے ہونہار۔ عالی ہمت ایڈیٹر جنہوں نے ہندوستان کے ہر کونہ میں خود جاجا کر مصیبت زدگان کی امداد کی ہو۔ ان سے ایسی مدد و معاونت کی امید کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ایسی امید کی توقع رکھتے ہوئے (ریاست کے) مضمون نگاروں سے التماس ہے۔ کہ وہ اپنے قیمتی خیالات ظاہر فرمانے کے لئے اخبار ملاپ لاہور کو ایک ذریعہ بنائیں اور ایسے چیدہ چیدہ مختصر مضامین بھیجیں۔ جن سے دربار کشمیر کو رعایا ریاست کی تکالیف اور دیگر حالات ظاہر ہو سکیں۔ اور اس طرح (وہ) باخبر ہو کر اپنا ارادہ دربارہ عدم اجازت اجرا اخبار تبدیل کر لے"۔

(ملاپ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۱)

برطانوی ہند کے اخبار ریاست کے متعلق لکھیں تو انکا نام سیاہ فہرست میں اور داخلہ بند

اب یہ بھی دیکھ لیجئے۔ جب ریاستی رعایا اپنے دکھ درد کو ظاہر کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہ دیکھ کر بیرونی اخباروں میں اپنی شکایات کا اظہار کرتی ہے۔ تاکہ گورنمنٹ کشمیر ان کا ازالہ کرے تو پہلے ان اخبارات میں اشتہار دینے بند کر دئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا داخلہ بھی بند کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایڈیٹر صاحب پرتاپ نے لکھا اور اس پر اظہار تعجب کیا ہے:-

"ریاست جموں و کشمیر نے بھی اخبارات کی ایک سیاہ فہرست تیار کی ہے جس کسی سے مہاراجہ صاحب ناراض ہوں گے۔ اس کا نام اس فہرست میں رکھ دیا جائیگا اس فہرست پر آنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ اخبارات میں ریاست کا کوئی اشتہار شائع نہ ہوگا۔ ایسے اخبارات کی پہلی فہرست شائع بھی ہو چکی ہے یہ بھی دھمکی دی گئی ہے۔ کہ اگر ان اخبارات نے ریاست کے نظم و نسق پر نکتہ چینی جاری رکھی تو ان کا داخلہ قلمرو جموں و کشمیر میں بند ہو جائے گا۔ . . . . دوسرے اخبار اپنی جانیں۔ لیکن "پرتاپ" تو یہ سوچتا ہے۔ کہ اسے یہ عزت کن خدمات کے عوض دی گئی ہے۔ اس نے تو اس وقت تک ریاست کے نظم و نسق پر نکتہ چینی نہیں کی۔" (پرتاپ ۱۹ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ۶)

مگر یہیں پر معاملہ ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ جو ریاستی بیرونی اخباروں میں مضامین لکھتے ہیں۔ ان کی تلاش کی جاتی ہے۔ تا کہ یا تو ان پر مقدمہ چلایا جائے۔ یا انہیں لالچ دیکر خاموش کیا جائے۔

ریاستی نامہ نگاروں کی تلاش لالچ یا مقدمہ بنا کر خاموش کر دینے کی کوششیں

ایڈیٹر اخبار کیسری لکھتا ہے۔ کہ:۔

"جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی لائق آدمی ارباب بست و کشاد کی سینہ زوریوں اور کمزوریوں کا راز کھولنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ تو اس پر مقدمہ کرنے کی ہر ایک کوشش کی جاتی ہے۔ چنانچہ ہمارے نامہ نگار صاحب تحریر کرتے ہیں۔ کہ ۵ رمئی میں مدراس کے انگریزی اخبار سوراجیہ میں کشمیر کے حالات کی جو تصویر کسی رازدان اور واقف صاحب نے کھینچی ہے۔ اس نے ارا کین کونسل کے خاص گروہ کو سخت تشویش و تذبذب میں ڈال دیا ہے۔ اور وہ اس کوشش میں ہے۔ کہ صاحب مضمون جو مانگے لے لے۔ لیکن اپنی منہ مانگی مراد پا کر سلسلہ مضامین

کو بند کردے۔ چنانچہ اپنے اس خیال کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے پولیس اور سی آئی ڈی کو راقم کا پتہ لگانے پر مامور کر دیا گیا۔ اور انہوں نے پتہ پتہ چھان مارا مگر راقم مضامین کا پتہ نہ ملنا تھا نہ ملا۔ لہذا ابلاچار ہو کر یہ تجویز سوچی گئی کہ ایک مدراسی صاحب کو کونسل بنا دیا جائے۔ تاکہ احاطہ مدراس میں اپنے رسوخ کو کام میں لاکر صاحب مضمون کا پتہ لگائے۔ اور اس ذریعہ سے اس کی زبان بند کرنے یا اس کو خوفزدہ کرنے کا بندوبست کیا جائے" (اخبار کیسری لاہور ۱۸ مئی ۲۴ء ص ۲)

ہندو سبھائی اخباروں کے محولہ بالا بیانات پڑھ لینے کے بعد ہمارے ناظرین کو یقین آگیا ہوگا۔ کہ اس بارہ میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ واقعی درست اور راست ہے۔ اور اسی سے یہ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ جب ہندو ریاست کی اس پالیسی کے ہندو شاکی ہیں۔ تو غریب مسلمان کس قدر نالاں ہوں گے۔ اور انہیں اپنی آواز مہاراجہ صاحب بہادر وزرائے ریاست اور عام پبلک تک پہنچانے کی کتنی ضرورت ہوگی۔ جبکہ مظلوم اور ستم رسیدہ وہی ہیں۔ اور انہیں کے ساتھ قدم قدم پر غیر ہمدردانہ سلوک ہوتا ہے۔ اور وہی ناانصافیوں اور سرد مہریوں کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ تو تھا قلم کی آزادی کے متعلق مہاسبھائیوں کا خیال اب زبان کی آزادی کے متعلق بھی سن لیجئے۔ کہ وہ بھی کس طرح اس سے پریشان اور اس کا ازالہ کروانے کے متمنی رہے ہیں۔

آزادیٔ تقریر کا حشر

ریاست کا ایک غیر مسلم نامہ نگار اخبار کشمیری میں ڈوگرہ سبھا کے اجلاس کی کارروائی لکھتا ہوا آزادی تقریر کے متعلق ریاست کے ہندوؤں کا زاویہ نگاہ بتلاتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اس کے الفاظ نقل کریں۔ یہ بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ جموں کی ڈوگرہ سبھا کے چند مسلمان بھی ممبر ہیں۔ جو عموماً حکومت پرست اور رجعت پسند ہیں۔ جب ڈوگرہ سبھا میں یہ ریزولیوشن پیش ہوا۔ کہ تقریر پر جس قدر پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ ان کو دور کیا جائے۔ تو بقول نامہ نگار

اس سبھا کے چند مسلمان ممبروں نے اس ریزولیوشن کی مخالفت کی اور اسے پیش نہ ہونے دیا۔ اور وجہ یہ بتلائی۔ کہ اگر تقریروں پر سے پابندیاں اٹھالی گئیں۔ تو ہندو لیکچرار بزرگان اسلام کے خلاف کہا کریں گے۔ جن سے مسلمانوں کی دلآزاری ہو گی۔ حالانکہ ان لوگوں کا یہ کہنا محض اس غرض سے تھا۔ کہ کسی طرح حکومت ان کی اس مخالفت سے خوش ہو۔ ورنہ یہ کیا بات کہ آزادی تقریر کا حق اس لئے نہ ملنا چاہیئے۔ کہ اس سے دلآزاری ہوگی۔ اس دلآزاری کا انتظام تو الگ قانون کے ذریعہ بھی کروایا جا سکتا ہے۔ لیکن بہرحال یہ چند آدمیوں کا خیال تھا۔ نہ کہ عام مسلمانوں کا جو کہ دن رات اسی اُدھیڑ بُن میں ہیں کہ ریاست تقریر اور تحریر سے پابندیاں اٹھالے۔ یہ چند الفاظ ہم نے اس لئے لکھ دئے ہیں۔ تاکہ نامہ نگار کا مضمون پڑھتے ہوئے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو۔ کہ ریاست کے مسلمان تو اس قانون کی مخالفت کر چکے ہیں۔ اب وہی کیوں اس پر زور دے رہے ہیں۔ اب ڈوگرہ سبھا کا رزولیوشن عام ہندو پبلک کی تائید اور اس قانون کی مضرات پر نامہ نگار کا تبصرہ ملاحظہ ہو۔ جو مسلمانان ریاست کے اس مطالبہ کی حرف بحرف تائید کرتا ہے۔ لکھا ہے۔ کہ:۔

"ڈوگرہ سبھا جموں کا جلسہ سالانہ ۱۴ و ۱۵ مارچ ۱۹۲۵ء کو ڈوگرہ ہال جموں میں نہایت رونق اور کامیابی سے منعقد ہوا۔ . . . . . جلسہ کی کارروائی کا سب سے ضروری حصہ ڈوگرہ سبھا کے وہ متعدد رزولیوشن ہیں۔ جو جلسہ کے دو دنوں میں پیش اور پاس ہوتے رہے۔ . . . سب سے پہلا رزولیوشن جو پیش کیا گیا۔ وہ ریاست کے "پبلک میٹنگس نوٹیفکیشن" کے متعلق تھا۔ اور نہایت ضروری اور اہم رزولیوشن تھا۔ مگر ملک کی بدقسمتی سے یہ رزولیوشن پاس نہ ہو سکا۔ اس رزولیوشن کی تحریک اور تائید تو بہت زبردست اور کافی ہوئی تھی۔ مگر مسلمان اصحاب (جو چند ایک تھے۔ ناقل) کی طرف سے اس رزولیوشن کی بہت مخالفت کی گئی۔ اور آخر کار اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اس رزولیوشن کے محرک لالہ ملک راج صاحب ایڈیٹر رنبیر

نے رزولیوشن واپس لے لیا۔ اور اس ناگوار بحث کا خاتمہ کر دیا۔ جو اس رزولیوشن سے پیدا ہو گئی تھی۔ یہ ملک کی بد بختی ہے۔ کہ ایسے بیہودہ قانون کی حمائت کے لئے جس نے ریاست کی نہایت پر امن اور بے زبان اور بے کس رعایا کی نام نہاد آزادی پر اس قدر شدید اور ناقابلِ برداشت پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ ایک فریق (صاحب! فریق نہیں چند آدمی۔ ناقل) . . . . ممکن ہے مسلمان بھائیوں کا یہ خیال (بزرگوں کی دلآزاری) کسی حد تک معقول و صحیح ہو۔ لیکن محض یہ خیال اس آزادی کُش اور ننگِ انسانیت قانون کے جواز کے لئے کافی نہیں . . . جملہ رعایائے ریاست پر اور تمام حدود ریاست میں اس قانون کا نفاذ نہایت غیر ضروری اور قابلِ اعتراض ہے۔ اس قانون کی رُو سے بلا اجازت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نہ کوئی جلسہ منعقد کر سکتا ہے۔ نہ کوئی تقریر ہو سکتی ہے۔ اور نہ کوئی جلوس نکالا جا سکتا ہے ظاہر ہے۔ کہ اس قسم کا قانون انسانی حقوق اور انسانی آزادی کے لئے ایک شدید خطرہ ہے . . امید ہے مسلمان بھائی اس معاملہ پر زیادہ وسعت نظر سے کام لے کر اس قانون کی منسوخی کے متعلق ہندو بھائیوں سے اشتراک عمل کر کے بڑی ملکی اور قومی خدمت انجام دیں گے۔ (اطمینان رکھیئے! ریاست کے تمام مسلمان اس کے حق میں ہیں۔ سوائے دس پانچ ٹوڈی مسلمانوں کے۔ ناقل) اس کی مخالفت میں سب مسلمان تھے۔ اور موافقت میں سب ہندو تھے۔ (سب مسلمانوں کی تعداد آپ ہی بتلا دی ہے۔ ناقل) کہ مسلمانوں کی صرف تین چار (مخالف) رائیں تھیں۔ اور ہندوؤں کی رائوں کی تعداد ہزاروں کی تھی۔ اگر رائے شماری کے اصول پر اس کا فیصلہ کیا جاتا۔ تو رزولیوشن کا

پاس ہونا بالکل یقینی تھا" (کشمیری ۱۹- مارچ ۲۵ء صلا)

ڈوگرہ سبھا جموں کی یہ کارروائی اور نامہ نگار کے تمام ریمارکس اس قابل ہیں۔ کہ ان کو مکرر پڑھا جائے۔ تاکہ برطانوی ہند کے ہندو بھی سمجھ لیں۔ کہ علاوہ مسلمانوں کے ریاست کے ہندو بھی اس قسم کے آزادی کُش قوانین کے ہاتھوں پریشان اور سخت نالاں ہیں۔ کیا ہم امید رکھیں۔ کہ ہر ایک وہ شخص جو اپنے لئے تحریر اور تقریر کی آزادی پسند کرتا ہے۔ ان ریاستیوں کو بھی یہ حق دلانے کے لیئے آواز بلند کرے گا۔

دسویں شکایت

مذہبی مداخلت اور اشاعت اسلام میں روکاوٹوں کے متعلق

مسلمانان ریاست کو دسویں شکایت یہ ہے۔ کہ جہاں ریاست کی طرف سے ہمارے مذہبی احساسات کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ ہماری خوراک پر پابندیاں عائد ہیں۔ ہماری بعض مسجدیں اس کے قبضہ میں ہیں۔ وہاں اشاعت اسلام میں بھی روکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔ حالانکہ سالہا سال سے گورنمنٹ کشمیر کو توجہ دلائی جاتی رہی۔ ریاست کے بعض افسروں کے فرقہ وارانہ رویہ کی اطلاع دی جاتی رہی۔ جلسوں میں ریزولیوشن پاس کر کر کے بھیجے گئے۔ اخباروں میں واویلا کیا گیا۔ مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اور بدستور گاؤکشی "امر ناجائز" سمجھ کر مسلمانوں کو کڑی سے کڑی سزائیں دی جاتی ہیں[1]۔ اب بھی برت اور

---

[1] انقلاب کا کشمیری نامہ نگار بتلاتا ہے۔ کہ:۔

"اگر مسلمان سنت خلیل اللہ پر عمل پیرا ہو کر اللہ کی راہ میں گائے کی قربانی دیتا ہے۔ اور اس کے گوشت کو حلال وطیب جان کر اپنے استعمال میں لاتا ہے۔ تو اس کی اس گاؤکشی کو "امر ناجائز" کا نام دیا جاتا ہے۔ اور ہر وہ آدمی جس سے اس "جرم" کا ارتکاب ہوتا ہے۔ سات سال کے لئے زندان میں محبوس کر دیا جاتا ہے۔ اور آپ یہ سُنکر حیران ہونگے۔ کہ جب سے اس قانون

اماوس کے دنوں میں ہر قسم کا گوشت کھانے سے جبراً باز رکھا جاتا ہے۔ اب بھی کئی مسجدیں حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ اور اشاعت اسلام میں روک ڈالنے کے لئے اس وقت بھی یہ قانون موجود ہے۔ کہ جو ہندو مسلمان ہوگا۔ وہ جائداد سے محروم کر دیا جائیگا:۔

اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اس روشنی اور تہذیب کے زمانہ میں اس قسم کا تعصب اور تنگدلی کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اور پھر مہاراجہ ہری سنگھ بہادر ایسے روشن خیال حکمران کے عہد میں۔ جنہوں نے اپنا ماٹو اور نصب العین ہی یہ بنا رکھا ہو۔ کہ:۔

"میرے لئے سب قومیں برابر ہیں۔ بہ حیثیت رئیس میرا کوئی دھرم نہیں۔ سب دھرم میرے ہیں۔ اور میرا دھرم انصاف ہے"

جب ہندوؤں کی خوراک پر کسی قسم کی پابندیاں عائد نہیں۔ جب سکھوں اور دیگروں کی خوراک پر کسی قسم کی پابندیاں عائد نہیں۔ تو مسلمانوں کی خوراک ہاں وہ خوراک جو ان کے مذہب کی رُو سے جائز ہے۔ کس طرح ناجائز قرار دی جانی مناسب اور قرین انصاف ہے؟ جب ہندوؤں کے معابد آزاد ہیں۔ سکھوں کے معابد آزاد ہیں۔ عیسائیوں کے معابد آزاد ہیں۔ تو مسلمانوں ہی کی بعض مسجدیں کیوں گورنمنٹ نے قبضہ میں کر رکھی ہیں؟ نہ صرف یہی بلکہ ان سے شاہی سٹور۔ بارود خانہ اور اصطبلوں کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

گاؤکشی کو قانون کے زور سے روکنا اور برتا اور اماوس کے دنوں میں ہر قسم کے گوشت کا استعمال ممنوع قرار دینا کیا کھلا کھلا جبر نہیں؟ لیکن اگر مسلمانان کشمیر دوسروں کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے اس سے درگذر بھی کر لیں۔ مگر مسجدوں کی علانیہ بے حرمتی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۲:۔ کا نفاذ ریاست کشمیر میں ہوا ہے۔ اس وقت سے لے کر اس وقت تک آٹھ ہزار کے قریب فرزندان توحید اس جرم کی پاداش میں جیلخانوں کی زندگی بسر کر چکے ہیں۔ اور روایت ہے کہ ایک دفعہ قصبہ بڈہالی قاضیال جو کہ رنبیر سنگھ پورہ تحصیل میں ہے۔ محض اس جرم کے باعث آتش میں جلا دیا گیا تھا۔ کہ وہاں کے لوگوں نے ایک "سانڈھ" کو جو ان کی فصلوں کو تباہ کرتا تھا۔ ذبح کر لیا تھا"۔ (انقلاب ۱۲۔ اکتوبر سنہ ۳۱ء)

دیکھ کر کس طرح وہ خاموش رہ سکتے ہیں؟ کیا ایک روشن ضمیر حکمران کی حکومت میں ایک قوم کی مذہبی عمارتوں کا واگذار نہ کیا جانا قابل تعجب نہیں؟ جس طرح یہ قابل تعجب بات ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ تعجب ناک یہ امر ہے۔ کہ مسلمانوں کے مسلسل واویلا کرنے پر بھی تا حال ریاست میں یہ قانون موجود ہے۔ کہ جو ہندو برضا و رغبت مسلمان ہو جائے۔ وہ اپنی جائداد سے محروم کر دیا جائے۔ اور یہ ایسی بات ہے۔ جو ہر ایک کو یہ خیال کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ کہ ریاست تبلیغ اسلام کو پسند نہیں کرتی۔ اس کی ترقی و اشاعت کو بُری نظر سے دیکھتی ہے۔ بلکہ چاہتی ہے۔ کہ اس کی اشاعت نہ ہو۔ کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس قسم کی روکاوٹیں ڈالنے کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ جب ریاست شدھی کی راہ میں کسی قسم کی روکاوٹیں نہیں ڈالتی۔ تو تبلیغ کے رستہ میں اڑچنیں پیدا کرنے کا کیا مطلب؟ جب آریہ سماجی اُپدیشک ریاست کے ہزاروں باشندوں کو شدھ کر کے آریہ بنا رہے ہیں اور ان کے کام میں کسی قسم کی روک پیدا نہیں کی جاتی۔ تو مسلمانوں ہی کو اس حق سے کیوں محروم رکھا جاتا ہے؟ جس حالت میں کہ ریاست کے بعض عہدہ دار شدھی بازوں کی علانیہ امداد کرتے ہیں۔ شدھی کو کامیاب بنانے میں آریہ اپدیشکوں کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ جیسا کہ اخبار ملاپ نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں "ریاست جموں میں پچاس گاؤں کی شدھی" کی خبر درج کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ "ڈپٹی کمشنر صاحب۔ تحصیلدار صاحب اور تھانیدار صاحب نے اس شدھی کو کامیاب بنانے کے لئے پورا پورا انتظام کیا۔"

(منقول از بلیٹن اخبار ۲۸ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۳)

تو کیا ریاست ہی کے بعض عہدہ داروں کو یہ زیبا ہے۔ کہ تبلیغ اسلام کے راستہ میں روکیں ڈالیں۔ تبلیغ کرنے والوں کو تنگ کریں۔ جو ہندو یا اچھوت مسلمان ہو جائیں انہیں دق کریں اور دکھ دے دے کر اسلام سے برگشتہ کرنیکی کوشش کریں؟

اول تو سرکاری عہدہ داروں کو یہ حق ہی نہیں۔ کہ "شدھی کو کامیاب بنانے کیلئے پورا پورا انتظام" کریں۔ لیکن اگر انہیں ایسا حق حاصل ہے۔ تو کیا اس کے ساتھ ہی انہیں یہ بھی حق پہنچتا ہے۔ کہ اشاعت اسلام کو ناکام بنانے کا جتن کیا کریں؟۔ اگر انہیں یہ حق نہیں پہنچتا اور یقیناً نہیں پہنچتا۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ آئے دن اخباروں میں اس قسم کی افسوسناک خبریں پڑھنے میں آتی ہیں۔ کہ بعض ریاستی عہدہ دار تبلیغ کے راستہ میں روکیں پیدا کرتے ہیں۔ جو لوگ تبلیغ کریں۔ نہ صرف انہیں تنگ اور پریشان کرتے ہیں۔ بلکہ ان پر طرح طرح کے الزام لگا کر قید و بند کی مصیبتوں میں بھی ڈال دیتے ہیں۔ اور غرض محض یہ ہوتی ہے۔ کہ ان کی اس دردناک حالت کو دیکھ کر کسی اور کو تبلیغ اسلام کی جرأت نہ ہو۔[1]

ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ اس قسم کی ظالمانہ کارروائیاں مہاراجہ صاحب بہادر کے ایما سے ہوتی ہیں۔ یا انہوں نے ماتحت عملہ کو اس قسم کی مذموم کارروائیوں کی اجازت دے رکھی ہے۔

---

[1] اس قسم کے بہت سے واقعات درج کئے جا سکتے ہیں مگر قلتِ جگہ کے باعث نمونۃً صرف ایک ہی نقل کیا جاتا ہے۔ ضلع میرپور کے ایک نامہ نگار نے اخبار کشمیری میں شائع کیا تھا۔ کہ:-

"اسی ضلع میں دو۲ عورتیں برضا و رغبت خود مسلمان ہو گئیں۔ ان کے مسلمان ہونے کی بدولت موضع بگلہ اندروٹھ تحصیل راجوری کے دو تین سو مسلمان ڈیڑھ سال سے برابر پولیس اور حکام کے تشدد کی بدولت تباہ ہو رہے ہیں۔ اس نو مسلم (نور بیگم) کو اور اس کے ہمراہی تین مسلمانوں کو قید کرا دیا گیا۔ جب وہ ہندو نہیں ہوئی۔ تو ڈاکہ کا الزام بنا کر سارا گاؤں تباہ کرا دیا گیا۔ اس وقت کئی مسلمان محض اس لئے کہ انہوں نے اس نو مسلم عورت کو کیوں پناہ میں رکھا۔ راجوری کی حوالات میں زیر عتاب ہیں"

(کشمیری لاہور ۲۱ اگست ۱۹۲۵ء صفحہ ۸)

یا ریاست کا کوئی ایسا قانون ہے۔ جس کے ماتحت یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔ بلکہ ہمارے کہنے کا صرف یہ مطلب ہے۔ کہ ریاستی عہدہ داروں میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو اپنے اثر، رسوخ اور اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے اشاعت اسلام کو روکنا چاہتے ہیں۔ اور ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر عہدہ دار اس قسم کی حرکات کے مرتکب نہ بھی ہوں اور ان کی اسلام دشمنی کی جس قدر داستانیں آئے دن اخباروں میں چھپتی رہتی ہیں وہ سرتاپا غلط اور بے بنیاد ہی کیوں نہ سمجھ لی جائیں۔ مگر جب خود ریاست کا ایک صاف اور واضح قانون موجود ہے۔ کہ جو ہندو مسلمان ہوگا۔ وہ جائداد سے محروم کر دیا جائے گا۔ تو ایسی حالت میں اور کوئی تبلیغ کی راہ میں روکیں ڈالے یا نہ ڈالے۔ کیا اکیلا یہی قانون اشاعت اسلام کے راستہ میں کافی سے زیادہ روک نہیں؟ کیا خیال بھی کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ ہندو جو اسلام کو دل سے پسند کرتے ہیں اور ان کی خواہش ہے۔ کہ حلقۂ بگوش اسلام بن جائیں۔ مگر وہ ریاست کے اس قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی جرأت کریں گے؟ اور اگر انہوں نے ایسا کر بھی لیا۔ تو کیا ان کے ساتھ یہ صریح زیادتی نہ ہوگی۔ کہ کسی جرم یا گناہ کے بدلہ نہیں۔ بلکہ صرف اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے انہیں جائداد اور املاک سے محروم کر دیا جائے؟

مگر ہمیں توقع ہے۔ کہ تمام وہ انصاف پسند اصحاب خواہ وہ کسی مذہب یا عقیدہ کے پابند ہوں۔ اس قسم کے نامنصفانہ قانون کو منسوخ کرانے کے حق میں آواز بلند کریں گے۔ بلکہ ہم تو یہ بھی توقع رکھتے ہیں۔ کہ خود مہاراجہ صاحب بہادر بھی اپنے "انصاف دھرم" پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس پر خطِ نسخ پھیر دیں گے۔

لیکن اگر بدقسمتی سے ہماری یہ توقع پوری نہ ہوئی۔ (جس کے پورا ہونے کی ہمیں کامل امید ہے) تو پھر ہم یہ سمجھ لینے پر مجبور ہوں گے۔ کہ اس ریاست میں مسلمانوں کو ملازمتوں سے محروم رکھنا۔ ان کی تعلیم کا انتظام نہ کرنا۔ ان کی مفلسی اور قلاشی کو دور نہ کرنا۔ ان کی تجارت اور دستکاری کی حفاظت نہ کرنا۔ ان کی زمینوں کو ریاست کی ملکیت سمجھنا۔

خالص اسلامی علاقوں میں غیر مسلموں کو جاگیریں دینا۔ ان پر طرح طرح کے ٹیکس لگانا۔ ان سے غیر مساویانہ و نامنصفانہ سلوک کرنا۔ ان کی خوراک پر پابندیاں عائد کرنا۔ ان پر بیگار کی لعنت مسلط کرنا اس لئے اور محض اس لئے ہے۔ کہ کسی طرح وہ ذلیل اور خوار ہو کر یہ سمجھ لیں۔ کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ محض مسلمان ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور ان ذلتوں۔ رسوائیوں۔ تباہیوں اور بربادیوں سے نجات تبھی ملے گی۔ جبکہ ہم بھی ہندو ہو جائیں۔ اور اسطرح مہاراجہ رنبیر سنگھ آنجہانی کی وہ پرانی سکیم کامیابی کا منہ دیکھے۔ جو انہوں نے مدت ہوئی۔ ریاست کے تمام مسلمانوں کو ہندو بنا لینے کے متعلق بہت سے پنڈتوں کے مشورہ سے بنائی تھی۔ لہ

مسلمانان ریاست کی جن دس شکایات کا اعادہ کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی اور کئی شکایات ہیں۔ مگر چونکہ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اس لئے باقیماندہ کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ بلکہ ان شکایات پر بھی تفصیل کے ساتھ نہیں لکھا جا سکا۔ حالانکہ اگر ان میں سے ہر ایک شکایت کو شرح و بسط کے ساتھ لکھا جاتا۔ وضاحت کے لئے مثالیں پیش کی جاتیں۔ واقعات قلمبند کئے جاتے۔ اور ہر ایک شکایت کی ایک ایک شق پر روشنی ڈالی جاتی۔ تو صرف اسی کام کے لئے دو تین سو صفحات کی ضرورت پڑتی۔ مگر چونکہ موجودہ حالات میں ہمارے پاس نہ اتنا وقت ہے نہ جگہ۔ اس لئے مجبوراً اختصار ہی سے کام لینا پڑا ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں۔ کہ ناظرین اس اجمال سے بھی بہت کچھ معلوم کر سکے ہوں گے۔ اور انہیں علم ہو گیا ہوگا۔ کہ جن ۳۲ لاکھ بے زبانوں کے متعلق نہایت ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ "ریاست کشمیر میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں" وہ کس قدر دکھی۔ کس قدر ستم رسیدہ اور کس قدر تباہ حال اور ذلیل ہو رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی جان لیا ہوگا۔ کہ ان کی خستہ حالی۔ افلاس۔ واماندگی اور بدحالی کا باعث کیا ہے۔ اب حالات سے واقف ہو جانے کے بعد ناظرین خود ہی بتلائیں کہ یا مندرجہ بالا دس شکایات میں سے کوئی ایک بھی ناواجب کہی جا سکتی ہے؟ کیا جو سالہا سال سے چوپایوں

کی سی زندگی بسر کرتے رہے۔ وہ اگر آج انسانیت سے لذت آشنا ہونے کی خواہش کریں تو کیا ایسی حالت میں یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ وہ "سازش" اور "بغاوت" کے مرتکب ہوتے ہیں یا ان کا اس قسم کی شکایات کا ازالہ کروانا ریاست میں مسلم راج قائم کرنے کا مترادف سمجھا جا سکتا ہے؟

ہم اپنے ان ہندو۔ سکھ اور عیسائی ہموطنوں سے پوچھتے ہیں۔ جو انصاف پسند اور سچائی کے حامی ہیں۔ کیا مسلمانان ریاست کی منقولہ بالا دس شکایات میں سے کوئی ایک بھی شکایت ایسی ہے جسے ناجائز قرار دیا جا سکے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو کیا ہم آپ سے امید رکھیں۔ کہ ان خستہ حال اور بے زبان لوگوں کو ان کی جائز شکایات کا ازالہ کروانے کیلئے اپنی طرف سے ہر ممکن اخلاقی امداد دیں گے۔ اس کے بعد ہم خود مہا سبھائی دوستوں سے بھی پوچھتے ہیں۔ اور وہ انصاف سے کام لیتے ہوئے بتلائیں۔ کہ ۳۲ لاکھ انسانوں کا موجودہ ذلیل اور اندوہناک حالت سے نکلنے کے لئے حکومت وقت سے یہ مطالبہ کرنا کہ دوسری قوموں کی طرح ہمیں بھی حکومت کے کاموں میں شریک کیا جائے ہمیں بھی دوسروں کی طرح زیور علم سے مزین کیا جائے۔ ہمیں بھی غربت و افلاس کی مصیبت سے نکالا جائے۔ ہمارے لئے بھی کام مہیا کیا جائے۔ ہم میں سے جو زراعت پیشہ ہیں۔ ان کے مصائب کا بھی خاتمہ کیا جائے۔ ہم پر سے بیگار کی لعنت کو دور کیا جائے۔ چونکہ ہم بھی دوسروں کی طرح مہاراج کی رعایا ہیں۔ اس لئے ہمارے ساتھ بھی مساویانہ برتاؤ کیا جائے۔ ہمیں تقریر اور تحریر کی آزادی دیجائے۔ جس مذہب کو ہم منجانب اللہ سمجھتے ہیں۔ اس کی اشاعت میں کسی قسم کی روک نہ ڈالی جائے۔ اور نہ ہی ہمارے دینی و مذہبی جذبات کی توہین کی جائے۔ تو کیا ان مطالبات کو "ریاست کشمیر میں مسلم حکومت قائم کرنے والے مطالبات" کہا جا سکتا ہے؟ یا ان مطالبات کی بنا پر انہیں "سازشی" اور "باغی" کہا جا سکتا ہے؟ اگر مسلمانان کشمیر اپنی ذلتوں۔ تباہیوں اور پامالیوں کے

اسباب معلوم کر لینے کے بعد یہ مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ چونکہ گذشتہ ایام میں حکمرانوں کی طرف سے جن لوگوں کے سپرد رعایا کی فلاح وبہبود کا کام کیا گیا تھا۔ ان کی سردمہریوں اور غیر ہمدردانہ روش نے ہماری حالت بد سے بدتر کر دی ہے۔ اس لئے آئندہ ہم دوسروں کی طرح خود بھی حکومت کے کاروبار میں اپنا ہاتھ اپنی رائے اور آواز ضروری سمجھتے ہیں۔ تو کیا ان کی اس خواہش کا یہ مطلب لینا چاہیئے۔ کہ وہ مہاراجہ صاحب بہادر کو معزول کر کے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں؟ اگر آج تک دوسرے لوگوں کا ریاست کے ۹۹ فیصدی کاروبار میں دخیل کار بنے رہنا مہاراجہ صاحب بہادر کی معزولی تخت کا باعث نہ بنا تو کیا جب مسلمان صرف اپنی آبادی کے تناسب سے دنہ کہ ۱۰۰ فیصدی، حکومت کے کاموں میں حصہ لینے کے طالب ہوں۔ تو ان کے متعلق یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ وہ مہاراجہ صاحب بہادر کو تخت حکومت سے محروم کر دینا چاہتے ہیں؟ اگر غیر مسلم ۹۹ فیصدی کے حساب سے آجتک حکومت کے کاموں میں حصہ لیتے رہے۔ اور اس سے مہاراجہ صاحب بہادر کے اقتدار اور اختیارات میں کسی قسم کی کمی نہ آئی۔ تو کیا مسلمانوں کا ۱۰۰ فیصدی تناسب سے نہیں۔ بلکہ محض اپنی تعداد کی نسبت سے کارخانہ حکومت میں حصہ مانگنا ریاست میں اسلامی راج قائم کرنے کا موجب بن جائے گا؟

جن لوگوں کو ریاستی مسلمانوں کے ساتھ رہنے یا ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ وہ جانتے ہوں گے۔ کہ یہ لوگ کس قدر صابر اور قانع ہیں اور ان کی یہ عادت صبر و قناعت ہی تھی۔ جس نے آجتک ان کے لبوں پر مہر سکوت لگائے رکھی۔ اور یہ مہر اس وقت تک نہ ٹوٹی جب تک کہ ان کا پیمانہ صبر لبریز نہ ہو گیا۔

ہمارا تو یہ خیال ہے۔ نہیں بلکہ یقین ہے۔ کہ اگر ان بے زبان اور قناعت پسند لوگوں کو اتنی بیدردی اور بے رحمی کے ساتھ دبایا۔ کچلا اور پیسا نہ جاتا تو یہ اس قسم کے مطالبے کبھی بھی پیش نہ کرتے۔ کہ آئندہ دوسروں کی طرح ہمیں بھی کاروبار حکومت میں شرکت کا

موقع دیا جائے۔ ان لوگوں کو حکومت کرنے کا شوق نہیں تھا۔ عہدے لینے کی ہوس نہیں تھی۔ بڑا بننے کا خیال نہیں تھا۔ یہ تو صرف امن اور آسائش کی زندگی بسر کرنا ہی کافی سمجھتے تھے۔ اگر شروع ہی میں ان کے آرام اور آسائش کا خیال رکھا جاتا۔ ان سے انسانوں والا سلوک کیا جاتا۔ ان کی تجارت ان کی صنعت ان کی زراعت اور کاروبار کو اپنی بے مہریوں اور لاپرواہیوں سے تباہ و برباد نہ ہونے دیا جاتا۔ ان پر ٹیکسوں اور نذرانوں کا بوجھ نہ لادا جاتا۔ ان پر بیگار اور کار سرکار کی بلا مستطہ نہ کی جاتی۔ ان کو پیٹ کی خاطر دوسرے ملکوں میں خاک چھاننے سے بچایا جاتا۔ تو یہ صابر اور قانع لوگ اسی کو غنیمت سمجھتے۔ اگر ریاست کے ارباب بست و کشاد ان کے ساتھ تلطف و ملائمت کا سلوک کرتے۔ ان کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھتے۔ ان کو زبان و قلم کی آزادی سے شادکام بنائے رکھتے۔ ان کے مذہبی اور قومی جذبات سے نہ کھیلتے۔ تو انہیں اس بات کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ کہ حکومت کے کاموں میں ان کو بھی شریک کیا جائے۔ اگر ریاست کا انتظام کرنے والے۔ کارخانۂ حکومت کو چلانے والے آغاز حکومت ہی سے ان کے ساتھ ہمدردی و شفقت کا برتاؤ کرتے۔ ان کو اپنا ہی بھائی بند سمجھتے اور ان کی راحت میں اپنی راحت اور ان کے دکھ میں اپنا دکھ سمجھتے۔ تو یہ صابر اور قانع لوگ اس کو بہت بڑی نعمت سمجھتے۔ اور انہیں عہدے لینے بلا زمتیں حاصل کرنے یا اسمبلی قائم کروانے کی ضرورت ہی نہ محسوس ہوتی۔ اب اگر یہ لوگ اس قسم کے مطالبات کرتے ہیں۔ تو حالات سے مجبور ہو کر۔ اور محض اس وجہ سے کہ حکومت کے کاموں سے دُور دُور رہنے کے باعث جو ذلتیں۔ رسوائیاں اور پامالیاں ہوتی ہیں۔ آئندہ ان کا دروازہ بند ہو جائے۔ اگر عمال ریاست اپنے فرائض کو منصفانہ طور پر انجام دیتے۔ ان کے حقوق کا خیال رکھتے۔ ان کی بہتری اور بہبودی کو مدنظر رکھتے۔ تو انہیں کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہ آتا کہ حکومت میں ہمارا بھی ہاتھ ہونا چاہیئے۔ ان کے اندر اگر اس قسم کا خیال پیدا ہوا ہے۔ تو محض اپنی حد و انتہا سے بڑھی ہوئی ذلت۔ رسوائی اور بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے۔

چونکہ اصلاح حال کے لئے وہ عرضداشتیں بھیج بھیج کر دیکھ چکے۔ رزدلیوشن پاس کر کر کے دیکھ چکے۔ اخباروں میں شور ڈال ڈال کر دیکھ چکے اور کچھ نہ بنا۔ اس لئے انہیں مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچنا پڑا۔ کہ جب تک حکومت میں ہماری آواز نہ ہوگی۔ کاروبار ریاست میں ہمارا بھی ہاتھ نہ ہوگا۔ اس وقت تک حالات کی درستگی نہ صرف مشکل بلکہ محال ہے۔

ہر چند کہ انہیں جاہ و امارت کی خواہش نہ تھی۔ ملازمتوں اور عہدوں کی ہوس نہ تھی مگر چونکہ اصلاح حال کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی۔ اس لئے مجبور ہو کر انہیں اس قسم کا مطالبہ کرنا پڑا۔ لیکن ان کے مطالبہ کے متعلق یہ نہ سمجھ لیا جائے۔ کہ وہ کوئی ناجائز اور ناقابل قبول بات منوانا چاہتے ہیں۔ یا ان کا مطالبہ اخلاقاً۔ قانوناً اور سیاستاً ناواجب اور نامعقول ہے۔ بلکہ اخلاق۔ قانون اور سیاست کی رُو سے بھی بالکل جائز اور معقول مطالبہ ہے۔ اور ہر ایک وہ شخص جو سیاست سے واقف ہے جسے ملکوں اور قوموں کی اصلاح و ترقی کے نئے نئے وسائل اور ذرائع کا علم ہے۔ وہ یہی کہے گا۔ کہ جب تک لگان۔ مالیہ اور ٹیکس دینے والوں کی حکومت میں آواز نہ ہو۔ اور سلطنت میں ان کا ہاتھ نہ ہو۔ کاروبار مملکت میں ان کا حصہ نہ ہو۔ اس وقت تک نہ ان کی حالت سنور سکتی ہے۔ اور نہ ہی ملک ترقی کر سکتا ہے۔

اگر رعایا کے ہر طبقہ کا ملازمتوں اور عہدوں پر فائز ہونا۔ حکومت کے کاموں میں ملک کے نمائندوں کا ایک جگہ جمع ہو کر رائے دینا اور کاروبار سلطنت کی نگرانی کرنا ناجائز ہوتا۔ تو آج دنیا کے ہر ایک مہذب اور ترقی یافتہ ملکوں میں۔ پارلیمنٹوں۔ اسمبلیوں اور کونسلوں کا وجود نظر نہ آتا۔ آج گاندھی۔ نہرو۔ مالویہ پٹیل کیا مانگ رہے ہیں؟ آج وہ اصلاح حال کے لئے کیا مطالبہ کر رہے ہیں؟ کیا یہی نہیں کہ کاروبار سلطنت میں ہندوستانیوں کو بھی شریک کیا جائے۔ تاکہ جو لوگ اپنے خون پسینہ کی کمائی سے حکومت کے خزانے بھرتے ہیں۔ وہ خرچ کی بھی نگرانی کر سکیں اور دیکھیں۔ کہ یہ انہی کی اصلاح اور آسائش پہ خرچ ہوتا ہے۔

بادوسروں کا پیٹ بھرنے کے لئے۔

ہم نہیں سمجھتے۔ کہ اگر آج حالات سے مجبور ہو کر مسلمانانِ ریاست اسمبلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اس میں اپنی آبادی کی نسبت سے نشستیں مانگتے ہیں۔ تو وہ کونسا جرم کرتے ہیں؟ کیا آج سے کچھ عرصہ پہلے خود ہندو اصحاب ہی ریاست کو اسمبلی قائم کرنے کا مشورہ نہیں دیتے رہے۔ کیا جو ہندو ریاست اور اس کے باشندوں کی بُری حالت کو اچھی حالت میں لانے کے خواہشمند رہے ہیں۔ انہوں نے والیٔ ملک اور دوسرے ذمہ وار عہدہ داروں کو یہ مشورے نہیں دئے۔ کہ ریاست کی فلاح اور بہبودی اسی میں ہے۔ کہ کاروبار حکومت میں خود رعایا کو بھی نمائندگی کا حق دیا جائے۔ اور ریاست میں فوراً ہی نمائندہ گورنمنٹ سسٹم جاری کیا جائے۔ تاکہ جو لوگ ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ انہیں اس کے خرچ اور کنٹرول کا بھی اختیار ہو۔ جیسا کہ ایک روشن خیال اور تعلیم یافتہ کشمیری پنڈت کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے:۔

پنڈت ڈپر ملیشور ناتھ صاحب کول بیرسٹرایٹ لاء لاہور کا مشورہ کہ رعایا کو حق نمائندگی دیا جائے

"انصاف تو یہ ہے۔ کہ جو لوگ ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ان کو نہ صرف حق نمائندگی ملنا چاہیئے بلکہ صرف زر اور کنٹرول کے بھی اختیارات ملنے چاہئیں۔ اور فی الحال ایک معقول پیمانہ پر اس کی ابتدا کر دینی چاہیئے۔ اور نمائندہ گورنمنٹ سسٹم فوراً جاری کر دیا جائے۔"

(مقتبس از انگریزی خطبۂ صدارت کشمیری نیشنل بورڈ لدھیانہ ۲۷ اپریل ۱۹۲۹ء)

کیا اس مشہور اور بلند پایہ کشمیری پنڈت کی تجویز یا مشورہ سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو ایسی حالت میں جبکہ خود ہندو بھی ریاست کی ترقی و بہبودی کی خاطر نمائندہ اسمبلی کو ہی ضروری بتلاتے آئے ہیں۔ تو اگر آج انہی کے مشورہ اور تجویز

کو مسلمانوں نے مطالبہ کے طور پر پیش کر دیا۔ تو کونسی آخر آگئی؟ یہی کیوں خود یہی مہا سبھائی ریاستی باشندوں کی اصلاح حال کے لئے اسمبلی کی تجویزیں پیش نہیں کرتے رہے؟ تعجب ہے۔ کہ اگر آج مسلمانانِ ریاست اسمبلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تو ان کے مطالبہ کو "ریاست کشمیر میں مسلم حکومت قائم کرنیوالے مطالبات" (پرتاپ) کہا جاتا ہے۔ حالانکہ خود ہی یہ لوگ دیسی حکمرانوں کو مشورہ دیتے رہے۔ کہ وہ اپنی اپنی ریاست میں اسمبلی قائم کریں۔ جیسا کہ اسی اخبار نے کچھ عرصہ ہوا۔ کہ مہاراجہ اندور کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ :-

ایڈیٹر پرتاپ کا مہاراجہ اندور کو رعایا کو کامل اختیارات دینے کا مشورہ

"مہاراجہ صاحب کے لئے خطرہ کا الارم بج چکا اور ان کو ہر طرح اپنے بچاؤ کے لئے تیار رہنا چاہیئے اور بچاؤ کی بہترین تجویز سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے۔ کہ وہ اپنے کیریکٹر کو شدھ کرنے کا پرن (عہد) کریں۔ اور مہاراجگان بڑودہ ومیسور کی پیروی کرتے ہوئے اپنی ریاست کے باشندوں کو پرجا تنتر کانسٹی ٹیوشن (حکومت خود اختیاری) دیدیں۔ اور پرجا کے پرتی ندھیوں (رعایا کے نمائندوں) کو آمد وخرچ پر اختیارات کامل دے کر خود ایک مقررہ اور شایان شان جیب خرچ لینے پر اکتفا کریں۔"

(پرتاپ ۳۔ فروری ۲۶ء صہ ۲)

کیا جس اخبار کا ایڈیٹر ۲۶ء میں ایک ہندوستانی والئے ریاست کو خود ہی یہ "بہترین تجویز" بتلا چکا ہو۔ کہ وہ بڑودہ اور میسور کی طرح اپنی رعایا کو حکومت خود اختیاری دیدے۔ اور ریاست کی آمد وخرچ پر اُسے کامل اختیار عطا کر دے۔ وہ آج کس طرح مسلمانانِ ریاست کے صرف اتنے سے مطالبات پر کہ انہیں آبادی کی بنا پر کاروبار حکومت میں حصہ دیا جائے اسمبلی قائم کی جائے۔ جس میں ان کے بھی نمائندے ہوں۔ "کشمیر ریاست میں مسلم حکومت قائم کرنے والے مطالبات" کا اعتراض کر سکتا ہے؟ وہ تو ہندو والئی ریاست کو ہر قسم کے

کامل اختیارات رعایا کے سپرد کر دینے کا مشورہ دیتا ہے۔ مگر مسلمانان کشمیر تو یہ مطالبہ نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ تو اپنے مطالبات میں لکھ چکے ہیں۔ کہ :-

"لیجسلیٹو اسمبلی قائم کی جائے۔ جو قوانین بنائے۔ حکمران کو ضرورت کے وقت آرڈی نینس نافذ کرنے کا اختیار دیا جائے" اور وزراء "حکمران کے آگے ذمہ دار ہوں" اور ان وزراء کو "قواعد کی پابندی کے ساتھ کام کرنا چاہیئے۔ سوائے ان معاملات کے جن کا تعلق حکمران اور اس کے ولیعہد کی ذات کے ساتھ ہو"

(پرتاپ ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۶)

کیا جو "بہترین تجویز" مہاراجہ اندور کو بتلائی گئی۔ اس سے بدرجہا کم یہ تجویز نہیں۔ جو مسلمانانِ ریاست نے پیش کی ہے۔ ایڈیٹر پرتاپ تو والئے ریاست کو بے اختیار بن جانے کا مشورہ دے چکا ہے۔ مگر مسلمانان ریاست تو اپنے حکمران سے ایسا سلوک کرنا نہیں چاہتے وہ تو وزیروں کو بھی اسمبلی کے آگے نہیں بلکہ مہاراجہ صاحب بہادر کے سامنے جوابدہ بنانا چاہتے ہیں۔ پھر مہاراجہ صاحب کے ہاتھ میں خاص اختیارات رکھنے چاہتے ہیں۔ اور آپ کو ضرورت محسوس ہونے پر آرڈی نینس جاری کرنے کا اختیار رکھنے والا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور ان کے اور ولیعہد کے معاملات میں کسی قسم کا دخل دینا نہیں چاہتے۔ تو ہم نہیں سمجھتے کہ ان نہایت ہی معمولی تجویزوں کو مسلم راج کا مترادف کس طرح سمجھ لیا گیا؟ اگر مسلمانان ریاست بھی اپنے والی و حکمران کے سامنے ایڈیٹر پرتاپ والی "بہترین تجویز" پیش کرتے۔ تو پھر بھی اس کا حق نہ تھا۔ کہ ان کی مخالفت کرے۔ مگر انہوں نے تو اس "بہترین تجویز" کا چالیسواں حصہ بھی پیش نہیں کیا۔ پھر کیوں کر ان کے متعلق یہ کہنا جائز ہو سکتا ہے۔ کہ :-

"مسلمانوں نے جو مطالبات تیار کئے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے۔ کہ حکومت کی باگ ڈور مسلمانوں کے حوالہ کر دی جائے۔ اور مہاراجہ صاحب صرف نام کے مہاراجہ رہ جائیں"

(ملاپ ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۴)

ہم نہیں سمجھتے۔ کہ اس قسم کی باتیں کس طرح زبان پر لانے کی جرأت کی جاتی ہے جبکہ مسلمانوں کے مطالبات میں سے ایک بھی مطالبہ ایسا نہیں۔ جو

"حکومت کی باگ ڈور مسلمانوں کے حوالہ" کرکے مہاراجہ صاحب کو "صرف نام کا مہاراجہ" بنا دے۔

کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے۔ کہ آج یہ ان معمولی اور بہت ہی ہلکے مطالبات کو "انتہائی درجہ ناقابل قبول" "دیش ہت کے خلاف" (ملاپ ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء ص۵) بتلاتے ہیں۔ حالانکہ کچھ عرصہ پہلے خود اسی ملاپ میں یہ شائع ہوا کرتا تھا۔ کہ :۔

اخبار ملاپ کا مشورہ کہ ریاست کشمیر کی حقیقی اصلاح رعایا کی نمائندگی ہی سے ہوسکتی ہے

"ہمارے خیال میں کیا سلطنت انگلشیہ اور کیا ہندوستانی ریاستوں میں حقیقی اصلاح اس وقت تک نہیں ہو سکتی۔ جب تک ان شخصوں کو نظام حکومت میں حصہ نہ دیا جائے۔ جو اس نظام سے متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ریذیڈنٹ کی رہبری کی ضرورت نہیں۔ شری حضور مہاراجہ (کشمیر) جیسے نیکدل اور فیاض طبیعت شخص کے لئے شاید کسی بیرونی مشورہ کی بھی ضرورت نہ ہو۔ تاہم اگر کسی کے مشورہ کی ضرورت ہے۔ تو وہ اہالیان ریاست کے نمائندوں کا ہی مشورہ ہونا چاہیئے (کیونکہ) ہر شخص اپنے دکھ کو آپ جانتا ہے۔ اور وہی اس سے بچنے کی تجویز بتا سکتا ہے۔ ہم کو امید قوی ہے کہ شری حضور مہاراج اس معاملہ میں تمام ہندوستان کے لئے مشعل کا کام دینگے۔"

(ملاپ ۲ دسمبر ۲۳ء ص۱)

کتنے افسوس کی بات ہے۔ کہ یہ لوگ پہلے خود ہی یہ تجویزیں پیش کرتے رہے۔ کہ جب تک

ان باشندگان کشمیر کو نظامِ حکومت میں حصہ نہ دیا جائے۔ جو کہ اُس نظام سے متاثر ہوتے ہیں" اس وقت تک "حقیقی اصلاح نہ ہو سکے گی"۔ مگر جب ان کی تجویز کو مسلمانوں نے پیش کر دیا۔ تو آج اسے "ناقابلِ قبول" اور "دلیش ہِت کے خلاف" بتلایا جاتا ہے۔ ہم حیران ہیں۔ کہ جب یہی لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ والیان ریاست کو "ریاست کے نمائندوں کا ہی مشورہ" ملنا چاہیئے۔ تو اگر آج "حقیقی اصلاح" کی خاطر مسلمان اسمبلی کی تجویز پیش کرتے ہیں۔ جس میں ریاست ہی کے نمائندے جمع ہو کر اپنے مہاراج کو مشورے دیا کریں گے۔ تو یہ لوگ کس بنا پر ان کے ان مشوروں کی تجویز کو "مسلم راج" کا نام دیتے ہیں؟ مسلمانوں کے اگر یہ مطالبات ہوتے۔ کہ جہاں حکومت کے تمام عہدوں اور ملازمتوں سے غیر مسلموں کو ہٹا کر مسلمانوں کو مقرر کیا جائے۔ وہاں اور بھی ہر قسم کے اختیارات مسلمانوں کے ہاتھ میں دیدئے جائیں۔ تب تو ان کے اس مطالبہ کو مسلم راج قائم کرنے والا مطالبہ کہا بھی جا سکتا تھا۔ لیکن جب وہ یہ کہتے ہی نہیں۔ کہ موجودہ عہدہ داروں کو ہٹا دیا جائے۔ اور ان کی جگہ مسلمانوں کو بھرتی کیا جائے۔ تو کس طرح ان پر مسلم راج قائم کرنے کا اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ مسلمان تو صرف اتنا چاہتے ہیں۔ اور وہ بھی "حقیقی اصلاح" کی غرض سے۔ کہ ان کی آبادی کی بنا پر جتنا انہیں حق پہنچتا ہے۔ وہ انہیں دیدیا جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ موجودہ عملہ بدستور قائم رہے۔ ہاں آئندہ اس وقت تک مسلمانوں ہی کو بھرتی کیا جائے، جب تک کہ ان کا تناسب پورا نہ ہو جائے۔

اب ان نرم۔ ہلکی اور معمولی تجویزوں کو کوئی عقلمند مسلم راج کا مترادف سمجھ سکتا ہے؟ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر مسلمان "حقیقی اصلاح" کی خاطر بقول ایڈیٹر پرتاپ یہ مطالبات پیش کرتے ہیں۔ کہ ان کے

مسلم مطالبات | "(۱) قبرستان اور مسجدیں واپس کر دی جائیں (۲) تمام پولیٹیکل قیدی رہا کئے جائیں (۳) برطانوی ہند کے سے قانون

جاری ہوں (۴) مذہبی آزادی (۵) تبدیلئ مذہب پر جائیداد کی ضبطی نہ کی جایا کرے۔ (۶) تمام ملازمتوں میں فرقہ وارانہ نیابت (۷) انٹرنس پاس مسلمانوں کو (فی الحال) گریجوائٹ غیر مسلموں پر ترجیح دی جائے (۸) (ہندوؤں کی طرح) مسلمانوں کے لئے کالج کھولے جائیں۔ (۹) (ہندوؤں کی طرح) مسلمانوں کو غیر ممالک میں وظائف دے کر بھیجا جائے۔ (۱۰) (زنانہ سکولوں میں) ہندی کی جگہ اردو زبان جاری کی جائے۔"

مسلم مطالبات کی منظوری سے مہاراجہ بے اختیار نہ ہونگے۔

تو ان کو اگر منظور کر لیا گیا۔ تو ان سے مہاراجہ صاحب بہادر کس طرح نام کے مہاراجہ رہجائینگے اگر اس وقت ۹۹ فیصدی عہدے اور ملازمتیں غیر مسلموں کے پاس ہیں۔ اور ان کی وجہ سے مہاراجہ صاحب صرف نام کے مہاراجہ نہیں بن گئے۔ تو کیا مسلمانوں کو صرف اپنی تعداد کی نسبت سے عہدے اور ملازمتیں مل جانے پر وہ نام کے مہاراجہ رہ جائیں گے؟ جب مسلمانوں نے صرف "حقیقی اصلاح" کی خاطر یہ مطالبات کئے ہیں۔ جن سے کہ مہاراجہ صاحب بہادر کے اختیارات اور وقار میں کسی قسم کی بھی کمی آنے کا احتمال نہیں۔ تو کس طرح ان کو "خرد ماغ" (ملاپ ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء) کہا جا سکتا ہے؟ کیا ان مطالبات کے پیش کرنے والے مسلمان "خرد ماغ" ہیں۔ یا وہ "خرد ماغ" جو حالات کی "حقیقی اصلاح" کرنے والی تجاویز کو "مسلم راج قائم کرنے والے مطالبات" سمجھ رہے ہیں؟ اس کا فیصلہ ناظرین ہی کر سکتے ہیں۔

ابھی بہت سی باتیں قابل تحریر ہیں

ابھی ہم نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھنا تھا۔ اور بتلانا تھا۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کی گذشتہ ایجی ٹیشن اوران کے مطالبات کے خلاف مہاسبھائی اخباروں نے جس قسم کی غلط بیانیوں سے کام لیا ہے۔ وہ کس قدر حق وصداقت سے دور ہیں۔ اور پھر یہ بھی واقعات ہی کی بنا پر بتلانا تھا۔ کہ یہ لوگ بات بات میں "پان اسلامک" اور "اسلامی راج" کا خطرہ کیوں ظاہر کرتے ہیں۔ اور مہاراجہ صاحب بہادر والیٔ جموں وکشمیر کے حقیقی وفادار اور خیر اندیش مسلمان ہیں یا یہ لوگ اور ساتھ ہی ان کی باقی ماندہ لچر اور پوچ دلائل کا بھی قلع قمع کرنا تھا۔ جو مسلم مطالبات کے خلاف دی جاتی ہیں۔ مگر چونکہ یہ مختصر سا رسالہ ان تمام مباحث کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم انہیں دوسرے حصہ پر اٹھا رکھتے ہیں۔ اور یہاں آخر میں صرف یہی کہنا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ جو لوگ مسلمانانِ کشمیر کے متعلق یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ وہ کشمیر میں اسلامی راج قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یا نثری مہاراجہ صاحب بہادر کو معزول یا بے اختیار بنانا چاہتے ہیں۔ وہ ایسی باتیں قلم یا زبان سے نکال کر ملک میں شرارت پھیلاتے ہیں۔ اور دنیا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تک ہم نے مسلمانانِ کشمیر کے حالات اور خیالات کا مطالعہ کیا ہے۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان کے دلوں میں جتنی محبت۔ جتنا پریم۔ جتنی عزت اور جتنا مان اپنے مہاراجہ صاحب کا ہے۔ اتنی محبت پریم۔ عزت اور مان دوسری چند ہی ریاستوں کی رعایا میں نظر آئیگا۔ اور اس کے ثبوت میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ خود مہاراجہ صاحب بہادر بھی بارہا ان کی خیر خواہی اور وفاداری کا اقبال کر چکے ہیں۔ پھر ہم نہیں سمجھتے۔ کہ کس طرح یہ لوگ مسلمانانِ ریاست کو ان کے محترم اور محبوب حکمران کی نظروں سے گرانے کی سعیٔ ناپاک کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں؟ جن لوگوں کو آج محض بدنام کرنے کی غرض سے "سازشی" اور "باغی" کہا جاتا ہے۔ یہ وہی لوگ تو ہیں جن کی دن رات یہی آرزوئیں تھیں۔ کہ:-

موجودہ مہاراجہ صاحب سے مسلمانوں کی محبت

کب وہ وقت آئے گا جب شہزادہ ہری سنگھ مہاراجہ ہری سنگھ بہادر بنینگے۔ ہاں یہی وہ لوگ ہیں۔ جو ان کو ایک معمولی چشم زخم پہنچنے پر ہی صدمہ کے مارے بے چین ہو ہو گئے تھے۔ ہاں یہی وہ لوگ ہیں۔ جو اپنے شہزادہ کی صحت دعافیت کے لئے نذریں مانتے اور نیازیں دیتے تھے۔ دعائیں کرتے اور خیرات کرتے تھے۔ یقیناً یہ وہی لوگ ہیں جو مہاراجہ صاحب بہادر کے ہاں ولیعہد پیدا ہونیکی دعائیں کیا کرتے تھے۔ اور یہ انہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ آج مہارانی صاحبہ کی گود ہری بھری ہے۔

مہاراجہ صاحب سے ہندؤں کی دشمنی

پبلک کو وہ وقت بھی یاد ہے۔ جب یہی ہندو مہاسبھائی اخبار مہاراجہ صاحب بہادر کی ذات گرامی پر طرح طرح کے الزام لگاتے تھے۔ آوازے کسا کرتے تھے۔ گند اچھالا کرتے تھے۔ ان کو بدنام اور رسوا کرنے کیلئے مسٹر آرتھر اور دوسرے لوگوں کے مضامین جلی سرخیوں کے ساتھ چھاپا کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو بھی مشورے دیا کرتے تھے۔ کہ وہ اپنا جانشین انہیں نہیں بلکہ اپنے دوسرے متبنی کو بنائیں۔ مگر اس کے مقابل وہ ریاست کے مسلمان ہی تھے۔ جو ہندو سبھائیوں کے اس بیہودہ اور پاجیانہ پروپیگنڈے کے جواب میں جلسے کرتے اور رزولیوشن پاس کرتے اور اخباروں میں مہاسبھائیوں کی لغو بیانیوں کا منہ توڑ جواب شائع کیا کرتے تھے۔

اور باوجود اس کے کہ مسلمانان ریاست کو اس وقت ریاست کی طرف سے زیادہ سے زیادہ تکلیفیں پہنچیں۔ انکو ستایا گیا۔ مارا اور کچلا گیا۔ مگر انہوں نے سب کچھ برداشت کیا اور اپنے محبوب حکمران سے رشتہ وفاداری نہیں توڑا اور انکا طرز عمل بتلا رہا ہے۔ کہ وہ آئندہ بھی اس رشتہ کو مضبوط سے مضبوط تر بنائے رکھیں گے۔

اور آئندہ خود واقعات ہی بتلا دینگے۔ کہ ہمارا یہ قیاس کس قدر حقیقت در حقیقت پر مبنی ہے۔

ہم پھر کہہ دینا چاہتے ہیں۔ کہ مسلمانان جموں و کشمیر اپنے مہاراجہ کے اختیار انکے اقتدار اور وقار

میں کسی قسم کی کمی کے خواہاں نہیں۔ وہ تو صرف اپنی ذلتوں اور پامالیوں کا دروازہ بند کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ڈوگرہ راج کے مخالف نہیں۔ وہ تو صرف اپنے حقوق لینا چاہتے ہیں۔ انہیں موجودہ وزیر اعظم صاحب بہادر سے بھی کوئی پرخاش نہیں۔ وہ تو صرف اپنی دادرسی چاہتے ہیں۔ اور اس امر کے متمنی ہیں۔ کہ انہیں آئندہ پُرامن اور باوقار زندگی بسر کرنے کے قابل بنا دیا جائے اور جس طرح ان کے دوسرے ہموطن حکومت کی نوازشوں اور مہربانیوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اسی طرح انہیں بھی جتنا حق پہنچتا ہے دیا جائے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ ڈوگرہ راج میں رہ کر جو دکھ اور تکلیفیں انہیں گذشتہ ایک صدی میں پہنچیں۔ اس کے ذمہ وار موجودہ حکمران اور وزیر اعظم ہیں۔ بلکہ وہ صرف یہ خواہش رکھتے ہیں۔ کہ یہ مصیبتیں خواہ کسی کے ہاتھوں پہنچی ہوں۔ کم از کم آئندہ ان کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ اور ہم بھی اس قابل ہو جائیں کہ اپنے مہاراج کے زیر سایہ عہد اسلامیہ کی طرح پھر اپنے ملک کی شہرت و نیک نامی کو چار چاند لگا دیں۔

مہاراجہ صاحب بہادر سے اُمّید

اور ہمیں امید ہے کہ مہاراجہ صاحب بہادر بھی اپنی وفادار اور خیر خواہ رعایا کی پاکیزہ خواہشات کو پورا کر کے انہیں پہلے سے بھی زیادہ اپنا گرویدۂ احسان بنائینگے۔ اور اسکے بعد راعی اور رعایا کے تعاون سے پھر ملک وہی رفعت وہی بزرگی وہی عروج اور وہی شہرت حاصل کریگا جو اسے اسلامی عہد میں حاصل تھی۔

مسلمان ہندو حقوق کے مخالف نہیں

لیکن قبل اس کے کہ ہم اس مضمون کو ختم کریں۔ اپنے ہندو بھائیوں کی اس غلط فہمی کو بھی دور کر دینا چاہتے ہیں۔ جو ان میں بعض ہندو اخباروں کی تحریروں سے پھیل گئی ہے۔ اور وہ سمجھنے لگ گئے ہیں۔ کہ اب جبکہ مسلمانانِ ریاست کے مطالبات منظور ہونے والے ہیں تو شاید وہاں کے ہندوؤں سکھوں اور راجپوتوں کے حقوق نظر انداز کر دئے جائینگے۔ سو ایسے تمام دوستوں کو یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ ریاست کے مسلمان ایسے بے انصاف اور خود غرض نہیں۔ کہ خود تو حقوق لے لیں۔ اور دوسروں کے حقوق کی مخالفت کریں آخر ہندو بھی انہی کے بھائی ہیں

یہ کس طرح ممکن ہے۔ کہ وہ ہندوؤں کی حقوق تلفی کو اراکریں۔ پس انہیں اطمینان رکھنا چاہیئے۔ کہ مسلمانانِ ریاست اپنے لئے صرف اتنے ہی حقوق مانگتے ہیں۔ جو ان کی آبادی کی رُو سے انہیں پہنچتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کسی اور کے حقوق پر خفیف سے خفیف قبضہ بھی نہیں چاہتے۔ اسی طرح ہم ایڈیٹر صاحب ملاپ کو بھی یقین دلاتے ہیں۔ کہ وہ ریاست کے اچھوتوں۔ ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے بے اطمینانی کا اظہار نہ کریں۔ جب وہ ریاست کے باشندے ہیں۔ تو کسطرح ان کے حقوق نظرانداز کئے جا سکتے ہیں۔ انکو جتنا حق پہنچتا ہے۔ وہ انہیں ملیگا۔ اور ضرور ملیگا لیکن اس دلیل کی بنا پر نہیں جو مہاشہ خوشحال چند صاحب نے بایں الفاظ دی ہے۔ کہ:۔

"یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے۔ کہ کشمیر میں صرف مسلمان ہی نہیں بستے۔ وہاں وہ لوگ بھی رہتے ہیں۔ جنہوں نے کشمیر کو واقعی جنّت نظیر بنایا جنہوں نے یہاں کے فاقہ کشوں کو زندہ لوگوں میں شمار ہونے کے قابل بنایا۔ وہ راجپوت ڈوگرے وہ سکھ وہ ہندو ہرگز ہرگز نظرانداز کرنیکے قابل نہیں" (ملاپ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳)

کیونکہ یہ دلیل ہمارے نزدیک پرِکاہ جتنی بھی وقعت نہیں رکھتی۔ اور جن لوگوں نے کشمیر کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ بھی اسے بیساختہ مضحکہ خیز ہی بتلائیں گے۔ لیکن ہاں یہ بالکل یقینی اور واقعی بات ہے۔ کہ ریاست کے راجپوت ڈوگروں سکھوں ہندوؤں بلکہ اچھوتوں کو بھی وہ تمام حقوق ملنے چاہئیں۔ اور ضرور ملنے چاہئیں۔ جن کے وہ حق دار اور مستحق ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ انکے اس حق کی مخالفت کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ وہاں کے مسلمان کریں۔ جو دل سے اس امر کے متمنّی ہیں۔ کہ جس کو جتنا حق پہنچتا ہے۔ وہ

اسے جلد سے جلد مل جائے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ آخر ہم سبنے ایک ہی جگہ رہنا ہے ایک ہی جگہ بسنا ہے۔ اور آئندہ سبھی نے کندھے سے کندھا ملاکر ملک کو ترقی یافتہ بنانے کے لئے قدم اٹھانا ہے۔ تو اگر کسی قوم یا جماعت کو جب تک اس کا واجبی حق نہ مل جائے۔ کس طرح وہ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کسی مفید کام میں حصہ لے سکتی ہے۔ بس ہمارے ہندو دوستوں کو مسلمانان کشمیر کی گذشتہ ایجی ٹیشن کو دیکھتے ہوئے یہ خیال بھی دل میں نہ لانا چاہیئے کہ مسلمانوں کی ایجی ٹیشن وہاں کے ہندؤں۔ سکھوں اور راجپوتوں کی حقوق تلفی کے لئے تھی۔ نہیں نہیں بلکہ ان کا واویلا کرنا محض اپنے واجبی اور جائز حقوق حاصل کرنے کے لئے تھا۔ نہ کہ اپنے غیر مسلم بھائیوں کا حق مارنے کے لئے ؏

مہاسبھائی دوستوں سے درخواست

اس کے بعد ہم اپنے ہندو مہاسبھائی دوستوں سے عرض کرتے ہیں۔ کہ جبکہ والئی کشمیر اپنی عزیز اور وفادار رعایا کی جائز شکایات کے ازالہ کرنے کا وچن دے چکے ہیں۔ اور خود ان کی خیر خواہ رعایا بھی ان کے اعلان پر مطمئن ہو کر وعدہ ایفائی کی منتظر ہے تو ایسی حالت میں آپ لوگوں کا موجودہ خوشگوار فضا کو بگاڑنا اور غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈے کے ذریعہ انہیں مطعون بدنام اور رسوا کرنا کسی حال میں بھی مستحسن نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسوقت ملک کو امن اور اتحاد کی ضرورت ہے نہ کہ شر وفساد کی۔ اسلئے ہم درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ کشمیر سے راس کماری تک ہندو راج قائم کرنے کا خیال دماغ سے نکال دیں۔ اور جتنا جس کا حق ہے وہ اسے لینے دیں۔ تاکہ آئندہ نہ صرف کشمیر بلکہ سارا ملک ہی خوشیوں شادمانیوں۔ راحتوں اور مسرتوں کا گہوارہ بن سکے۔ ہمیں امید ہے۔ کہ جس طرح مہاراجہ صاحب بہادر اور ان کے وزیر اعظم نے اپنی بنگدلی کا یقین دلاتے ہوئے حالات کو بہت حد

تک درست کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر آپ بھی اپنی سرگرمیوں کو بند کر دیں۔ تو آئندہ کسی قسم کے ناگوار حادثہ کا امکان ہی نہ رہے۔

جہاں تک ہم سمجھتے ہیں۔ ہماری یہ درخواست مہا سبھائی دوستوں کو اپیل کریگی اور وہ اپنی امن کش اور معاندانہ کارروائیوں کو بند کر کے نہ صرف ہمارے شکریہ کے مستحق ہونگے۔ بلکہ اس سے وہ کشمیر گورنمنٹ کی بھی بہت بڑی خدمت کرینگے۔ کیونکہ اس وقت ریاست کو پُرسکون فضاء کی ضرورت ہے۔ اور یہ تبھی حاصل ہوگی۔ جبکہ آپ لوگ مسلمانانِ کشمیر، ان کے حامیوں اور ہمدردوں کے خلاف کچھ نہ لکھیں۔ تاکہ انہیں بھی اپنی پوزیشن صاف کرنے کیلئے ناگوار واقعات کا اعادہ نہ کرنا پڑے۔ جیساکہ نہایت ہی مجبور ہو کر ہمیں بھی یہ رسالہ لکھنا پڑا۔ کیونکہ اگر آپ لوگ مسلمانانِ کشمیر۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی۔ اس کے محترم صدر اور دوسرے مسلمان لیڈروں کے خلاف الزام نہ لگاتے، انہیں بدنام نہ کرتے۔ اور نہ ہی کشمیر کے مفلوک الحال باشندوں کو اُنکی بہتری کی بتلا کر لوگوں کو دھوکہ میں ڈالتے۔ تو ہمیں یہ ناگوار فرض ادا کرنیکی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

مسلمانانِ کشمیر سے درخواست} مسلمانانِ ریاست کی خدمت میں بھی یہ عرض کرینگے۔ کہ وہ ہر ایک ایسی راہ سے بچیں۔ جس سے کہ اپنے برادرانِ وطن سے متصادم ہونیکا اندیشہ ہو کیونکہ وہ بھی آخر آپ ہی کے بھائی بند ہیں۔ ان کی طرف سے اگر کسی قسم کی زیادتی بھی نظر آئے۔ تو درگذر اور چشم پوشی سے کام لینا چاہیئے۔ اور ہر قسم کی پُرفتن راہوں سے ہٹ کر اور قانون اور آئین کے اندر رہ کر اپنی تمام متحدہ طاقتیں حصولِ مقصد میں لگا دینی چاہئیں۔ اور اس وقت تک قرار نہیں پکڑنا چاہیئے۔ جب تک کہ اپنی بیش قیمت قربانیوں کا شیریں پھل نہ حاصل ہو جائے۔

ابنائے وطن سے عرض} اسی طرح ہم برطانوی ہند کے مسلمانوں۔ عیسائیوں، سکھوں اور عام ہندو بھائیوں سے بھی عرض کرینگے۔ کہ وہ اس معاملہ کو فرقہ وارانہ نقطہ خیال سے نہ دیکھیں۔ بلکہ یہ دیکھیں کہ انہی کے ۳۲ لاکھ ہندوستانی بھائی اپنی بعض جائز شکایات کا ازالہ کرا کر ذلت و رسوائی کی زندگی کی بجائے عزّ و وقار کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ اپنے دوسرے تمام ہندوستانی بھائیوں کی اخلاقی مدد کے مستحق ہیں۔ اس لئے ہر ایک کو حتی الامکان انکی اخلاقی امداد سے دریغ نہ کرنا چاہیئے۔

برٹش حکومت سے گذارش} اسی طرح ہم برٹش گورنمنٹ سے بھی عرض کرینگے۔ کہ وہ اپنے اثر اور

رسوخ سے کام لیکر ان تبہ حال اور پریشان لوگوں کو انکے جائز حقوق دلانے میں اخلاقی مدد کرے کیونکہ سب سے زیادہ اسی پر ان کی امداد کا فرض عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ اسی نے چند لاکھ روپیوں کے عوض ان لوگوں کی قسمت ڈوگرہ خاندان کے حوالہ کر دی تھی۔ ہمیں امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ برٹش حکمران اپنی قدیم روایات کو تازہ کرتے ہوئے اس موقعہ پر بھی ان غریبوں اور امداد کے مستحقوں کو شاد کام اور بامراد بنانے کیلئے ممکن امداد سے دریغ نہ فرمائیں گے ؛

حقیقۃ الامر کا اعادہ } اس کے بعد ہم اس بات کو پھر دہرائے دیتے ہیں۔ کہ ہمیں مہاراجہ صاحب بہادر اور ان کے وزراء سے کسی قسم کا نقار نہیں دشمنی نہیں۔ بلکہ ہم انکی عزت کرتے ہیں اور ہماری دلی خواہش ہے۔ کہ مہاراجہ صاحب بہادر مدت ہا مدید تک مسر پر آرائے تخت و تاج رہیں اور ان کے وقار ان کے اقتدار اور انکی عزت میں کسی قسم کی کمی نہ آئے۔ اور یہ جو کچھ لکھا ہے۔ محض اصلاح حال کیلئے لکھا ہے۔ نہ کہ مہا سبھائیوں کیطرح کسی کو بدنام کرنے یا اسکے خلاف نفرت پھیلانے کیلئے چونکہ ہمارا واحد مقصد اصلاح حال ہے۔ اسلئے ہم نے مہاسبھائیوں کی بعض غلط بیانیوں کی تردید کے لئے ضروری سمجھا۔ کہ اصل واقعات پبلک کے سامنے رکھ دئے جائیں اور اس کیلئے بھی ہم نے اس امر کو ملحوظ رکھا ہے کہ جہانتک ہو۔ انہی لوگوں یا انکے بھائی بندوں کی تحریروں سے ہر ایک بات کا ثبوت دیا جائے۔ اور ہم خدا کے فضل سے اس میں بہت حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہم یہ اعلان کر دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کہ اگر اس رسالہ میں کوئی بات خلاف واقع ہو۔ یا اس میں مبالغہ نظر آئے۔ تو ہمیں اس سے ضرور اطلاع دی جائے تاکہ اس کی اصلاح کر دی جائے۔ کیونکہ ہماری غرض کسی کو بدنام کرنا نہیں۔ بلکہ اصلاح حال ہے ؛

ملک کو جس قسم کے سوراج کی ضرورت ہے۔ وہ عدم تعاون، قانون شکنی اور نمک سازی سے نہیں ملے گا۔ اور نہ ہی بم بنانے اور پستول چلانے سے حاصل ہوگا۔ حقیقی آزادی اور پورن سوراجیہ اُسی وقت ملے گا جبکہ ہندوستانی باہمی اختلافات کو خیر باد کہدینگے، مغائرت اور منافرت کے خیالات ترک کردینگے، اور نفاق کی بجائے اتفاق اور عداوت کی جگہ الفت و محبت سے کام لیں گے، اور ملک کی بہبودی کی خاطر ایک مرکزی نقطہ پر جمع ہو کر سوراج کے لئے متحدہ و متفقہ مطالبہ کرینگے۔ لیکن جب تک ان میں کٹا چھنی رہے گی، اس وقت تک سوراج کا ملنا محال اور قطعی محال ہے، خواہ کانگرسی مہا سبھائی اور سماجی ہندو کتنی بھی کوشش کریں اور ایڑی چوٹی

تک کا زور لگا دیں، وہ اپنے مقصد میں کبھی اور کسی صورت میں کامیاب نہیں ہو سکتے،
اگر سول نافرمانی اور پکٹنگ بازی سے سوراج مل سکتا۔ تو اس وقت تک ملک کو ضرور آزاد ہو جانا چاہیئے تھا۔ اگر قانون توڑنے اور جیلیں بھر دینے پر ہی آزادی کا انحصار ہوتا تو یہ یقینی بات ہے۔ کہ اس وقت ہمارا ملک سوراج کی نعمت سے مالا مال ہو چکا ہوتا،
ہاں ہاں اگر بم بنانے اور پسٹل چلانے سے ملک کو حکومت خود اختیاری مل سکتی تو یقیناً یقیناً آج ہر ایک ہندوستانی کرۂ آزادی میں سانس لیتا نظر آتا۔ لیکن چونکہ اس وقت تک ملک کی زنجیرِ غلامی نہیں ٹوٹی۔ اور وہ بدستور غیر قوم ہی کے قبضہ و تحت میں ہے اس لئے ماننا پڑے گا۔ کہ اس قسم کے امن شکن حربے سوراج نہیں دلا سکتے،
کانگرسی ہندو یا انارکسٹ ہندو ایک بار نہیں ہزار بار اس قسم کے تجربے کر کے دیکھ لیں، جیلیں بھر کے دیکھ لیں، بم بنا کر دیکھ لیں، ریوالور چلا کر دیکھ لیں نہتے اور بیگناہ لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنا کر دیکھ لیں، نتیجہ ہمیشہ صفر ہی نکلے گا۔
ہاں اگر یہ لوگ اس قسم کے تخریبی افعال کی بجائے ملک کی مختلف قوموں کو ایک مرکز پر لانے کی کوشش کرتے، ان میں اتفاق و اتحاد کا جذبہ پیدا کرتے، ان کو یکجہتی اور رواداری کی تعلیم دیتے، اور انہیں ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرنا سکھلاتے، تو ایسی حالت میں یہ ممکن ہی نہ تھا۔ کہ حکومت وقت ہندوستانیوں کی خواہشات کے آگے سر تسلیم خم نہ کرتی،

سوراج سے پہلے تصفیہ حقوق ضروری ہے

گورنمنٹ ہندوستانیوں کو اسی وقت زمامِ حکومت سپرد کرے گی جبکہ ان میں اس کام کی صلاحیت پیدا ہو گی، اور یہ صلاحیت تبھی پیدا ہو گی جس وقت کہ ہندوستان میں بسنے والی ہر ایک قوم، جماعت اور جانی کے سیاسی و ملی حقوق کا منصفانہ فیصلہ ہو جائے، اور اقلیتیں اکثریت کی طرف سے مطمئن ہو جائیں

اور انہیں یقین آجائے۔ کہ سوراج ملنے کے بعد اکثریت ہمارے نشوو ارتقا میں کسی قسم کی روکیں پیدا نہ کرے گی۔

پس سوراج حاصل کرنے کے لئے سول نافرمانی اور قانون شکنی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ باہمی اتحاد، اور تصفیہ حقوق کی ضرورت ہے، اور جس وقت بھی یہاں نفاق وافتراق کی جگہ اتحاد و اتفاق قائم ہو گیا، اور اکثریت اقلیتوں کے جائز اور واجبی حقوق تسلیم کرنے پر رضامند ہو گئی۔ سمجھو کہ سوراجیہ دھرا پڑا ہے۔

اور یہ صرف ہمارا ہی خیال نہیں۔ خود سمجھدار ہندو بھی یہی کچھ کہہ چکے ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے عیاں ہے :۔

ہندو لیڈروں کا اقبال کہ بغیر تصفیہ حقوق سوراج نہیں ملیگا

لالہ رام پرشاد صاحب کا بیان

"اس میں شک نہیں کہ جب تک ہندو مسلمانوں میں کشیدگی بنی رہیگی، سوراجیہ کی کسی قابل عمل سکیم کا تیار ہونا نہایت مشکل ہے"۔ [1]

دیش بندھو داس کا ارشاد

"میرا یہ زبردست دعویٰ ہے۔ کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں۔ کہ مختلف اقوام سوراجیہ کے لئے مل کر کام کریں۔ تو ان کے باہمی اختلافات کی بابت کوئی نہ کوئی مفاہمت ضرور ہونی چاہیئے"۔ (تیج دہلی ۲ جنوری ۱۹۲۴ء)

اور لالہ لاجپت رائے آنجہانی تو جوش میں آکر یہاں تک کہہ چکے ہیں کہ :۔

لالہ لاجپت رائے کی رائے

"میں وزیر ہند کو یقین دلادوں۔ کہ جس گھڑی ہمارے فرقہ وارانہ اختلافات

---

[1] تیج دہلی ۵ اکتوبر ۱۹۲۵ء

دور ہو جائیں گے۔ اس کے بعد تلوار کی یہ حکومت ایک ہفتہ بھی قائم نہیں رہ سکتی۔" (اخبار پرتاپ لاہور ۷۔ جولائی ۲۵ء صفحہ ۷)

ہم نہیں سمجھ سکے۔ کہ جب سوراج کی کنجی، کامیابی کا گُر اور آزادی کی راہ یہی ہے اور ملک کی بہبود و نجات بھی اسی میں ہے۔ کہ باہمی اختلافات دور ہو جائیں۔ تو پھر برادرانِ وطن کیوں آگے نہیں بڑھتے۔ اور تصفیہ حقوق کا سوال حل کرنے سے کیوں ہچکچاتے ہیں؟

جب سوراج کا انحصار باہمی اتحاد اور تصفیہ حقوق پر ہے۔ تو کیا ایسی حالت میں ہندو اکثریت کا فرض نہیں۔ کہ وہ دوسری قوموں کی طرف اتحاد کا ہاتھ بڑھائے۔ اور انکے حقوق کو تسلیم کرتی ہوئی انہیں ہر طرح کا اطمینان دلائے اور باور کرا دے۔ کہ سوراج مل جانے پر ان کے حقوق پر کسی قسم کی ضرب نہیں لگائی جائے گی۔ اور نہ ہی ان کی ترقی میں کسی قسم کی اڑچنیں ڈالی جائیں گی،

جب بقول ایڈیٹر صاحب اخبار تیج اکثر ہندوؤں کا یہی خیال ہے۔ کہ:

"سوراجیہ ہندوستان کو اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک ہندو مسلمان مل کر اس کے لئے جدوجہد نہ کریں، (کیونکہ) ہندوؤں نے کافی قربانیاں کیں۔ مگر انکی کوئی پیش نہ گئی۔" (تیج دہلی ۲۳ اگست ۲۶ء صفحہ ۱)

تو پھر کیوں ہندو تصفیہ حقوق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اور ایک غلط، گمراہ کن اور امن کُش راہ اختیار کر کے خود بھی تکلیفیں اٹھاتے ہیں، گورنمنٹ کو بھی پریشان کرتے ہیں اور اپنے ہمسایوں کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتے،

مسٹر رنگا آئر کا مشورہ

جس حالت میں کہ مسٹر رنگا آئر جیسے ہندو مدبّر کہہ چکے ہیں۔ کہ:-

"ہندو اکثریت کو اقلیتوں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیئے۔" (ہمدم لکھنؤ ۲۵ء صفحہ ۱)

تو پھر کیوں اکثریت اس کی طرف دھیان نہیں دیتی، جب ہندو لیڈر تسلیم کرتے ہیں

کہ حکومت ہماری اسی کمزوری (عدم تصفیہ حقوق) سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ جیسا کہ مسٹر گپتا پرشاد ممبر لیجسلیٹو اسمبلی نے فرمایا۔ کہ :-

مسٹر گپتا پرشاد ممبر اسمبلی کی رائے

"حکومت ہماری کمزوری اور بے اتفاقی کا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ ہم کئی سال سے سوراجیہ سوراجیہ چلا رہے ہیں۔ لیکن ہم نے ابھی تک کوئی ایسی سکیم بھی مرتب نہیں کی۔ جس سے کہ ہمارے آپس کے تعلقات کا تصفیہ ہو سکے"

(پرتاپ ۷ ارجولائی ۲۵ء ص۵)

کانگرسی اور مہاسبھائی تصفیہ حقوق کی طرف کیوں متوجہ نہیں ہوتے

تو پھر کیوں یہ لوگ ایسی سکیم مرتب کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جو ملک کی مختلف قوموں اور جماعتوں کے حقوق کا منصفانہ فیصلہ کر دے۔ تاکہ ہر ایک قوم اور جاتی مطمئن ہو کر ایک مرکز پر جمع ہو جائے اور متحدہ طور پر سوراج کا مطالبہ کرے،

جب خود یہی لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ہندو مسلمانوں میں اتحاد ہوئے بغیر سوراج نہ ملیگا۔ جب انہیں اقرار ہے۔ کہ بغیر مسلمانوں کی اعانت کے ملک کو آزادی نہیں مل سکتی، اور برٹش گورنمنٹ اس وقت تک ملک کو حکومت خود اختیاری کا چارٹر نہ دے گی، جب تک کہ ملک کی تمام جماعتوں اور فرقوں کے حقوق کا تصفیہ نہ ہو جائے۔ اور اکثریت اقلیتوں کو مطمئن نہ کر دے۔ تو پھر ہم نہیں سمجھتے۔ کہ کانگرسی، مہاسبھائی، آریہ سماجی اور دوسرے ہندو اس اصل کی طرف کیوں نہیں آتے۔ اور تصفیہ حقوق کے سوال کو جو تمام سوالات سے زیادہ اہم، ضروری اور قابل توجہ ہے حل نہیں کرتے،

جس حالت میں کہ یہ لوگ خود ہی بتلاتے ہیں۔ کہ ہماری یہی کمزوری ہے۔ جس سے گورنمنٹ فائدہ اٹھا رہی ہے، اور ہماری چیخ پکار اور "کافی قربانیاں" بھی اسکو نہیں

جھکا سکیں۔ تو کیا ایسی حالت میں ضروری نہیں۔ کہ یہ لوگ سب کام چھوڑ کر بھی اس طرف متوجہ ہوں۔ اور اس وقت تک دم نہ لیں۔ جب تک کہ تمام جماعتوں اور فرقوں کے حقوق کا بٹارا نہ کر لیں؛ ع

اگر سوراج ملنے میں یہی چیز روک ہے۔ اور اسی کی بدولت ہمارے قومی مقاصد کامیابی کا مُنہ نہیں دیکھ سکتے۔ تو پھر کیوں نہیں اسی روک کو دور کیا جاتا۔ اور مسلمانوں، اچھوتوں، عیسائیوں اور دوسری قلیل التعداد قوموں کے حقوق تسلیم کرتے ہوئے انہیں اطمینان دلایا جاتا؟

مہاسبھائیوں کا بیہودہ عذر اور اس کا جواب

ہم جانتے ہیں۔ کہ اس موقعہ پر کہنے والے کہدیا کرتے ہیں۔ کہ جس حالت میں ملک کی باگ ڈور انگریز کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہی سیاہ وسفید کا مالک ہے۔ اور ہر ایک چیز اسی کے قبضہ میں ہے۔ تو کس طرح ہندو اکثریت مسلمانوں، اچھوتوں اور دوسری اقلیتوں کو کچھ دے سکتی ہے؟ جب ہندوؤں کے پاس کچھ ہے ہی نہیں تو وہ دوسروں کو دے کہاں سے۔ ہاں جب ہندوؤں کو کچھ مل جائے گا۔ تو پھر وہ دوسروں کے مطالبات بھی پورے کر سکتے ہیں؛

ہم مانتے ہیں۔ کہ اس وقت ہر قسم کا اقتدار و اختیار انگریزوں کے ہاتھ میں ہے اور یہ بھی ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اس وقت ہندوؤں کے قبضہ و اختیار میں وہ شئے نہیں۔ جو مسلمان، اچھوت، عیسائی، پارسی اور باقی اقلیتیں طلب کرتی ہیں۔ مگر یہاں تو یہ سوال ہی نہیں۔ کہ ہندو اکثریت اقلیتوں کو یہ کچھ دیدے۔ بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ وہ ان قوموں کے واجبی اور جائز حقوق تسلیم کرلے۔ مسلمان، اچھوت اور باقی قومیں ہندوؤں سے کچھ مانگتی نہیں۔ بلکہ اپنا حق منواتی ہیں۔ پس اس وقت لینے دینے کا سوال نہیں۔ بلکہ ماننے اور تسلیم کرنے کا سوال ہے۔ ہاں اگر اقلیتیں یہ مطالبہ کریں

کہ ہم ہندوؤں کا ساتھ تبھی دیں گی۔ جبکہ وہ ہمیں یہ کچھ دیدیں۔ تب تو یہ کہا بھی جا سکتا تھا کہ ہمارے پاس کیا رکھا ہے۔ جو تمہیں دیں۔ لیکن جب ان کا یہ مطالبہ ہی نہیں ہے اور وہ ہندوؤں سے کچھ طلب ہی نہیں کرتیں۔ تو اس صورت میں یہ کہنا عنِ الوقتی نہیں تو اور کیا ہے۔ کہ اس وقت جو کچھ ہے۔ وہ انگریز کے ہاتھ میں ہے۔ ہم مسلمانوں، اچھوتوں اور عیسائیوں کو کہاں سے دیکر اپنے ساتھ ملائیں،

حالانکہ اقلیتیں کچھ مانگتی نہیں۔ بلکہ صرف یہ چاہتی ہیں کہ ہندو اکثریت فی الحال یہ اقرار کرلے۔ کہ جب حاکمانہ اقتدار انگریزوں کی جانب سے ہندوستانیوں کی طرف منتقل ہوگا۔ تو اس وقت تمہارے حقوق تمہیں ضرور مل جائیں گے،

اقلیتوں کی پوزیشن نہایت معقول ہے

اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ مسلمانوں اور دوسری قلیل التعداد قوموں کی یہ پوزیشن اتنی جچی تلی مضبوط اور معقول ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہا ہی نہیں جا سکتا، اور ہر ایک وہ شخص جو تھوڑی سی بھی عقل رکھتا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ اتفاق کرے گا، لیکن کس قدر رنج اور افسوس کا مقام ہے۔ کہ اس معاملہ میں ہندوؤں کے سوادِ اعظم نے محض مہاسبھا کے زیرِ اثر ہو کر ایسی غلط، غیر معقول اور تاسف ناک روش اختیار کر رکھی ہے۔ کہ اس کو دیکھتے ہوئے ملک کی بدنصیبی پر بے اختیار آنسو بہانے کو جی کرآتا ہے،

مہاسبھائی سوراج میں دوسروں کو حصہ دار نہیں بنانا چاہتے

یہ لوگ اس امر کے تو خواہشمند ہیں۔ کہ مسلمان اور دوسری قومیں ان کے ساتھ مل کر گورنمنٹ پر سوراج کیلئے زور دیں۔ اور ان کے آلۂ کار بن کر کانگرس اور مہاسبھا کے کاز کو تقویت پہنچائیں لیکن جن لوگوں کے بل بوتے پر یہ سوراج حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں اس بات کا

مستحق ہی نہیں سمجھتے۔ سوراج میں ان کا بھی کچھ حصّہ ہونا چاہیئے۔ اور وہ بھی بطور ہندوستانی نظامِ حکومت میں ویسے ہی حصّہ لینے کے حقدار ہیں جیسے ہندو۔ کیونکہ یہ اگر غیر ہندوؤں کو سوراج کا مستحق سمجھیں۔ تو یہ کبھی ممکن ہی نہیں۔ کہ قلیل التعداد قوموں کے بار بار زور دینے پر بھی تصفیہ حقوق سے آنا کانی کریں۔

ایڈیٹر ملاپ کا مشورہ کہ سوراج لینے کے بعد حقوق کا سوال اٹھانا

ان کا ٹسوے بہلاتے ہوئے مسلمانوں کو یہ کہنا کہ :۔

"مسلمانوں کا اس وقت یہ فرض ہے۔ کہ وہ تمام تنازعات کو مٹا دیں۔ کسی قسم کی شرطیں پیش نہ کریں۔ بلکہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر ملک کو آزاد کرا لیں۔ اس کے بعد حقوق وغیرہ کو تسلیم کرنے کیلئے وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔" (ملاپ لاہور ۲۷ مارچ ۲۷ء)

محض اسی نیت سے ہے۔ کہ کسی طرح مسلمان ان کے دام میں پھنس کر ان کے ہمنوا بن جائیں۔ اور جب سوراج مل جائے۔ تو انہیں صاف دھتا بتائی جائے۔

کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔ کہ یہ لوگ تو گورنمنٹ سے ہر قسم کے اختیارات حاصل کرنے کے خواہاں ہوں۔ اور زیادہ سے زیادہ اقتدار ہاتھ میں لینے کی کوشش کریں۔ مگر جب مسلمان حقوق کا سوال اٹھائیں۔ تو انہیں یہ کہہ کر ٹال دیں۔ کہ یہ سوال قبل از وقت ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ جو لوگ غلامی کی حالت میں بھی دوسروں کے حقوق کا تصفیہ نہیں کرنا چاہتے۔ وہ حاکمانہ اقتدار ہاتھ میں لے لینے کے بعد کب ان کی سُنیں گے۔

کیا یہ وقت تصفیہ حقوق کے لئے موزون نہیں

ہمیں یہ معلوم ہے۔ کہ جو لوگ تصفیہ حقوق کے سوال کو قبل از وقت بتلا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے دلی منصوبوں کو دوسروں سے مخفی رکھنے کے لئے یہ

بھی کہا کرتے ہیں۔ کہ ہمارا اس سوال کو قبل از وقت بتلانا اس واسطے نہیں کہ ہم مسلمانوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اس کو قبل از وقت اس لیئے کہا جاتا ہے۔ کہ اس وقت ہماری تمام تر توجہ ملک کو اغیار کی غلامی سے آزاد کروانے میں لگی ہوئی ہے، اس لئے اس قسم کی باتوں کا طے کرنا ہمارے نزدیک اس وقت موزون نہیں، ہاں جب سوراج مل جائے گا، تو اس وقت ہندو ہر ایک جاتی اور قوم کو وہ تمام حقوق دے دیں گے، جن کی وہ مستحق ہیں،

مگر ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ان لوگوں کو مرکزی حکومت کو زیادہ سے زیادہ ذمہ واری دلانے کے لئے تو گورنمنٹ سے بات چیت کرنے کا وقت مل جاتا ہے، ہندو صوبوں کو زیادہ سے زیادہ مراعات دلانے کے لئے وقت مل جاتا ہے، ہندوؤں کو دفتری اقتدار دلانے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت مل جاتا ہے، گول میز کانفرنسوں، مشاورتی کمیٹیوں اور مختلف سرکاری کمشنوں میں شریک ہونے یا ان کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے وقت مل سکتا ہے، مگر وقت نہیں ملتا تو قلیل التعداد قوموں کے حقوق کا تصفیہ کرنے کے لئے،

مگر یہ سب بہانہ سازیاں ہیں، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ کہ ان کے پاس تصفیہ حقوق کے لئے وقت نہیں یا اس کام کے لئے یہ وقت موزون نہیں،

ڈاکٹر مونجے کی مسلمانوں کو طفل تسلیاں

باقی رہا ان کا مسلمانوں کو یہ کہنا کہ وہ ہندوؤں سے خوف نہ کھائیں کیونکہ ہندو کسی کو دکھ دینے یا اس کا حق مارنے کا عادی ہی نہیں۔ اس لئے جس وقت بھی سوراج مل گیا۔ ہندو اسی وقت ان کے حقوق انہیں دے دیں گے، جیسا کہ ہندو مہاسبھا کے صدر ڈاکٹر مونجے نے بھی آل انڈیا اچھوت کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ:۔

"یہ غلط ہے کہ یہاں سوراج کے بعد ہندو۔ مسلمانوں کے حقوق نہ دینگے

ہندو تو کبھی کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا۔ دیکھو ایک ہزار برس تک پارسی ہمارے ہاں رہے۔ انہیں کسی نے تکلیف نہ دی۔"

(الامان دہلی ۳ر جنوری ۲۶ء صفحہ)

مسلمان اس بھرّے میں آنیوالے نہیں

تو یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں کہ مسلمان اتنی سی بات پر مطمئن ہو کر اپنا آپ ان کے سپرد کر دیں، کیونکہ مسلمانوں کو اب ان لوگوں کی اس قسم کی خالی خولی باتیں اور لچھے دار تقریریں اپیل نہیں کر سکتیں۔ ان کا دل تبھی اطمینان پکڑ سکتا ہے۔ جبکہ یہ لوگ باتوں سے نہیں بلکہ اپنے اعمال سے اس قسم کی انصاف پسندی اور رواداری کا ثبوت دیں۔ اور اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیں۔ کہ یہ جو کچھ زبان سے کہتے ہیں۔ وہ ان کے افعال سے بھی ثابت ہے،

اور ڈاکٹر مونجے کا پارسیوں کی مثال پیش کر کے ہمیں اطمینان دلانا بھی کوئی مؤثر تدبیر نہیں، کیونکہ ہم ان ہندوؤں کی بابت اس سے بہت زیادہ جانتے ہیں جن کے متعلق ہمیں کہا جاتا ہے۔ کہ وہ تو کبھی کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا۔

ڈاکٹر مونجے کی تاریخی دلیل اس کے خلاف ہے

اگر بقول ڈاکٹر مونجے "ہندو تو کبھی کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا" تو پھر ہندوستانی اور یورپین مؤرخ ملک کے قدیم اور اصلی باشندوں کی حالتِ زار پر کیوں آنسو بہاتے نظر آتے ہیں، اگر ہندو کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا۔ تو یورپین مؤرخ کیوں بودھوں کی مظلومی کی داستانیں سنا سنا کر ہماری آنکھوں کو اشکبار بنا تے ہیں، اگر ہندو کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا۔ تو بدیشی مؤرخ، جینی مؤرخ اور خود ہندو مؤرخ جینیوں پر توڑے گئے دردناک مظالم کے واقعات سُنا سُنا کر کیوں آپ بھی روتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی رُلاتے ہیں۔ کیا

آدی ہندؤں، بودھوں اور جینیوں پر کسی باہر کی قوم نے ظلم کیا تھا؟ ان کی جمعیت، ان کی تہذیب، ان کے تمدن، ان کے مذہب، ان کے لٹریچر اور ان کی زبان کو کسی بدیشی قوم نے تباہ کیا تھا یا خود انہی لوگوں نے جن کے متعلق آج ڈاکٹر مونجے کہتا ہے۔ کہ وہ تو کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتے، کیا ڈاکٹر مونجے کو مٹھی بھر پارسیوں کا ذکر کرتے ہوئے کروڑوں آدی ہندؤں، کروڑوں بودھوں اور کروڑوں جینیوں کی تباہی، بربادی اور ہلاکت کے زہرہ گداز واقعات یاد نہ رہے،

یہ تاریخی واقعات ہی مسلمانوں کو تصفیہ حقوق پر مجبور کرتے ہیں

اگر ہندو مہا سبھائی مسلمانوں کو صرف تاریخی واقعات ہی سُنا سُنا کر مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔ تو یہ ان کی خام خیالی ہے، کیونکہ خدا کے فضل و کرم سے مسلمان ان سے کہیں زیادہ تاریخ سے واقف ہیں۔ اور انہیں مہاسبھائیوں[1] کے آباؤ اجداد کے کارناموں کا بہت زیادہ علم ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، کہ ان تاریخی واقعات کا علم ہی انہیں سوراج ملنے سے قبل تصفیہ حقوق کے لئے بے چین کر رہا ہے، اور وہ سمجھتے ہیں۔ کہ اگر ان کے حقوق کا اس وقت تصفیہ نہ ہوا تو ممکن ہے ہمارا بھی وہی حشر ہو۔ جو آدی ہندؤں کا ہوا۔ جو بودھوں کا ہوا اور جو جینیوں کا ہوا،

پس یہ کہہ کہہ کر مسلمانوں کو مطمئن کرنا قطعاً نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ کہ :-

"ہندو تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملے گی۔ کہ ان کی اکثریت نے اقلیتوں پر ظلم کیا ہو۔ لہذا مسلمانوں کو ہندو اکثریت سے جور و ظلم کا کوئی امکان نہیں ہے" (تیج دہلی ۱۸ اپریل ۲۷ء ص ۵)

کیونکہ مسلمانوں کو ہندو سورماؤں کے ایک ایک کارنامہ بلکہ اس کی جزئیات تک کا علم ہے۔ اور اب وہ اس قسم کے گمراہ کن اور مغالطہ دہ بیانات سے اطمینان نہیں

[1] انشاءاللہ ان تمام امور کا مفصل تذکرہ اپنے ایک دوسرے رسالہ "ہند علاج کیا ہے" میں کیا جائیگا۔ احمدی مہاجر

پکڑ سکتے، لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے ان تمام گذشتہ المناک اور دلفگار واقعات کو غلط سمجھتے ہوئے تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ ہندو بھائیوں کے پُورفج (آباؤاجداد) واقعی ایسے تھے۔ کہ ان سے کسی غیر کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہیں پہنچی۔ تو اس سے یہ کیسے نتیجہ نکال لیں۔ کہ ان کی موجودہ نسل بھی ایسی ہی ہے یا ایسی ہی رہے گی۔ کہ اس سے کسی کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ اور وہ دوسروں کے حقوق کو غصب یا پامال کرنے کی عادی نہیں،

اقلیتیں زبانی جمع خرچ سے مطمئن نہ ہونگی

چونکہ اس قسم کا زبانی جمع خرچ مسلمانوں، اچھوتوں اور دوسری قوموں کو اکثریت کی طرف سے مطمئن نہیں کر سکتا۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ تصفیہ حقوق کا سوال اسی وقت طے کیا جائے۔ اور جس قوم کو جتنا حق پہنچتا ہے وہ تسلیم کیا جائے۔ تاکہ ہر ایک قوم اور جماعت ایک دوسرے کی طرف سے مطمئن ہو کر ملک کی ترقی، بہبودی اور آزادی کے لئے کوئی ٹھوس اور مفید کام کر سکے۔ اور ان سب کی متفقہ و متحدہ کوششوں سے ملک پھر وہی اگلا سا عروج و اقتدار حاصل کر سکے۔ جو اسے اسلامی عہد میں حاصل تھا،

لیکن اگر ہندو مہا سبھائی اس اصل کی طرف رُخ نہ کریں اور وہی بے سُرا راگ الاپے چلے جائیں۔ کہ اس وقت ملک کو آزاد کروانے کی ضرورت ہے نہ کہ فرقہ وارانہ حقوق کے تصفیہ کی۔ تو پھر ہر ایک بہی خواہِ ملک کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ابھی ملک کی قسمت چمکنے میں بہت دیر ہے۔ کیونکہ جب تک اکثریت اقلیتوں کو اطمینان نہ دلائے۔ انکے حقوق تسلیم نہ کرے۔ اس وقت تک کس طرح ان میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو سکتا ہے اور وہ کس طرح ہم آہنگ اور متحد ہو کر سوراج کے لئے ساعی ہو سکتی ہیں،

اور اس افتراق و انشقاق کو دیکھتے ہوئے گورنمنٹ بھی کس طرح ہندوستانیوں کو سوراج کا مستحق سمجھ سکتی ہے؟ گورنمنٹ تو اپنا وعدہ اسی وقت پورا کرے گی۔ اور

ہندوستانیوں کو سوراج کا حامل بنائے گی۔ جبکہ یہ اپنے اندر اتحاد، انصاف پسندی اور رواداری پیدا کریں گے۔ اور "زندہ رہو اور زندہ رہنے دو" کے اصول کو طغرۂ امتیاز بنائیں گے۔ اور اپنے اعمال اور افعال سے ثابت کر دیں گے۔ کہ آئندہ وہ ہر ایک ملی اور ملکی کام متحد اور متفق ہو کر کیا کریں گے،

لیکن اگر کوئی مہا سبھائی ان باتوں کو پڑھ لینے کے بعد بھی یہی کہے۔ کہ مسلمانوں، اچھوتوں اور دوسری قلیل التعداد قوموں کو گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ہندو اکثریت پر بھروسہ اور اعتماد رکھتے ہوئے حصول سوراج کی بھرپور کوشش کرنی چاہیئے۔ تو ایسے شخص کو یہ بھی تو بتلانا چاہیئے۔ کہ قلیل التعداد اقوام کس طرح اکثریت کی نری بڑی باتوں پر اعتبار کر لیں؟

جب اکثریت کا طرزِ عمل بتلا رہا ہے۔ کہ وہ بنیا پن نہیں چھوڑے گی، تنگدلی اور کوتہ نظری کی عادت بھی ترک نہیں کرے گی۔ اور حسب دستور سابق ہر قسم کا اختیار اور اقتدار اپنے ہی ہاتھ میں رکھنے کی متمنی رہے گی۔ تو ایسی حالت میں مسلمان اور دوسری قومیں کس طرح اس کی طرف سے مطمئن ہو کر تصفیہ حقوق کے سوال کو معرض التوا میں ڈال سکتی ہیں؟

جب غلامی کی حالت میں بھی اکثریت اقلیتوں کو ترقی نہیں کرنے دیتی۔ ان کو سرکاری دفاتر اور اداروں سے دُور دُور رکھنے میں ہی کوشاں ہے۔ ان کے جائز اور واجبی حقوق کو پامال کرنے میں دَت چت (منہمک) رہتی ہے۔ تو ان حالات کو دیکھتے ہوئے اقلیتیں مطمئن ہو سکتی ہیں؟ اور تصفیہ حقوق کے بغیر اکثریت کی ہمنوا بن کر گورنمنٹ کو پورن سوراج دینے پر مجبور کر سکتی ہیں؟

جب محکومی کی حالت میں بھی اکثریت، اقلیتوں کو پنپنے نہیں دیتی، ان کی امنگوں آرزوؤں اور ولولوں کو پامال کرنے میں اپنی طاقتیں صرف کر رہی ہے۔ تو کیا اقتدار

حاصل ہونے پر وہ دوسروں کی تخریب میں کوئی بھی دقیقہ اٹھا رکھے گی؟

مہاسبھائی اچھا نمونہ دکھاتے تو تصفیہ حقوق کا سوال ہی نہ اٹھتا

یہ بالکل یقینی بات ہے۔ کہ اگر ہندو اکثریت نے اپنے طرز عمل سے رواداری، فیاضی اور وسعت قلبی کا ثبوت دیا ہوتا۔ اور دوسروں کے حقوق پر ہتھا ساف کرنے کی عادت نہ پیدا کی ہوتی۔ تو اس موقعہ پر مسلمان اور دوسری قومیں تصفیہ حقوق کا سوال ہی نہ اٹھاتیں۔ ان کا باہمی مفاہمت اور تصفیہ حقوق کے لئے زور دینا اور اس پر اصرار کرنا محض اس وجہ سے ہے۔ کہ اب انہیں مہاسبھائی لوگوں کی ذہنیت کا علم ہو چکا ہے۔ اور وہ سمجھ گئی ہیں۔ کہ ان لوگوں پر اسی حالت میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ یہ ہمارے حقوق کو تسلیم کریں۔ اور اپنی نیک دلی اور وسعت قلبی کا عملی ثبوت دیں،

کیا سوراج ملنے پر ہندو مسلمانوں کو حقوق دیدیں گے؟

رہا ڈاکٹر مونجے کا یہ کہنا کہ:۔ "یہ غلط ہے کہ یہاں سوراج کے بعد ہندو، مسلمانوں کے حقوق نہ دینگے"۔ تو یہ بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اگر ہندو مہاسبھائی واقعی روادار، انصاف پسند اور وسیع حوصلہ واقع ہوئے ہیں۔ اور ان کی سرشت میں ہی نہیں۔ کہ کسی کا حق ماریں۔ یا اسے تکلیف دیں۔ تو آخر وہ اس کا کوئی عملی ثبوت کیوں نہیں پیش کرتے؟

پہلے ہندو ریاستوں سے مسلمانوں کو حقوق دلاؤ

بطور تنزل اگر مان بھی لیں۔ کہ انہیں برطانوی ہند میں اتنا اقتدار نصیب نہیں۔ کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات پورے کر کے انہیں اطمینان دلا سکیں۔ حالانکہ وہ یہاں بھی بہت کچھ کر کے دکھا سکتے ہیں۔ لیکن ریاستی ہند میں تو انہیں کلی اختیار حاصل ہے۔ اور غیر برطانوی علاقہ میں درجنوں

نہیں، بیسیوں نہیں، سینکڑوں ہی ایسی ریاستیں ہیں۔ جہاں صحیح معنوں میں ہندو راج قائم ہے، اور وہاں کے حکمرانوں کو ہر قسم کا اختیار و اقتدار حاصل ہے۔ اگر ہندو بھائی برطانوی علاقہ میں محکوم ہونے کے باعث مسلمانوں کے حقوق تسلیم نہیں کر سکتے۔ تو کیا جن علاقوں میں وہ آزاد، خود مختار اور ہر قسم کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں وہاں بھی وہ اپنی انصاف پسندی اور وسیع حوصلگی کا ثبوت نہیں دے سکتے تھے؟

ہندو ریاستوں کے مسلمانوں کی زبون حالی

اگر کہئے نہیں۔ تو یہ غلط ہے۔ اور اگر اثبات میں جواب دیا جائے تو پھر یہ کیا بات ہے۔ کہ وہاں کے مسلمان برطانوی ہند کے مسلمانوں سے بھی کہیں زیادہ پسماندہ، دکھی، مفلوک الحال اور ستم رسیدہ نظر آتے ہیں؟ اگر ڈاکٹر مونجے کے اس قول میں کچھ بھی صداقت ہے کہ ہندو کسی غیر کو کوئی تکلیف دے ہی نہیں سکتا۔ تو ہندو ریاستوں کے مسلمان تباہ حال کیوں ہیں؟ کیا اس لئے کہ وہاں بھی انگریزوں کی حکومت ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو پھر بتلانا چاہیئے۔ کہ وہاں کی مسلم آبادی کیوں درماندہ، خستہ حال، اور پریشان ہے؟

اگر ہندو راج میں کسی کا اپنے حق سے محروم رہنا محال ہے۔ تو پھر ہندو ریاستوں کی مسلمان رعایا انسانیت کے ابتدائی حقوق سے بھی کیوں محروم ہے؟

کیا یہ امر واقعہ نہیں۔ کہ ملک میں کئی ایسی ہندو ریاستیں موجود ہیں۔ جہاں مسلمانوں کو نظام حکومت میں حصہ لینے کی اجازت نہیں۔ سرکاری دفاتر میں گھسنے نہیں دیا جاتا۔ ذمہ واری کے عہدوں سے بھی دُور دُور رکھا جاتا ہے۔ تعلیم سے بہرہ ور نہیں کیا جاتا، ان کے افلاس اور جہالت کو دُور نہیں کیا جاتا، بلکہ ان سے شودروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ اور کئی ایسی ریاستیں بھی ہیں۔ جہاں انہیں مذہبی آزادی بھی حاصل نہیں، خیالات کے اظہار کی بھی اجازت نہیں، ان کی اذانیں روکی

جاتی ہیں، ان کی مسجدیں گرائی جاتی ہیں، ان کے مدرسے بند کئے جاتے ہیں۔ ان کی خوراک پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں، ان کے نکاحوں اور شادیوں پر ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ تنگ آ کر اس قسم کے ناروا سلوک کے خلاف احتجاج کریں۔ تو انہیں جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کر دیا جاتا ہے،

کیا وہاں کے مسلمان ہندوؤں کی طرح انسان نہیں ؟ کیا وہاں کے مسلمان ہندوؤں کی طرح ہندوستانی نہیں ؟ کیا وہاں کے مسلمان مادرِ وطن کے ویسے ہی فرزند نہیں جیسے کہ ہندو ؟ کیا وہاں کے مسلمانوں نے اپنے ملک کی خدمت نہیں کی، اسکی آبادی و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیا، کیا وہ اپنے حاکموں کو ٹیکس مالیہ اور لگان نہیں دیتے ؟ ان کے گاڑھے پسینہ کی کمائی سے حکمرانوں کے خزانے معمور نہیں ہوتے ؟ جب ان میں اور ہندوؤں میں کوئی فرق نہیں اور وہ کسی بات میں بھی ہندوؤں سے پیچھے نہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ہندو ریاستوں کے چھوٹے بڑے عہدے ہندوؤں کو ملیں اور مسلمان محروم رکھے جائیں، بات بات پر ہندوؤں کی حوصلہ افزائی ہو اور مسلمانوں کو دھتکار بتلائی جائے ؟

جب ہندو ریاستوں میں حقوق نہیں دیتے۔ تو سوراج ملنے پر کب دینگے

اب ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہمیں بتلایا جائے۔ کہ جب ملک کے ایسے علاقوں میں بھی جہاں خالص ہندو راج قائم ہے مسلمان برطانوی علاقہ سے بھی کہیں زیادہ خستہ و خراب حالت میں ہوں، سیاسی و ملکی حقوق سے ہی نہیں۔ بلکہ انسانیت کے ابتدائی حقوق سے بھی محروم رکھے گئے ہوں، اور وہاں کی اکثریت اقلیت کو کسی قسم کے حق کی مستحق ہی نہ سمجھتی ہو۔ تو کیا اگر برطانوی ہند میں بھی اکثریت کو ویسا ہی اقتدار حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ ریاستی ہند میں حاصل ہے۔ تو یہاں کے مسلمانوں کے لئے کوئی

امن اور آسائش کی صورت ممکن ہے؟ ہندو اکثریت جب ایسے علاقوں میں بھی جہاں اس وقت اسے کامل اقتدار حاصل ہے۔ مسلمانوں کو پنپنے نہیں دیتی، ان کے احساسات کا خیال نہیں کرتی، ان کے مذہبی جذبات کا احترام نہیں کرتی، اور ہر طرح انہیں دبا کر رکھنا ہی اپنا فرض سمجھے بیٹھی ہے۔ تو کیا برطانوی ہند میں وہ طاقت حاصل کرنے پر مسلمانوں کے حقوق دے دیگی؟

مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنا ہے تو پہلے ہندو ریاستوں میں مسلمانوں کو حقوق دلاؤ

اگر ڈاکٹر مونجے اور اس کے ہمخیال یہ چاہتے ہیں۔ کہ مسلمان ان پر اعتماد کریں، ان کے وعدوں کو صحیح اور قابل اعتبار سمجھیں۔ تو ان کو چاہیئے۔ کہ جن علاقوں میں ہندو راج قائم ہے۔ سب سے پہلے وہاں کے مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دلائیں، اور جن مصائب اور مشکلات میں وہ مبتلا ہیں۔ ان سے جلد سے جلد نجات دلائیں، اور ان سے جس قسم کا بیدردانہ وسفاکانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ اس کا سلسلہ قطعی طور پر بند کردائیں۔ تاکہ مسلمانوں کے اندر جس قسم کی بے اعتمادی ڈاکٹر مونجے اور اس کے ہمخیالوں کے متعلق پیدا ہو چکی ہے وہ دور ہو سکے،

کیونکہ جب تک اقلیتوں کے اندر بے اعتباری قائم رہے گی، اور وہ اکثریت کی طرف سے مخوف رہیں گی، اس وقت تک اصلاح حال ناممکن اور محال ہے۔ اس وقت حالات کا یہی تقاضا ہے۔ کہ ہندو اکثریت سو کام چھوڑ کر بھی اس طرف متوجہ ہو۔ اس وقت زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلے گا، اور نہ ہی تاریخی واقعات سُنانے سے کام بنے گا۔ اس وقت تو مہا سبھائیوں اور کانگرسیوں کو اپنی نیک نیتی، فراخ دلی اور رواداری کا عملی نمونہ دکھانا پڑے گا۔ ہندو اکثریت کا طرزِ عمل دیکھتے

ہوئے اقلیتیں اب صرف چکنی چپڑی باتوں ہی سے تسلی نہیں پا سکتیں۔ ان کو اگر مطمئن کرنا ہے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ اکثریت اپنی سابقہ روش کو نہ صرف بدل دے۔ بلکہ اپنے اعمال سے ثابت کر دے۔ کہ واقعی وہ انصاف پسند، روادار اور دوسروں کے حقوق کا احترام کرنے والی ہے، اور اس کی یہی صورت ہے۔ کہ جہاں وہ برطانوی ہند میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کی ترقی میں روڑے نہ اٹکائے وہاں ریاستی ہند کی ان تمام ہندو ریاستوں میں بھی مسلم اور اچھوت آبادی کو اس کے جائز اور واجبی حقوق دلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ جس وقت بھی ہندو اکثریت نے یہ کر کے دکھا دیا، سمجھو کہ اسی وقت اقلیتوں کے دلوں سے وہ تمام بے اعتباری و بداعتمادی بھی دُور ہو جائے گی۔ جو اکثریت کے غلط اور تکلیف دہ بلکہ نامنصفانہ طرز عمل سے پیدا ہو چکی ہے، اور جس کی وجہ سے ملک اتحاد اور اتفاق کی برکتوں سے محروم اور نفاق و شقاق کا گڑھ بنا ہوا ہے

برطانوی اور ریاستی ہند میں مسلمانوں کی اسلئے مخالفت کی جاتی ہے کہ اس سے ہندو راج میں رخنہ پڑتا ہے

لیکن چونکہ ہمیں مہا سبھائی ذہنیت سے پوری پوری واقفیت ہے۔ اس لئے اگر یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ کہ سنگٹھنی سورما اس اس اصل کی طرف بھی نہ آئیں گے۔ اور بدستور زبانی جمع خرچ ہی سے کام لیکر مسلمانوں کو تھتو تھتو میں رکھیں گے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان یا دوسری اقلیتیں کہیں اور کسی جگہ بھی اپنے جائز حقوق کی متمتع ہوں۔ کیونکہ اگر اقلیتوں کو حقوق مل گئے، وہ اپنی مراد کو پہنچ گئیں، اور نظام حکومت میں برابر کی حصہ دار سمجھی گئیں۔ تو ان لوگوں کی اس دیرینہ سکیم کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ جو "ہندو راج" کے نام سے موسوم ہے۔ اور جس کے ماتحت

یہ کشمیر سے لے کر راس کماری تک اپنا ہی راج اور اپنا ہی اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں، اور یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمانوں اور اچھوتوں کو یہ نہ صرف برطانوی علاقہ میں بلکہ ریاستی ہند میں بھی اپنے جائز حقوق سے بہرہ اندوز نہیں ہونے دیتے، اور سمجھتے ہیں۔ کہ اگر نظامِ حکومت میں ہندو سنگٹھنیوں کے علاوہ دوسرے بھی برابر کے حصہ دار بن گئے۔ تو ان کی خود مختاری اور ہمہ گیر تسلط میں رخنہ اندازی ہوگی۔ اور وہ خواب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خواب پریشاں ہو کر رہ جائے گا۔ جس کی تعبیر ہندو راج ہے

اگر ہندو راج قائم کرنے کے منصوبے نہیں تو تصفیہ حقوق کیوں نہیں کرتے

اگر ان لوگوں کے دل و دماغ پر ہندو راج قائم کرنے کا خیال مسلط نہ ہوتا۔ تو یہ اقلیتوں کی چیخ و پکار کا خیال نہ کرتے؟ اگر ان کے اندر ہندو راج کی تمنا نہ ہوتی۔ تو یہ گورنمنٹ کی خواہش پوری نہ کرتے؟ اگر ان کو دن رات ہندو راج ہی کے خواب دکھائی نہ دیتے۔ تو یہ اپنے ہی ہم مذہب لوگوں کی نصیحت اور مشورہ پر کان نہ دھرتے؟

ان کا اقلیتوں کی چیخ و پکار پر دھیان نہ دینا، گورنمنٹ کی خواہشات کا خیال نہ کرنا اور اپنے ہم عقیدہ لیڈروں کی نصائح پر توجہ نہ کرنا محض اسی لئے ہے۔ کہ ملک کے ہر ایک حصہ اور گوشہ میں انہی کا اقتدار اور اختیار قائم ہو جائے، اور سوراج ملنے پر یہی بلا شرکت غیرے سیاہ و سفید کے مالک بنیں، لیکن اگر وہ ہندو دوست جو سنگٹھنیوں کے متعلق اس قسم کا خیال نہیں رکھتے یہ کہیں کہ ان کے متعلق ہم نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ بدظنی پر مبنی ہے۔ تو ایسی حالت میں وہ خود ہی بتلائیں۔ کہ جب یہ لوگ نہ تو برطانوی علاقہ میں ہی مسلمانوں کو اپنے حقوق سے مستفید ہونے دیتے ہیں۔ اور نہ ہی ریاستی ہند میں (جہاں کہ خالصتاً انہی کی حکومت اور انہی کا اقتدار قائم ہے) تو پھر کس طرح ہم یہی نتیجہ نہ نکالیں۔ کہ ان کی خواہش ملک میں ہندو راج ہی قائم

کرنے کی ہے؟

اگر ان لوگوں کے اندر دوسروں کے لئے ہمدردی کا جذبہ ہوتا۔ ان کے دُکھ درد کا احساس ہوتا۔ اور انہیں اپنا بھائی سمجھتے تو کیا ممکن تھا۔ کہ ان کی آہ و بکار پر ان کے دل بیقرار نہ ہوتے، ان کے نالۂ و شیون سے ان میں بے چینی نہ پیدا ہوتی۔

مہا سبھائیوں کا عذر لنگ

اگر کہا جائے۔ کہ ریاستی مسلمان واقعی سقیم الحال ہیں اور ان کو نکبت واد بار سے نکالنا ہر بہی خواہ ملک کا فرض ہے، لیکن چونکہ برطانوی ہند کے کانگرسی اور مہاسبھائیوں کا ریاستی علاقہ میں کوئی اثر نہیں۔ اور نہ ہی ان کی آواز وہاں سُنی جا سکتی ہے۔ اس لئے ہندو اکثریت وہاں کے مسلمانوں کو کسی قسم کی بھی اخلاقی یا مادی مدد نہیں پہنچا سکتی، تو مہاسبھائیوں، کانگرسیوں یا ان کے حامیتوں کا یہ عذر بھی عذر لنگ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اگر ہندو ریاستوں میں ان کا کوئی اثر نہیں اور نہ ہی ان کی آواز کوئی نتیجہ پیدا کر سکتی ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ جو تحریک بھی یہ لوگ برطانوی ہند میں شروع کرتے ہیں۔ وہی تحریک ریاستی علاقوں میں بھی قبول عام حاصل کر لیتی ہے، کیا ہندو مہاسبھائیوں کی تحریک سنگٹھن، تحریک شدھی، تحریک اچھوت اُدہار، تحریک ترویج ہندی، تحریک گئو رکھشا، تحریک سودیشی نے ہندو ریاستوں میں قبولیت حاصل نہیں کی؟ کیا ریاستی ہندؤں نے ان تحاریک کے بانیوں کی باتوں پر کان نہیں دھرا؟ ان کی سکیم اور لائحہ عمل کے مطابق عمل نہیں کیا؟ ان کی دامے درمے قدمے، سخنے مدد نہیں کی؟ اور تو اور کیا خود ہندو رجواڑوں نے سنگٹھنی لیڈروں کی اعانت نہیں کی؟ ان کے اغراض و مقاصد کو اپنی شرکت سے تقویت نہیں پہنچائی؟ جب یہ سب کچھ درست اور صحیح ہے۔ تو پھر کس طرح ہم مان لیں۔ کہ چونکہ ہندو ریاستوں میں کانگرسیوں اور مہاسبھائیوں کو کسی قسم کا اثر اور رسوخ حاصل نہیں۔ اس لئے

دہاں کے درماندہ اور دُکھی مسلمانوں کی امداد کرنا ان کے حیطۂ امکان سے باہر ہے،

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے۔ کہ ہندو ریاستوں میں ان کی شنوائی نہیں ہوتی، (حالانکہ یہ سراسر غلط ہے) اس لئے یہ وہاں کے بے زبان اور ظلم رسیدہ مسلمانوں کی مشکلات اور مصائب کا خاتمہ نہیں کروا سکتے۔ تو کیا وہ یہ بھی نہیں کر سکتے۔ کہ جب وہاں کے مسلمان اپنے حاکموں سے حقوق مانگیں۔ تو یہ ان کی تائید میں آواز ہی اٹھائیں، کیا ملک کے ایک اچھے خاصے طبقہ کی مشکلات دور کرنے کے لئے یہ ان سے زبانی ہمدردی بھی نہیں کر سکتے۔ اپنے پریس اور پلیٹ فارم سے بھی ان کی مدد نہیں کر سکتے؟ اور اگر انہیں اتنی بھی توفیق نہیں مل سکتی۔ تو کیا جب ستم زدہ مسلمان اپنے حقوق کے لئے چلائیں۔ تو یہ غیر جانبدار بھی نہیں رہ سکتے؟ اول تو ان کا اخلاقی اور مُلکی فرض ہے۔ کہ جب بھی یہ کسی کو تکلیف میں دیکھیں اس کی مدد کریں، لیکن اگر مدد نہیں کر سکتے۔ تو کیا خاموش بھی نہیں رہ سکتے؟

مسلمانوں کے حقوق مانگنے پر مہاسبھائی خاموشی کی بجائے مخالفت کرتے ہیں

لیکن صورت حال یہ ہے۔ کہ مہاسبھائی ایسے موقعوں پر خاموش رہنے کی بجائے اُلٹی ان کی مخالفت کرتے ہیں، اور یہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی کہ فریاد کنندے غمزدہ ہیں۔ تباہ حال اور ستم رسیدہ ہیں۔ لیکن یہ لوگ ستم رسیدوں کی بجائے ستم کیشوں ہی کی حمایت کریں گے، اور لطف یہ کہ اس قسم کی غلیظ ذہنیت رکھتے ہوئے بھی مسلمانوں سے اس امر کے متوقع ہوتے ہیں۔ کہ وہ ان پر اعتماد کریں۔ اور سوراج حاصل ہونے تک کسی قسم کے حقوق کا سوال نہ اٹھائیں،

مہا سبھائیوں کی تاریک ذہنیت کے ثبوت میں کشمیر کی تازہ مثال کافی ہے

اور یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے۔ واقعات کی بنا پر لکھا ہے، لیکن چونکہ یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ اس کی تائید میں بہت سی مثالیں پیش کریں۔ اس لئے فی الحال صرف کشمیر ہی کی تازہ مثال کافی سمجھتے ہیں۔ اور ناظرین اس مثال کو سامنے رکھ کر معلوم کر سکیں گے۔ کہ مہا سبھائیوں اور کانگرسیوں کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا وہ کس قدر صحیح اور حقیقت پر مبنی ہے،

اخبار بین اصحاب کو علم ہوگا۔ کہ ریاست جموں وکشمیر کی مسلم آبادی کامل ایک صدی سے جابرانہ قوانین اور ناروا سلوک کی تختۂ مشق بنتی چلی آئی ہے، اور اس لمبے عرصہ میں اسے کتنی شدید تکلیفوں اور ناقابل برداشت مصیبتوں کا سامنا رہا ہے۔ لیکن اب جبکہ اسے اپنی زار و نزار حالت کا احساس ہوا۔ اور اس نے کروٹ بدلی، اور چاہا کہ موجودہ حالت کو بدل دے۔ تو بجائے اس کے کہ کانگرسی اور مہا سبھائی اس کی مدد کرتے، یا خاموش ہی رہتے۔ انہوں نے اس کی مخالفت ہاں شدید ترین مخالفت کرنا ہی اپنا قومی اور ملکی فرض سمجھا،

انصاف اور انسانیت کا تو یہی تقاضا تھا۔ کہ یہ لوگ بلا تفریق مذہب وملت مظلوموں کی حمائت کرتے، مسکینوں اور امداد کے مستحقوں کی اعانت کرتے۔ مگر ان نے مجبور کی بجائے جابر ہی کی پیٹھ ٹھونکنا ضروری سمجھا،

اگر ہندو نیک نیت ہیں تو کشمیریوں کی کیوں مخالفت کرتے ہیں

اگر ہندو مہا سبھائی یہ بات خلوص نیت سے کہتے ہیں۔ کہ مسلمان گھبرائیں نہیں۔ سوراج مل جانے پر ان کے تمام حقوق مل جائیں گے۔ تو کیا اس وقت جہاں ہندو راج قائم ہے۔ وہاں کے مسلمانوں کو حقوق دلانا ان کا اوّلین فرض نہیں؟ اگر فرض ہے اور یقیناً فرض ہے۔ تو پھر کس لئے وہ مسلمانانِ کشمیر و جموں کی مخالفت کرتے ہیں، اور ان کے مطالبات کو ناقابلِ قبول اور ردّ کر دینے کے قابل بتلاتے ہیں؟ کیا وہاں کے مسلمان سقیم الحال نہیں، ستم رسیدہ اور قابلِ امداد نہیں؟ اگر ہیں اور یقیناً ہیں۔ تو پھر ان کی بجائے ریاست کی حمائت کرنا اور اُسے جبر و تشدد کے لئے اُبھارنا مناسب ہے؟

آخر ہمیں بتلایا تو جائے۔ کہ مہا سبھائی کس بنا پر وہاں کے مسلمانوں کے خلاف پیخ پا رہیں۔ اور وہ کیا بات ہے۔ جو ان کو مخاصمت پر آمادہ کر رہی ہے؟

کیا یہی کہ وہ دُکھی ہیں، مظلوم ہیں، حقوق سے محروم اور مصیبت زدہ ہیں؟ اگر یہ نہیں تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ مہا سبھائیوں کا پریس اور پلیٹ فارم ان بے یار و مددگار لوگوں کے خلاف شعلہ افشانی کرتا نہیں تھکتا ان کو بدنام اور رسوا کرتے نہیں تھکتا؟ آخر مہا سبھائی کچھ تو بتلائیں۔ کہ کشمیریوں سے وہ کونسا گناہ سرزد ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے خلاف آمادۂ پیکار ہو گئے؟ کیا کشمیری انسان نہیں؟ وہ بھارت ماتا کے لال نہیں؟ اگر ہیں اور واقعی ہیں۔ تو پھر کیا ان کو بھی وہی آسانیاں، وہی حقوق اور وہی رعائتیں نہیں ملنی چاہئیں۔ جو وہاں کے پنڈتوں کو حاصل ہیں، ڈوگروں کو حاصل ہیں اور سکھوں کو حاصل ہیں؟

مہاسبھائیوں کا کشمیریوں کی مخالفت کرنا کسی معقولیت پر مبنی نہیں

اگر کہا جائے کہ چونکہ "ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں" (ملاپ)

اس لئے ان کی تمام شکایات بے جا، غلط اور محض ہندو ریاست کو بدنام کرنے کے لئے ہیں؎۔ اس لئے ہم ان کی مخالفت ضروری سمجھتے ہیں۔ تو یہ کہنا بھی نرا پروپیگنڈا ہے۔ کیونکہ ہم اپنے ایک دوسرے رسالہ میں اس کی تردید و تغلیط میں خود انہی لوگوں کی بہت سی شہادتیں قلمبند کرتے ہوئے بتلا چکے ہیں۔ کہ کشمیر کے دُکھی، مفلوک الحال، مصیبت زدہ اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق کا حامل بتلانا محض ستم ظریفی ہے، لیکن چونکہ ہم جھوٹوں کو ان کے گھر تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس لئے ذیل میں چند شہادتیں اور بھی نقل کر دیتے ہیں۔ جن میں بعض انگریزوں کی ہیں، انگریزی اخباروں کی ہیں، ہندو لیڈروں کی ہیں، ہندو عہدہ داروں کی ہیں، ہندو کانگرسیوں کی ہیں، ہندو اخباروں کی ہیں، اور خود ان ہندو مہاسبھائیوں کی بھی ہیں۔ جو بتلائیں گی۔ کہ مہاسبھائیوں کا ریاستی مسلمانوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھنے کے لئے اس قسم کا پروپیگنڈا کرنا کس قدر کھلی کھلی بددیانتی ہے۔

مندرجہ ذیل شہادتیں صرف یہی نہیں بتلائیں گی۔ کہ ریاستی مسلمانوں کی تمام شکایات حقیقت پر مبنی اور بجا ہیں۔ بلکہ ان سے ریاست کے بعض عہدہ داروں کی نااہلیوں، سردمہریوں اور بے انصافیوں پر بھی تیز روشنی پڑے گی۔ اور ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ نہ صرف ریاست کے مسلمان ہی قابل امداد ہیں۔ بلکہ وہاں کا نظامِ حکومت اور اس کے چلانے والے بھی بہت زیادہ اصلاح کے محتاج ہیں، اور جب تک ان کی اصلاح نہ ہوگی

؎ بھائی پرمانند کا اخبار "ہندو" لکھتا ہے کہ "کشمیر کے حالات پر مسلمان اخبارات شور برپا کرتے ہوئے جو شکایات اس ہندو ریاست کے خلاف شائع کر رہے ہیں۔ وہ تمام حق پرستوں کو معلوم ہیں۔ کہ بالکل بے بنیاد ہیں" (ہندو ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

اسوقت تک نہ تو ملک ہی ترقی کرسکتا ہے اور نہ ہی اسکے باشندے مسرت و خوشحالی سے شادکام ہوسکتے ہیں:

ہمیں امید ہے۔ کہ ابنائے وطن خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں یا پارسی، مندرجہ ذیل شہادتوں کو جو ریاست کو بدنام کرنیکے لئے نہیں بلکہ محض اصلاح حال کیلئے درج کیجا رہی ہیں اسکون دل سے پڑھینگے، اور اس کے بعد اگر وہ سمجھیں۔ کہ وہاں کے مسلمان واقعی امداد کے محتاج ہیں۔ تو پھر انکی اعانت و دستگیری سے دریغ نہ فرمائیں گے،

مسلمانانِ کشمیر کی حقوق تلفیوں اور ریاستی نظام کی خرابیوں کے متعلق

انگریزوں۔ ہندوؤں اور ریاستی عہدداروں کی

بہت سی وزندار شہادتیں

لیکن قبل اس کے کہ ہم حسب وعدہ ذیل میں بہت سی غیر جانبدار شہادتیں نقل کریں۔ پہلے اس امر کو واضح کر دینا چاہتے ہیں۔ کہ جہاں تک ہم سے ہو سکا۔ ان کے انتخاب میں احتیاط سے کام لیا ہے۔ لیکن اگر ان میں کوئی بات غلط، مبالغہ آمیز یا خلاف واقعہ ہو۔ تو اس کے متعلق جو صاحب ہمیں بتلائیں گے۔ ہم اس کی اصلاح اپنا فرض سمجھیں گے۔ کیونکہ ہماری نیت خدانخواستہ کسی کو بدنام کرنا نہیں۔ بلکہ اصلاح حال ہے! اور ساتھ ہی ہم اپنے ان الفاظ کو پھر دہرائے دیتے ہیں جو رسالہ ہذا کے پہلے حصہ میں لکھے تھے کہ:-

مسلمان مہاراجہ صاحب کے بدخواہ نہیں | ہمیں یا اور کسی مسلمان کو خواہ وہ کشمیر کا ہو یا برطانوی ہند کا

مہاراجہ صاحب بہادر سے کسی قسم کا نقار نہیں، دشمنی اور عداوت نہیں اور نہ ہی ان کا کوئی بدخواہ اور اس امر کا خواہاں ہے کہ ان کی عزت، ان کے وقار اور اقتدار میں کوئی کمی واقع ہو۔ ہم میں سے کسی کی بھی خواہش نہیں۔ کہ گورنمنٹ ان کو تخت سے معزول کر دے۔ یا موجودہ حکمران خاندان کی سیادت و امارت میں کسی قسم کا فرق آوے۔

مہاراجہ صاحب بہادر کے اوصاف

ہمارا یہ دیانتداری کے ساتھ خیال ہے۔ کہ موجودہ مہاراج شریف ابن شریف ہیں جس طرح ان کے والد ماجد روادار، بے تعصب، خوش اخلاق اور مسلمانوں کے خیر خواہ تھے اسی طرح موجودہ مہاراجہ صاحب بہادر بھی شریف، نیک دل بے تعصب اور اپنی مسلمان رعایا سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ افسوس صرف اتنا ہے۔ کہ مہاراج کے ارد گرد بعض ایسے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ جو آپ کو مسلمان رعایا کی تکالیف کا علم ہونے نہیں دیتے۔ ورنہ یہ ممکن ہی نہیں۔ کہ آپ تک غریب رعایا کی آواز پہنچے۔ اور آپ اس پر توجہ نہ فرمائیں گذشتہ دنوں جس قدر ناگوار اور افسوسناک باتیں ظہور میں آئیں۔ ان کی یہی وجہ تھی۔ کہ غیر ہمدرد مصاحبین نے آپ کو حالات کا صحیح علم نہ دیا۔ اور اب جبکہ وہ اپنی مسلمان رعایا کی تکالیف سے ذاتی طور پر واقف ہو جانے کے بعد ان کی تکالیف رفع کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ تو ایسی حالت میں وہ کون نادان ہوگا۔ جو آپ کے خلاف کوئی بری رائے قائم کر سکے۔

مہاراجہ صاحب سے بہترین امیدیں

ہمیں مہاراجہ صاحب بہادر کی ذات گرامی سے کامل امید ہے۔ کہ وہ جلد ہی اپنے مواعید کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ریاست کی مسلم آبادی کو اس قابل بنا دینگے کہ وہ وہاں کی غیر مسلم رعایا کی طرح شگفتی اور خوشحال نظر آتے۔ اور راعی و رعایا کا پہلے سے بھی کہیں زیادہ محبت و عقیدت کا رشتہ مضبوط ہو جاتے۔ اور دونوں کے تعاون

سے ملک پھر اسی شاندار اور قابلِ رشک حالت میں تبدیل ہو جائے۔ جو عہد مغلیہ میں تھی۔ اور جس طرح عہد اسلامیہ میں فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیر نے اس ملک اور اس کے باشندوں کی تعریف کی تھی۔ اسی طرح آپ کے عہد میں بھی ہو جائے۔ وہ برنیر کے ان لفظوں کو دُہرانے پر مجبور ہو۔ کہ واقعی

عہد اسلامیہ کا کشمیر برنیر کی نظروں میں

"دوسرے ممالک کی نسبت کشمیر میں علم و فضل کی فراوانی ہے۔ ادبیات اور حکمت سے یہاں کے لوگ کافی واقف ہیں۔ صنعت و حرفت میں بھی یہ کسی سے کم نہیں۔ کشمیر جنّت نظیر ہے۔ سارا ملک سرسبز، شاداب اور سدابہار باغ کی طرح ہے۔ چراگاہیں، انگور کی بیلیں، چاول اور گیہوں کے کھیت ہی نہیں۔ کیسر اور دیگر طرح طرح کے پھل پھول۔ پانی سے لبریز نہریں، ندی نالے، جھیل اور ڈل کے نظارے بھی اپنے اندر بڑی کشش رکھتے ہیں اور کشمیری ہر طرح سے سُکھی ہیں۔"

(منقول از کتاب "کاشمیر" مصنفہ شری گوپال نیڈیا صاحب)

مسٹر سی ایف سٹرکلینڈ ریٹائرڈ آر سی بی ایس کی شہادت

سب سے پہلے ہم ایک انگریز مدبّر کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ جس کو خود ایک ہندو اخبار نے ہی شائع کیا تھا، صاحب موصوف کا مضمون چونکہ طویل ہے۔ اس لئے بعض اسکے جستہ جستہ ٹکڑے ہی درج ذیل ہیں:۔

"سرکاری ملازمتوں کا سوال"

(۱) "کشمیری پنڈت عام طور پر ریاست کی ملازمت کرتے ہیں، اور بالکل قدرتی طور پر ہر ایک سرکاری افسر یہی کوشش کر رہا ہے۔ کہ اس کے اپنے رشتہ دار کو ہی ملازمت ملے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ مسلمان

جہاں بھی جاتا ہے۔ وہاں ہی اُسے ایک ہندو افسر کا سامنا کرنا پڑتا ہے
مہاراجہ کے وزراء میں سے صرف ایک مسلمان ہے جو پنجاب کا ایک سابق
جج ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام وزیر ہندو ہیں۔ پہلے ایک غیر سرکاری انگریز
ریاست کا وزیر اعظم تھا۔ لیکن اُسے ہٹا کر اس کی جگہ ایک ہندو کو دیدی گئی
ہے۔ دیہات کے سکولوں کے سکول ماسٹر ہندو ہی ہوتے ہیں۔ اور عام طور
پر برہمن ہی ہوتے ہیں۔ ڈاک کے ہرکارے مسلمان ہوتے ہیں۔ لیکن پوسٹ ماسٹر
ہندو ہوتا ہے۔ اور گورنمنٹ (کشمیر) کے ہر صیغہ میں یہی حالت ہے۔"

"ریاستی فوج میں مسلمان"

"فوج میں بھی یہی حالت ہے۔ باوجود اس امر کے کہ مسلمانوں کی آبادی
۷۵ فیصدی ہے۔ پھر بھی فوج میں ان کی تعداد ۳۰ فیصدی سے زیادہ نہیں
ہے۔ یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے۔ کہ کشمیری مسلمان جنگجو نہیں ہیں۔ اور ان
میں ضبط کی سپرٹ موجود نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ انہیں فوج میں بھرتی کرنے
کی تجویز کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے۔ کہ اگر انہیں بھرتی نہ کیا جائے گا۔ اور
ضبط کی سپرٹ حاصل کرنے کا موقعہ نہ دیا جائے گا۔ تو ان کی ہمیشہ یہی
حالت رہے گی۔ اور وہ ترقی نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کو بھرتی کیا جانا
چاہیئے۔ گو یہ ٹھیک ہے۔ کہ وہ کافی عرصہ تک اچھے سپاہی نہ بن سکیں گے۔"
اس کے بعد احراریوں کی جنبہ بازی کی مذمت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"گئو کشی کا سوال"

"مسلمانوں کی شکایات کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان میں
سے پہلا حصہ مذہبی شکایات کا۔ مگر ہندوستان میں مذہبی، سیاسی
یا مجلسی شکایات کو علیحدہ علیحدہ کرنا بہت مشکل ہے۔ دوسری ہندو

ریاستوں کی طرح کشمیر میں بھی گئو کشی قانوناً ممنوع ہے۔ ہندو گئو کو مقدس خیال کرتے ہیں۔ اور گئو کشی کے جرم میں سات سال قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔ اور یہ صرف نام نہاد سزا نہیں ہے۔ بلکہ دراصل اس قسم کے واقعات ہو چکے ہیں۔ اور اس وقت کتنے ہی مسلمان جیلوں میں ہیں جنہیں گئو کشی کے الزام میں سزا ہوئی ہے، یورپین لوگ ہندوؤں کے اس مذہبی جذبہ کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکے۔ فی الحال اس بات کی کوئی امید نہیں۔ کہ یہ قانون منسوخ کر دیا جائیگا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ سزا کی میعاد گھٹا دی جائے۔"

"تبدیل مذہب کا سوال"

"اگر کوئی ہندو مسلمان ہو جائے۔ تو اسے اپنی جدی جائداد کا حصہ نہیں مل سکتا۔ یہ امر شاید حیرت انگیز ہو۔ لیکن ہندو قانون ہی ایسا ہے۔ ہندو قانون کے مطابق خاندان کی تمام جائداد مشترکہ ہوتی ہے۔ اور جو شخص مسلمان ہو جائے۔ وہ خاندان کا ممبر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اس مشترکہ جائداد میں کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ مسلمان اس قانون کی تنسیخ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ فی الحال ممکن ہے۔ کہ اس قانون میں ترمیم کر دی جائے۔ لیکن اس کو منسوخ کر دینا ہندو مذہب کی جڑوں پر کلہاڑا مارنا ہوگا[1]۔ اور ہندو اسکی سخت مخالفت کرتے ہیں۔"

"پولیس کے متعلق شکایات"

"اس سلسلہ میں مسلمانوں کی شکایات اتنی زبردست ہیں۔ جتنی دوسرے امور میں۔ مسلمانوں کو پولیس افسروں۔ فارسٹ

---

[1] صاحب موصوف کے اس خیال سے ہمیں اختلاف ہے۔ جسکے متعلق ہم آئندہ صفحات میں اپنا خیال ظاہر کرینگے۔ (احمدی مہاجر)

افسروں جنگلات کے جانوروں کے محافظوں اور دوسرے پبلک افسروں کے سلوک کے خلاف سخت شکایت ہے۔ برٹش انڈیا میں پولیس میں کافی ضبط اور بہادری پائی جاتی ہے لیکن پھر بھی ان میں کئی خامیاں ہیں۔ کشمیر میں پولیس کی بھرتی ہندو ڈوگروں میں سے کی جاتی ہے۔ یہ لوگ پولیس میں بھرتی ہونے کے لئے بہترین لوگ ہیں۔ لیکن چونکہ پولیس میں عام طور پر یہی لوگ پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس وجہ سے ان لوگوں میں غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ کہ دوسرے فرقے اُن کے ماتحت ہیں چنانچہ پولیس میں بدانتظامی پھیل جاتی ہے"۔

"سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصّہ"

"اصلی بات یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال بیٹھ گیا ہے۔ کہ ان کے ساتھ ایک ادنیٰ جماعت جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ اس جذبہ کی وجہ سے وہ معمولی مذہبی اور اقتصادی شکایات کو بھی بہت بڑا خیال کرتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں یہ جذبہ نہ ہوتا۔ تو ان شکایات پر کوئی بھی دھیان نہ دیا جاتا۔ **ان کا الزام بالکل ٹھیک ہے**۔ کہ اگرچہ ان کی آبادی ہندوؤں کی آبادی سے کئی گنا ہے۔ پھر بھی سرکاری ملازمتوں میں ان کو کوئی حصّہ نہیں دیا جاتا۔ اور اگر کوئی ملازمت مسلمانوں کو کہیں دی بھی جاتی ہے تو وہاں بھی انہیں ہندو افسروں کی ماتحتی میں کام کرنا پڑتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ کہ کئی سرکاری افسر مسلمان ہیں، لیکن ان کی تعداد صرف ۱۱ فیصدی ہے اور اعلیٰ ملازمتوں میں ان کی تعداد اس سے بھی کم ہے۔ ان مشکلات کا کوئی حل تجویز کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ عام طور پر قاعدہ ہے۔ کہ جب جس آدمی کو بہت عرصہ سے سوسائٹی میں ادنیٰ پوزیشن ہی دیجاتی رہی ہے

اسے اگر فوراً آزاد کر دیا جائے۔ تو وہ وہی فرائض سرانجام نہیں دے سکتا جو طاقتور شخص جس نے اُسے دبا کر رکھا ہُوا تھا سرانجام دے رہا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کی پہلی ضرورت جو ہے وہ تعلیم ہے

بہت تھوڑے مسلمان خواندہ ہیں۔ پرائمری سکولوں میں مسلمان طلباءؔ کی تعداد ہندو طلباء سے زیادہ ہے۔ لیکن ان میں سے بہت تھوڑے طلباء (غربت کے باعث نا قل) سیکنڈری سکول میں جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا ہے۔ کہ کشمیر میں ایک سو مسلمان میں مشکل سے ایک مسلمان لکھا پڑھا ہو گا۔ کئی شہروں میں لازمی تعلیم کا سسٹم رائج ہے۔ لیکن دیہاتوں میں ایسا کوئی قاعدہ نہیں۔ ریاست کی آمدنی تقریباً ۲۰ لاکھ پونڈ ہے جس کا پانچ فیصدی تعلیم پر خرچ کیا جاتا ہے"

"اقتصادی طور پر ریاست نے حتی الامکان مسلمانوں کی پوزیشن بہتر بنانے کے لئے کوشش کی ہے۔ ..... (مگر پھر بھی) کسانوں کی حالت خراب ہے۔ لیکن اِسے بہتر بنانے کے لئے اُسے کافی عرصہ درکار ہے۔ اور اگر ہندوؤں کا رویہ اتنا خراب نہ ہوتا تو کسان اور بھی بہت عرصہ کے لئے صبر کر کے بیٹھا رہتا"

(اخبار ویر بھارت لاہور ۳۰ مارچ ۳۲ء ص ۱۱-۱۲)

اگر قارئین کرام صاحب موصوف کا مندرجہ بالا بیان جو ہر قسم کی جنبہ داری سے بالا اور حقائق پر مبنی ہے۔ پڑھیں گے۔ تو انہیں مہاسبھائیوں کے اس گمراہ کُن فقرہ کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ:-

"ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں"

اب اس کے بعد ایک انگریز ایڈیٹر کی شہادت ملاحظہ ہو:-

ظلم وستم کی شہادتیں

(۲) "ہم نے متعدد مرتبہ احرار کی ایجی ٹیشن کی مذمت کی ہے، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اگر کشمیر کی مسلم اکثریت کی بے اطمینانی کے محکم وجوہ موجود نہ ہوتے۔ تو یہ ایجی ٹیشن ہرگز کامیاب نہ ہوتا" (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۴ر فروری ۳۲ء)

لنڈن ٹائمز کے نامہ نگار کی شہادت

محولہ بالا شہادت پڑھ لینے کے بعد اب ایک دوسرے انگریزی اخبار کا بیان بھی ملاحظہ فرمائیے، اور اس کے بعد ان دروغگو مہاسبھائیوں کی اخلاقی گراوٹ پر آنسو بہائیے، جو ریاست کے مظلوم اور خستہ حال باشندوں کو سکھی بتلا کر ان کو حقوق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں:۔

(۳) "مسلمانوں کی مظلومیت کے گہرے اور سچے احساسات کے خلوص پر کوئی شک نہیں ہے۔ اور اس کا باعث وہ سخت بے انصافیاں اور غیر عادلانہ امتیازات ہیں۔ جو کشمیر کے نوّے ۹۰ فیصدی سے اوپر اور جموں کے ۷۵ فیصدی مسلمانوں کی عظیم اکثریت کے ساتھ ہندوؤں کی نہایت قلیل اقلیت کے فوائد کے لئے روا رکھے گئے ہیں۔"

(بحوالہ سٹیٹسمین از اخبار انقلاب ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳)

اخبار سٹیٹسمین کے نامہ نگار کی چشمدید شہادت

مندرجہ بالا وقیع شہادتوں کے بعد اب سٹیٹسمین جیسے معزز اور بلند پایہ انگریزی جریدہ کی شہادت بھی پوری توجہ سے پڑھیے۔ جو اس کے نامہ نگار کی ذاتی تحقیق پر مبنی ہے:۔ (محررہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۳۱ء)

"ریاست میں مسٹر لاور انسپکٹر جنرل پولیس مقرر ہوتے ہیں۔ مسلمان اسے کسی قدر اطمینان کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ لاہور میں منگل کے روز یہ خبر آئی۔ کہ مسلمانانِ کشمیر نے اپنے حقوق و مطالبات مہاراجہ کے سامنے پیش کر دئے ہیں۔ لیکن یہاں کے کانگرسی اخبارات کو قدرتاً اس سے سخت بُغض پیدا ہو گیا ہے۔ اور وہ ان مطالبات کو بہت غیر ضروری اور بے جا بتاتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ بہت بڑا ظلم تھا۔ کہ لوگ اپنی ریاست کے انتظام میں کیوں مناسب حصہ لینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ انہیں واقعی افسوس ہُوا ہوگا۔ کہ کسی ملک کے نوّے ۹۰ فیصدی باشندے آزادی اور حُریت و اطمینان کی زندگی کیوں بسر کریں؟ انہیں یہ بات شاید بہت ناگوار اور مضحکہ خیز ثابت ہوئی ہوگی۔ کہ مہاراجہ نے ان مطالبات کو بہت دانشمندانہ اور بالکل مناسب بتایا ہے۔ اور ہمدردی ظاہر کی ہے۔ اور پورے ایک کانگرسی پرچہ کے نزدیک تو یہ "بہت دزنی" "مطالبات ہیں"

"یہاں آکر مجھے معلوم ہوا کہ فرقہ دارانہ کشیدگی اور مسلمانوں کے خون کا اصل واقعی درست ہے۔ کہ نوّے فیصدی مسلمانوں کی آبادی ہے مگر مسلمانوں کو ملازمتوں میں ۵ فیصدی بھی گنجائش نہیں دی جاتی۔ ساری ملازمتیں ہندوں یا دیگر غیر مسلموں کو دی جاتی ہیں۔ یہ کہنا کہ جس قوم کے لوگ کسی ملک میں نوّے فیصدی آباد ہوں۔ اور اُسے ملازمتوں میں مناسب نیابت کا حق اس موجودہ تمدن و روشنی کے زمانہ میں نہ ملنا چاہیئے؟ اگر یہ فرقہ پرستی ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ پھر دنیا کے ہر ملک کا انتظام فرقہ پرستی کی لائنوں پر چل رہا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ جن کی نوّے فیصدی آبادی ہو انہیں ۵ فیصدی ملازمتیں دی جائیں

بلکہ بعض اوقات اس سے بھی کم حقیقت یہ ہے۔ کہ جس قوم نے ۹۵ فیصدی سرکاری ملازمتیں کشمیر میں غصب کر رکھی ہیں۔ فرقہ پرستی کی لعنت میں وہ گرفتار ہے۔ اور متہم کیا جاتا ہے مسلمانوں کو۔ جن کے ساتھ صریح ظلم ہوتا ہے۔ یا اگر فرقہ پرستی کا کوئی مجرم ہے۔ تو وہ کانگرسی پریس ہے۔ جو کشمیر ایجی ٹیشن کے سلسلہ میں برطانوی ہند کے مسلمانوں کے خلاف آواز بلند کرتا ہے۔ حالانکہ وہ یہ کام بالکل خودغرضی سے کر رہا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو متہم کرنے میں اس کی اغراض وابستہ ہیں۔"

"مسلمانوں کے مطالبات بالکل درست۔ انکی شکایات بالکل بجا اور ان کا خلوص مسلمہ ہے۔ انہوں نے اپنے مطالبات جس صورت سے وضع کئے ہیں۔ وہ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اپنے حق سے زیادہ نہیں مانگتے۔ اور یہی سب سے بڑی دلیل ہے ان کے حق بجانب ہونے کی۔ ریاست کے انتظام کی خرابیاں اسی وجہ سے ہیں۔ کہ مہاراجہ (صاحب بہادر) کے کابینہ میں مسلمانوں کی آواز اٹھتی ہی نہیں۔ اور ان کی مظلومیت و شکایات کے متعلق کوئی شخص پوچھنے گچھنے والا ہی نہیں ہوتا۔ مہاراجہ (صاحب بہادر) نے مسلمانوں کی تعلیمی و اقتصادی کمی کو دور کرنے کے لئے جہاں جدوجہد شروع کر دی ہے۔ وہاں اس کی بھی کوشش کرینگے۔ کہ آئینی و دستوری حیثیت سے بھی مسلمانوں کے حقوق پامال نہ ہوں اور کابینہ میں قابل مسلمانوں کی نیابت ہو۔"

(بحوالہ سٹیٹسمین۔ از الامان دہلی ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

اس غیر جانبدار انگریزی اخبار کی ذاتی تحقیق پر مبنی شہادت ملاحظہ فرما لینے کے

بعد اب مدراس کے مشہور اور مقتدر انگریزی اخبار "ہندو" کی رائے بھی ملاحظہ فرمایئے اور پھر فیصلہ کیجئے۔ کہ مہا سبھائیوں کا مسلمانوں کی شکایات کو بے بنیاد بتلانا سچائی کا خون کرنا ہے یا نہیں؟

(۴) اخبار "ہندو" مدراس کی شہادت

"مسلمانانِ کشمیر کے اکثر مطالبات دیگر ریاستوں کی مانند جائز۔ اور شکایات بجا ہیں۔ وہاں جہالت عام ہے۔ چاروں طرف افلاس اور ناداری کا دور دورہ ہے۔ حصولِ تعلیم اور اقتصادی ترقی کی سہولتیں محدود بلکہ مفقود ہیں۔ کشمیریوں کو سیاسی حقوق حاصل نہیں۔ حکومت میں ان کی فریاد کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کا ایک بڑا مطالبہ یہ ہے۔ کہ انہیں ریاست کی اعلیٰ ملازمتوں میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا۔ ہندوؤں کو ہر جگہ غلبہ اور اکثریت حاصل ہے۔ یہ ایسی شکایات اور ایسے مطالبات ہیں جن میں کسی کو شک و شبہ ہو نہیں سکتا"

(منقول از اخبار انقلاب ۱۲ مارچ ۳۲ء صا)

کیا اس قسم کی بے لاگ شہادتوں کی موجودگی میں بھی یہ کہنے کی جرأت کیجا سکتی ہے۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کے متعلق اسلامی پریس نے جو کچھ لکھا ہے وہ "بے بنیاد" ہے؟۔

اس کے بعد ایک مشہور کانگرسی اخبار کا بیان بھی پڑھیئے۔

(۵) ایڈیٹر "تیاگ بھومی" کا خیال

"جب مسلمانوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے۔ کہ کشمیر کے نظامِ حکومت میں اصلاح کیجائے۔ تو ہر ایک سمجھدار اور اصلاح پسند کو ان کے اس مطالبہ کی تائید کرنی چاہیئے۔ مگر ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ

ایسا ہو نہیں رہا۔ بلکہ اُلٹا ان کی مخالفت کر کے مہاراجہ کشمیر کی حمایت کی جا رہی ہے۔" (دنیاگ بھومی اجمیر ۲۳ ؍ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲)

ازاں بعد لاہور کے مشہور ہندو اخبار "پارس" کی شہادت بھی چشم واسے پڑھی جائے۔ جو ہندو سبھائی پروپیگنڈا کی دھجیاں بکھیر دینے والی ہے۔

ایڈیٹر "پارس" کی شہادت

(۶) "یہ صحیح ہے کہ ریاست کے مسلمان کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔" (پارس لاہور ۱۹ ؍ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۳)

"بلاشبہ کشمیری مسلمانوں کی حالت قابلِ رحم ہے۔ وہ حکومت کے سامنے اپنے جائز مطالبات پیش کر کے انہیں منوانیکے ہر لحاظ سے حقدار ہیں۔" (پارس ۱۶ ؍ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳)

کشمیر کے نظامِ حکومت کے متعلق رائے زنی کرتا ہوا مسلمانوں کی ایک ایک شکایت کی تائید کرتا ہے:۔

"ریاست کشمیر نے اگرچہ قلیل سے عرصہ میں کافی ترقی کی ہے۔ لیکن ابھی بے شمار خامیاں ایسی باقی ہیں۔ جن کی موجودگی کسی وقت بھی خطرناک ہو سکتی ہے۔ اگرچہ عام دنیا کی طرح ریاست بھی کساد بازاری اور بیکاری کا نشانہ بن رہی ہے۔ لیکن اس پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اگر صنعت و حرفت کی طرف توجہ دی جاتی۔ اور بعض غیر ضروری اصراف کے بجائے مفلوک الحال رعایا کی روزی کے اسباب مہیا کئے جاتے۔"

"بدقسمتی سے کشمیر کی مقامی صنعت شالبافی مشینری کی وجہ سے کمزور ہو چکی ہے۔ لیکن اگر اس طرف بھی حکومت بر وقت متوجہ ہوتی۔ تو رعایا کے

ایک حصہ کو روزگار مل سکتا تھا صنعت وحرفت کے لحاظ سے ریاست بھر میں صرف ابریشم بنانے کا ایک کارخانہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ اس میں کتنے آدمی سما سکتے ہیں۔"

"صنعت وحرفت کے بعد تجارت کا نمبر آتا ہے۔ تجارت کے لحاظ سے بھی ریاست بہت پیچھے ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ محصول اور چنگی کی زیادتی ہے۔ کشمیر شاید ہندوستان بھر میں پہلی ریاست ہے۔ جہاں ساڑھے سات سے چالیس پچاس فیصدی تک محصول لیا جاتا ہے اور نہایت سختی سے وصول کیا جاتا ہے۔ اب یہ امر صاف عیاں ہے۔ کہ جہاں صنعت نہ ہو۔ تجارت نہ ہو۔ وہاں کے بیکار تنگ آکر کیا کریں گے۔ چنانچہ فسادات کشمیر کی سب سے بڑی وجہ بیکاری ہے۔"

"لیکن جہاں تک ملازمتوں کا سوال ہے۔ عام مسلمان سختی سے اس کے حق میں نہیں ہیں۔ وہ روزی چاہتے ہیں۔ تاکہ بیکاری دُور ہو انہیں اس امر سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ کہ ہزار بارہ سو تعلیم یافتہ نوجوان کلرک بنا دئے جائیں۔ بلکہ ان کو تو صرف اس صورت میں فائدہ ہو سکتا ہے۔ کہ وہ ملازمتوں میں فیصدی حاصل کرنے کی بجائے روزی کے دوسرے ذرائع حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ مثلاً تجارت اور صنعت اگر آج حکومت اپنی پوری توجہ ان دو شعبوں کی طرف لگا دے۔ تو کشمیر میں مستقل امن قائم ہو سکتا ہے۔"

"ریاست کے مندروں کے دھرم ارتھ میں، اَن گنت دولت بھری پڑی ہے۔ اسے حاصل کر کے صنعتی کارخانے جاری کئے جائیں بڑے بڑے افسروں کی تنخواہیں کم کی جائیں۔ مہاراجہ بہادر اپنے ذاتی اخراجات سے

کچھ بچایئں ۔اور اس "قومی بچت" سے جو کچھ بھی بچ سکے ۔وہ اس مد میں لگا دیا جائے ۔گرانبار ٹیکسوں اور حیران کُن محصولات کو اس حد تک کم کر دیا جائے ۔جو تجارت پر بار نہ ہو ۔پھر بیکاری اور روزی کا مسئلہ تھوڑے ہی عرصہ میں دور ہو سکتا ہے ۔اور ریاست زیادہ سے زیادہ ترقی حاصل کر سکتی ہے "۔ (اخبار پارس ۲۵ ستمبر ۱۹۳۱ء صہ ۳)

یہی وہ باتیں ہیں جو مسلمانانِ ریاست کی طرف سے بار بار کہی گئیں ۔مگر ریاست نے اصلاً توجہ نہ کی ۔کیا اب ریاست کے بہی خواہ کشمیر گورنمنٹ کے ذمہ دار حکام کو اس ہندو اخبار کے مشوروں کی طرف متوجہ کریں گے ؟

نظام حکومت کے متعلق اس ہندو اخبار میں یہ بھی شائع ہوا ہے ۔کہ :۔

" اُس وقت سے لے کر آج تک ریاست میں ایسی باتیں دیکھنے میں آ رہی ہیں جن کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا ۔اور جن کو دیکھ کر صرف ریاست کا سمجھدار اور خیر خواہ طبقہ ہی نہیں بلکہ غیر ریاستی اصحاب بھی جو گذشتہ چند سال سے ریاست کی سختیوں کا شکار ہو رہے ہیں انگشت بدندان تھے ۔ابھی حکام کی ان سخت گیر کارروائیوں کا سلسلہ جو ریاست کی سخت بدنامی کا موجب ہو رہا ہے ختم ہونے میں نہیں آتا ۔روز نئے گل کھل رہے اور دنیا سوراج کے اس منظر کو دیکھ کر ہنس رہی ہے جو کہا جاتا ہے ۔ہندی (ریاستی) ہند میں بسنے والے لوگوں کو حاصل ہے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ۔کہ رعایا ریاست جموں و کشمیر کی مجلسی حالت کیسی ہے ۔اور وہاں کیسے مضحکہ خیز احکام جاری کئے جا رہے ہیں "۔

(اخبار پارس ۲۳ نومبر ۱۹۳۰ء صہ ۱)

اس کے بعد ہم لدھیانہ (پنجاب) کے ایک ہندو اخبار "مستانہ" کے مختلف پرچوں سے چند ایک اقتباس درج کرتے ہیں۔ جو ریاست جموں و کشمیر کے ہندو نامہ نگاروں کی درد بھری تحریروں سے لئے گئے ہیں ہمیں توقع ہے۔ کہ قارئین کرام مندرجہ ذیل اقتباسات کو پوری توجہ اور غور سے پڑھیں گے۔ تاکہ انہیں معلوم ہو سکے۔ کہ مسلمانانِ کشمیر اور انکے حامی ریاستی نظام اور اس کے بعض عہدہ داروں کی کوتاہیوں کا جو رونا روتے ہیں وہ سولہ آنہ ٹھیک اور صحیح ہے۔ اور انکی شکایات قطعی درست اور بجا ہیں۔

لدھیانہ کے ہندو اخبار "مستانہ" کی شہادت

(۷) "مہاراجہ ہری سنگھ کی تخت نشینی کے وقت رعایا کا خیال تھا۔ کہ جو نقائص گذشتہ مہاراجہ جموں و کشمیر کے عہد میں تھے اب موجودہ نوجوان مہاراجہ صاحب بہادر ان کو دور کر دیں گے۔ مگر لوگوں کا یہ خیال غلط نکلا۔ موجودہ عہدہ داران کے خلاف کئی مضامین شائع ہوتے ہیں (مگر) انہوں نے اپنا ہی راجیہ بنا رکھا ہے۔ رعایا کو انہوں نے سخت تنگ کر رکھا ہے۔ کئی حقداروں کے حقوق زائل ہو رہے ہیں۔ سینکڑوں چھوٹے چھوٹے تنخواہ دار ملازم نکال دئے گئے ہیں۔ اور موجودہ عہدہ داروں کو ترقیوں پر ترقیاں مل رہی ہیں ...[1] کی خوب گرم بازاری ہے۔ ایک طرف رعایا کو تنگ کر رکھا ہے (مگر دوسری طرف) غریب رعایا کا پرسان حال کوئی نہیں۔"[2]

"عرصہ چار سال سے رعایا پر کئی طرح کے ٹیکس جاری کئے گئے ہیں اور دوسرے بیکاری اور مفلسی نے رعایا کا کچومر نکال رکھا ہے اور دفتری حکومت جموں۔ رعایا کے روپیہ کو فضول پانی کی طرح بہا رہی ہے

---

[1] غالباً یہاں لفظ "رشوت" ہوگا۔ ناقل۔ [2] اخبار مستانہ لدھیانہ ۴ اگست ۱۹۳۰ء

جب ریاست کے منسٹر ہمدردِ رعایا تھے۔ تو ان کی تنخواہیں بارہ صد روپیہ ماہوار تھیں۔ اب چونکہ منسٹر (وزیر) راعی اور رعایا کے . . . ہیں۔ تو ان کی تنخواہوں میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔ اور کی تنخواہیں پچیس صد بلکہ ایک کی چالیس صد کر دی گئی ہے۔ مہاراج ادہیراج کا فرض ہے۔ کہ جو روپیہ رعایا سے بذریعہ مالیہ یا ٹیکس وغیرہ وصول کیا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ وہ روپیہ مہاراج کی ملکیت ہے۔ بلکہ وہ روپیہ رعایا کی مہاراج کے پاس امانت ہے۔ اور راجہ صاحب اُسے رعایا کی بہتری و بہبودی پر خرچ کریں۔ راجہ صاحب اس روپیہ کی قدر کریں اور رعایا پر جب کوئی مصیبت آئے۔ تو اس روپیہ سے رعایا کی امداد کیجائے۔ اور ریاست کے عہدہ دار بھی رعایا اور راجہ کے خیر خواہ ہوں۔ نہ کہ "لوٹ پڑی دوہائی کس کی" کے مصداق عمل کریں۔" (اخبار سنانہ ۴ اگست ۱۹۳۰ء)

"اکثر رعایا ریاست۔ عہدہ داران پر یہ الزام لگاتی رہتی ہے۔ کہ عہدہ داران ریاست۔ ریاست کی بہتری و بہبودی کیلئے کبھی بھی نہیں سوچا کرتے۔ بھلا انہیں رعایا اور راعی سے کیا غرض۔ وہ تو اپنی بہتری و بہبودی کے لئے ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ عہدہ داران کی پارٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کے گرانے کیلئے داؤ پیچ ہی سوچتے رہتے ہیں۔ ان عہدہ داران کو اگر سانڈ سے تشبیہ دیں۔ تو عین موزون ہوگا۔ کیونکہ مثل مشہور ہے۔ کہ سانڈوں کا بھیڑ جنگل کا ناس۔" (ایضاً)

"ریاست جموں و کشمیر کے عہدہ داران نہ معلوم کیوں دیدہ دانستہ ریاست کو بدنام کرتے ہیں۔ اور بے چینی بڑھا رہے ہیں۔ یا ان میں سوچ سمجھ کا مادہ ہی نہیں ہے۔ بڑگاؤں کا ابھی ننھا سا بچہ ہی کیوں نہ ہو سائن

پر فی ایک روپیہ دس آنہ کاہ چرائی لگادیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ کئی بکروالے
بزگالہ فروخت کر کے چمبہ کے پہاڑوں پر چلے گئے۔ اور جو ریاست میں رہے
انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ کیونکہ آخر انہوں نے پیٹ بھرنا ہے۔
حکومت نے بکروالوں کو جرائم پیشہ قرار دیا۔ اب ہمیں تحصیل اکھنور سے جو
حالات موصول ہوئے ہیں۔ وہ راعی اور رعایا کے لئے سخت خطرناک ہیں
گورنمنٹ نے گائے چرائی فی بھینس چھ آنہ ڈیڑھ پائی لگائی ہوئی تھی۔ جو کہ
مالیہ کے ساتھ وصول ہوا کرتی ہے۔ اب جہاں گورنمنٹ نے مالیہ آبیانہ میں
اضافہ فرمایا۔ وہاں گائے چرائی بجائے چھ آنہ ڈیڑھ پائی سے اٹھارہ آنہ
کر دی۔ حیرانی ہے۔ کہ گورنمنٹ نے بھینسوں وغیرہ کے چرنے کے لئے
نہ کوئی رکھ قائم کی ہے اور نہ ہی کوئی جنگل ہے کہ وہاں چریں۔ اور یہ گائے
چرائی وصول کریں۔ زمیندار لوگ اپنے کھیتوں سے گھاس وغیرہ کاٹ کر
یا بھوسہ وغیرہ مال ڈال کر کھلایا کرتے ہیں۔ معلوم نہیں گورنمنٹ گائے
چرائی کس کی وصول کرتی ہے" (اخبار ستانہ لدھیانہ ۱۱ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۹)
" ریاست جموں و کشمیر میں حاکمان کی ہمدردی رعایا سے عنقا
ہے۔ جو بھی محکمہ ہے وہ رعایا کو جونک کی طرح لگا ہوا ہے
خوب آپا دھاپی مچی ہوئی ہے۔ چھوٹے سے لے کر بڑے
ملازم تک خود مختار ہے۔ اور اب ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ کہ رعایا
پر خوب ظلم و ستم توڑے جائیں۔ کیونکہ اب درستی حالت کے کوئی اسباب
دکھائی نہیں دیتے۔ اور ہم اس بات کے پورے قائل ہیں۔ کہ ہر کمال
را زوال اور ہر زوال را کمال۔ جس قدر زیادہ زوال ہوگا۔ اسی قدر رعایا
جلدی بیدار ہوگی۔ کیونکہ اس وقت تک رعایا نے نہ تو ہوش سنبھالا ہے

اگر رعایا ذرا بھی سوچنے اور سمجھنے کا مادہ رکھتی۔ تو کیا مجال تھی۔ کہ ریاست میں راعی اور رعایا کا بُرا چاہنے والے . . . . اور . . . . حاکم ریاست میں رہنے پاتے بعضوں کا خیال ہے۔ کہ یہ سب اپنا چار (ظلم) رعایا میں کمی متعلق تعلیم کے باعث ہو رہے ہیں۔ کیونکہ رعایا تعلیم نہ ہونے سے اپنے نشیب و فراز سے ناواقف ہے۔ اور وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ کہ ہم اپنے پتا مہاراجہ بہادر تک اپنا دُکھڑا کس طرح پہنچا کر کرمچاریوں (حکام) کو درست کر سکتے ہیں"

(مستانہ لدھیانہ ۱۳ اکتوبر ۳۰ء صـ۹)

ہندو نامہ نگاروں کی تحریروں کے مندرجہ بالا اقتباسات اس قابل ہیں کہ انہیں بار بار پڑھا جائے۔ تاکہ ناظرین پر مہاسبھائی پروپیگنڈا کی لغویت اور بے ہودگی اچھی طرح ظاہر ہو جائے۔ اور خود انہیں بھی آئندہ یہ کہنے کی جرأت نہ ہو۔ کہ مسلمانوں کی "شکایات بے بنیاد ہیں"

لالہ بسوا ناتھ ایڈیٹر "مشیر" کی ریاستی نظام کے متعلق شہادت

اس کے بعد ایک تحریر۔ لالہ بسوا ناتھ ایڈیٹر مشیر (لاہور) کی نقل کی جاتی ہے۔ جو انہوں نے مہاراجہ صاحب بہادر کو مخاطب کرتے ہوئے لکھی ہے۔ قارئین کرام اسے بھی پڑھیں تاکہ انہیں معلوم ہو سکے۔ کہ جس بات کا دکھڑا مسلمان رونے آئے ہیں۔ وہ بے بنیاد نہیں۔ بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ اور خود ہندو بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں:۔

(۸) "عالیجاہ ـ . . . . اگر مجھے بیباکی کے لئے معاف کیا جائے۔ تو میں پورے ادب اور عقیدت سے یہ عرض کرنے کی جرأت کروں گا۔ کہ وہ (سابقہ اصلاحات) ان سوشیل اخلاقی۔ اقتصادی اور سیاسی بیماریوں کا مداوا ہی نہ تھیں جن کے دور کرنے کے لئے سرکار حضور اس قدر بیتاب ہیں۔ اس غلط تشخیص

کی وجہ اس خیر خواہ کی رائے میں یہ ہو سکتی ہے کہ رعایا کے صحیح حالات۔ ان کی شکایات و تکالیف سے آنحضور کو کما حقہٗ آشنا کرنے میں اراکین حکومت نے دانستہ یا نادانستہ طور پر صحیح طریقہ نہ اختیار کیا۔ اس بیان کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لئے یہ ازبس ضروری ہے۔ کہ یہ خیر خواہ اس اجمال کی تفصیل آنحضور کی خدمت میں پیش کرے۔ سب سے پہلے میں حکومت کشمیر کے نظام کی گذشتہ چار پانچ سال کی نت نئی بدلتی ہوئی ترکیب کی جانب آنحضور کی توجہ عالی عجز و نیاز سے منعطف کرنا ضروری سمجھتا ہوں "

"عالیجاہ۔ سالہائے متذکرہ بالا کے بجٹ اور سول اینڈ ملٹری کی لسٹ ہا اس امر پر شاہد ہیں۔ کہ ان سالوں میں ریاست کے ہر شعبہ جات سول۔ ملٹری پولیس وغیرہ میں کس قدر انقلاب انگیز تغیر تبدل ہوا جن محکمہ جات کا کام ایک ایک افسر سینکڑوں تنخواہیں پا کر خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے تھے۔ انہی (محکموں) پر اتنے ہی بلکہ بعض حالتوں میں اس سے بھی کم کام کے لئے ایک کی بجائے دو۔ دو اور اکثر صورتوں میں اس سے بھی زیادہ حکام سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں روپیہ ماہانہ پر مامور کئے گئے اور پھر ستم ظریفی یہ کہ خزانہ عامرہ پر اس بھاری بوجھ کے ڈالنے کی کوئی وجوہات بھی ظاہر نہ کی گئیں۔ عمر دس کے اصول کو کہ جب تک کوئی عہدہ دار ریاست ڈاکٹروں کی رائے میں اسقدر ضعیف العمر اور ناتوان قرار نہ دیا جائے۔ کہ اس کے برقرار رہنے سے اس کے ماتحت محکمہ کی حسن کارکردگی کے روبہ تنزل ہونے کا کُلی یقین ہو جائے نہ جب تک کہ اس کے تجربہ اور پختہ مغزی کا پورا استفادہ اٹھایا جائے۔ بہت حد تک لحاظ

رکھدیا گیا ہے۔ اور جہاندیدہ قابل عہدہ داران کو دھڑا دھڑ قبل از وقت ریٹائر کر کے ان کی بجائے ان سے کئی گنا زیادہ تنخواہوں پر نئے کم تجربہ کے آفیسر بھرتی کئے گئے جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ جہاں محکمہ کی حسن کارکردگی میں فرق آنا شروع ہؤا وہاں غیر ضروری پنشنوں اور حد سے بڑھی ہوئی تنخواہوں کے بوجھ نے خزانہ عامرہ کا کچومر نکال دیا۔ اور عام انسانوں کی بھی یہ رائے بن گئی۔ کہ ریاست جموں وکشمیر میں اسامیاں پبلک سروس کی حسن کارکردگی اور ملکی فلاح وبہبود کے لئے نہیں بنائی جاتیں۔ بلکہ اپنے منظور نظر احباب پر نوازشات کرنے اور حق دوستی ادا کرنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ اور اس لئے عوام۔ نظام حکومت میں ترقیوں کے اس سیلاب کو شک وشبہ کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ پبلک روپیہ کے اس طرح کے استعمال کے متعلق لوگوں میں عجیب وغریب خیالات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ وہ یہ دیکھ کر کڑھنے لگے۔ کہ خزانہ عامرہ کا یہ روپیہ جو بھاری کسٹم ڈیوٹی اور مالیہ کی صورت میں اس کی جیب سے انکی فلاح وبہبود کے لئے لیا جائے محض کسی خاص شخص یا چند افراد کو مالا مال کرنے پر صرف کر دیا جائے۔ اور اس طرح انکی بےچینی کے اسباب پیدا ہو گئے۔ گویا نظام حکومت میں ان نت نئے تغیر و تبدل کی اصلاحات سے کوئی مفید مطلب حاصل نہ ہؤا۔ ترقی یافتہ افسر اس لئے مطمئن نہیں۔ کہ ان کی لگاتار تبدیلیوں کے سیلاب میں اس کے دل میں اپنی پائیداری کا احساس نہیں ہے۔ اور اس

لئے وہ اپنے کام کو دل لگا کر نہیں کر سکتا۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ اس کے ماتحت محکمہ کا حسن انتظام قائم نہیں رہ سکتا۔ افسران کی تعداد میں بھاری بیشی اور کلرکان اور دیگر عملہ میں کمی نے نظام حکومت کو بھاری اور سرگراں بنا دیا ہے۔ کہ وہ اپنا سر سنبھال نہیں سکتا۔ ان امیروں اور دیگر رعایا میں جو بیکاری اور بے روزگاری کیوجہ سے روز بروز نادار سے نادار تر ہوتی جا رہی ہے۔ رشتۂ ہمدردی ٹوٹ رہا ہے۔ اور ایک ناقابل عبور خلیج حائل ہو رہی ہے۔ خزانۂ عامرہ کے لئے افسران کی بھاری تنخواہوں اور پنشنوں کا بوجھ آج نہیں تو کل ناقابلِ برداشت (ضرور) ثابت ہوگا۔ خاص کر اس صورت میں جبکہ ریاست کی آمدنی بڑھانے کی کوئی اعلیٰ اور منافع بخش سبیل نہیں نکالی جاتی"[1]

محولہ فوق طویل اقتباس ایسا نہیں کہ اس پر مزید کسی قسم کی حاشیہ آرائی کی جائے کیونکہ یہ خود ہی آپ اپنی تفسیر ہے۔ اور اس بات کا یقینی اور قطعی ثبوت ہے۔ کہ مسلمانانِ ریاست کی شکایات بجا اور ان کا واویلا حقیقت پر مبنی ہے، اس کے بعد لگتے ہاتھ ریاست جموں کی ایک جاگیر کے متعلق بھی کچھ سن لیجئے، کہ وہاں کی رعایا کو بھی کس قسم کے نظام حکومت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور انکو کس قسم کی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

رعایائے چنینی کی کس مپرسی

اخبار دیش بندھو کی شہادت

(۹) "چنینی ریاست جموں میں ایک جاگیر ہے جس کی آبادی گیارہ ہزار ہے یہ جموں سے ۷۰ میل شمال کی طرف ہے اس جاگیر کی ہندو مسلم رعایا میں خوب پریم ہے۔ مگر چند یوم سے اس کی رعایا نے اپنی تکلیفات کو محسوس کر کے

[1] اخبار کشمیری لاہور ۲۸ جون ۱۹۳۱ء۔

آواز اٹھائی ہے۔ اور ایک عرضداشت اپنے راجہ صاحب جاگیردار کی خدمت میں گذاری ہے جس میں مندرجہ ذیل شکایات درج کی ہیں"

(ہم نے طوالت کے خوف سے بعض کو حذف کر دیا ہے۔ ناقل)

"محصول چُنگی۔ اگر کوئی شخص مال باہر سے منگوائے۔ تو پہلے اس مال کا کسٹم ۳۰ فیصدی یا کم وبیش ریاست کو دینا پڑتا ہے۔ اس کے بعد جب مال حدود جاگیر چنینی میں داخل ہو۔ تو پھر اسی قدر کسٹم دینا پڑتا ہے۔ اگر سو روپیہ کا مال باہر سے منگوایا جائے۔ تو اس کا کسٹم ۶۰ روپیہ دینا پڑتا ہے۔ یہ کسٹم اُڑا دیا جائے۔ کیونکہ یہ سخت بے انصافی ہے"

"ڈہرات اور چونگی۔ سرکار والا چنینی میں ڈہرات اور چونگی کا کافی روپیہ جمع ہے۔ اسے بہتری قصبہ کے لئے صرف کیا جائے۔ عرصہ دس سال سے ڈہرٹ کی رقم وصول کی جا رہی ہے، زمینداران چنینی کو اتنا بھی حق نہیں۔ کہ وہ اپنی مملوکہ اراضی سے معمولی سے معمولی درخت بھی کاٹ کر اپنے استعمال میں لاسکیں۔ اس سے زمیندار تنگ ہیں"

"جاگیر چنینی کی تعلیم یافتہ رعایا کو ملازمت نہیں ملتی۔ برعکس اس کے گورنمنٹ جموں وکشمیر کے پنشن یافتوں کو جو ناکارہ ہو گئے ہوتے ہیں۔ ملازمت میں لیا جاتا ہے"

"تعلیمی حالت۔ جہاں تک تعلیمی مسئلہ کا تعلق ہے۔ جاگیر چنینی میں صرف ایک پرائمری سکول گورنمنٹ جموں وکشمیر کی طرف سے قائم ہے۔ یہ سکول کم ازکم مڈل سکول تک ہونا ضروری ہے۔ تاکہ رعایا چنینی تعلیم سے بے بہرہ نہ رہے۔ اس کے علاوہ گیارہ ہزار کی آبادی میں کوئی ہسپتال نہیں ہے۔ ہسپتال قائم کیا جانا چاہیئے"

"جہاں تک داروپا یا ٹیکس کا تعلق ہے۔ کسی بادشاہ کے وقت میں ایسا ناواجب ٹیکس رعایا پر نہیں لگایا گیا۔ اسے معاف کر دیا جائے داروپا یا ٹیکس ہر ایک مکان اور ہر دوکان سے سالانہ ایک روپیہ چار آنہ ٹیکس لیا جاتا ہے"۔ الخ (اخبار ویش بندھو لاہور ۱۹ جولائی ۱۹۳۲ء عدد ۳)

ریاست کے ذرائع آمد و رفت کی زبون حالی پر اخبار "امر" کے ہندو نامہ نگار کی شہادت

(۱۰) "سڑکیں۔ ریلیں اور تاریں ہر گورنمنٹ یا ملک کی نسیں یا ناڑیاں ہوا کرتی ہیں۔ جس طرح کسی انسان کے جسم کی مشینری نسوں یا ناڑیوں کے بغیر نہیں چل سکتی۔ اسی طرح جس گورنمنٹ یا ملک کے ذرائع آمد و رفت اور خبر رسانی میں سہولتیں نہ ہوں۔ وہ گورنمنٹ یا ملک بھی موجودہ ترقی یافتہ زمانہ میں زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ضلع میرپور (صوبہ جموں) میں سڑکوں کی جو بدترین حالت ہے۔ یا ذرائع آمد و رفت میں جو دقتیں سد راہ ہیں۔ یہ مضمون راقم کے لئے ایسا پرانا یا دیرینہ مضمون ہو گیا ہے۔ کہ جس پر کئی دفعہ بذریعہ پریس میمورنڈم اور انٹرویو۔ ذمہ وار افسران یا گورنمنٹ کشمیر کی توجہ مبذول کروا چکا ہوں۔ مگر افسوس کہ جملہ عرضداشت پر بجز وعدوں یا کاغذی گھوڑ دوڑ کے کوئی عملی کارروائی نہ ہوئی۔۔۔۔۔ اس کار خیر کو عمل میں لانے سے مندرجہ ذیل خاص فوائد متصور ہونگے۔

(۱) سڑکوں کے مکمل ہونے یا سلسلہ آمد و رفت اور خبر رسانی میں سہولتیں ہونے سے چوروں، ڈاکوؤں یا باغیوں کو ہر مقام پر جلد دبایا جا سکتا ہے۔

(۲) افلاس زدہ یا تباہ شدہ علاقہ کے لاکھوں بیکار آدمی (جن میں زیادہ عنصر مہاراجہ بہادر کی پیاری زمیندار رعایا کا ہے) مستفید ہونگے۔

(۳) میرپور۔ بھمبر۔ کوٹلی۔ راجوری اور پونچھ کی تجارت یا کاروباری حالت کو بھی چار چاند لگیں گے۔ جس سے راعی اور رعایا دونوں خوشحال و فارغ البال ہونگے۔" (اخبار امر لاہور ۲۵۔ اپریل ۳۲ء صلا)

پھر اسی اخبار کے ایک دوسرے پرچہ میں گیان چند میرپوری کی طرف سے مہاراجہ صاحب بہادر کو مخاطب کرتے ہوئے ایک اور مضمون بھی شائع ہوا تھا جس کا ضروری حصہ درج ذیل ہے:۔

دوزخ کی طرح جل رہے ہیں غم کی آگ میں
یہ ساکنانِ خطۂ جنت کو کیا ہوا،

راجن! اگرچہ یہ حقیقت ہے۔ کہ حضور والا شان کی ذات بابرکات رعایائے (ریاست) کی بہتری و بہبودی کے مرحلہ پر اس قدر پاک و صاف ہے۔ کہ جس پر کسی قسم کا شک و گلہ کرنا عظیم پاپ ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ امر واقعہ ہے۔ کہ موجودہ نظام حکومت اس قدر متزلزل یا قابلِ اصلاح ہے۔ کہ جس کے سکون یا ذری اصلاح نہ ہونے کی صورت میں غریب رعایا کسی طرح بھی نشوونما نہیں پا سکتی۔ کیونکہ ہر گورنمنٹ کی ترقی یا راعی اور رعایا کے فلاح و بہبود کا راز خصوصاً اس کے مشیران یا ارکانِ حکومت کے اعلیٰ تدبر۔ اہلیت حقیقی ہمدردی اور دیانتداری میں مضمر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ جس گورنمنٹ کے مشیران کی یہ حالت ہو۔ کہ وہ رعایا کی صحیح آواز یا دکھوں کی فریاد کو اپنے نیکدل آقا تک پہنچانے کے جملہ ذرائع مسدود کر دیں۔ یا رعایا کی حقیقی حالت کو اپنے مالک

کے گوش گذار کرنے میں لیت ولعل کریں۔ یا شب و روز کے تغیر و تبدل وذاتیات کے جھمیلوں میں پڑے رہیں۔ ان کے پاس رحم کی درخواست کرنا یا ان کے درد کی دوا مانگنا یا کسی قسم کی بہتری کی امید رکھنا صائب کے ذیل کے قول کے مترادف ہے۔ ؎

زبے دردان علاج درد دل جستن چناں باشد
کہ خار از پا برون آرد کسے با نیش عقرب ہا

راجن! رعایا ریاست جن قبیح و خطرناک امراض از قسم بیکاری، افلاس اور رشوت ستانی وغیرہ میں مبتلا ہے۔ ان سے مخلصی دلانے کیلئے کسی ایسے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ جو کہ قابل ہونے کے علاوہ مریض کا حقیقی ہمدرد فرض شناس، محنتی اور خدا ترس ہو۔ جو بیمار کی صحیح تشخیص کے بعد کوئی ایسا تیر بہدف نسخہ تجویز کرے۔ کہ جس سے مریض جملہ بیماریوں سے دائمی نجات حاصل کر سکے۔

راجن! یہ کس قدر افسوسناک امر ہے۔ کہ حضور انور جیسے نیک دل، بیدار مغز اور رعایا کے حقیقی ہمدرد حکمران کی موجودگی میں اس بہشت کی سرزمین میں رہنے والی عام رعایا تو جملہ مہلک امراض کا شکار ہو کر دوزخ کی آگ میں جل رہی ہے۔ اور خود غرض یا غیر ذمہ دار آدمی اسی مصری کی کان سمجھکر یکے بعد دیگرے نہ صرف لوٹ ہی رہے ہیں۔ بلکہ اس کی دوامی خوشگوار فضا کو بذریعہ پریس وغیرہ مکدر کر رہے ہیں۔"[۱]

اخبار رنبیر جموں کی شہادت

(۱۱) "ماہران اقتصادیات نے کسی ملک کی دولت کا اندازہ لگانے کے بارے میں ایک بے چوک اصول وضع کیا اور وہ یہ ہے۔ کہ اس

[۱] اخبار امر لاہور یکم جولائی ۱۹۳۱ء صہ ۶ –

ملک کے قدرتی ذرائع کو کسی حد تک انسانی ضروریات میں تبدیل کر کے انہیں دنیا کے بازار میں نفع بخش مال کے طور پر فروخت کیا جاتا ہے ان کے نزدیک ہر شئے جو انسانی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ دولت تصوّر ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنی ریاست کو اس معیار پر رکھیں۔ تو ہمیں معلوم ہو گا کہ مالی لحاظ سے ہماری ریاست نہایت پسماندگی کی حالت میں ہے۔ اگرچہ قدرت نے اسے ہر لحاظ سے مالا مال کر رکھا ہے لیکن ہماری کم عقلی یا ناتجربہ کاری سمجھو کہ ہم ان سے بہت کم مستفید ہو رہے ہیں۔ ریاست کی سرزمین کے چپہ چپہ پر قیمتی معدنیات کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ اس کے جنگل قیمتی لکڑی کے ذخیرے ہیں۔ اس کی زمین زعفران اور بنفشہ پیدا کرتی ہے۔ ابریشم ایسی قیمتی چیزیں اس ملک میں بافراط پیدا ہوتی ہیں۔ پھل اور پھول کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہزاروں جڑی بوٹیاں یہاں ملتی ہیں۔ لیکن ہماری بے سمجھی سے یہ سب بہت حد تک اکارت پڑی ہیں۔ اور ہم ہیں۔ کہ ناداری اور افلاس نے ہمیشہ کیلئے ہمارے ہاں ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ عجب زبون حالی میں دن کٹی ہو رہی ہے۔ ہزاروں غریبوں کو نہ دو وقت پیٹ بھر کر کھانا ملتا ہے۔ اور نہ تن ڈھانپنے کو کپڑا میسر آتا ہے۔ یہ نقشہ ہے ان لوگوں کی زندگی کا جو اس فردوس صفت خطّہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ حکومت کو اگر کبھی مالی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے تو وہ ان ذرائع کی غور پرداخت کی بجائے کسٹم ڈیوٹی عائد کی جاتی ہے جس

سے لوگوں پر اور بھی بوجھ پڑتا ہے۔ کاغذ کو لیجئے۔ موجودہ زمانہ میں اشاعت تعلیم کے لئے یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اور اگرچہ ریاست نے اس کی صنعت کی طرف کبھی توجہ نہیں دی۔ لیکن جب لوگ باہر سے درآمد کرتے ہیں۔ تو ان سے فی پونڈ ۵ پیسے ڈیوٹی وصول کی جاتی ہے جو بعض حالتوں میں ۱۰۰ فیصدی تک پہنچ جاتی ہے"[۱۵]

اخبار عام لاہور کے ہندو نامہ نگار کی شہادت

کشمیری پنڈتوں کے آرگن اخبار عام لاہور کا ہندو نامہ نگار لکھتا ہے۔ کہ ریاستی نظام اتنا خراب ہو گیا ہے۔ کہ اسے دوبارہ درست کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

(۱۲) "بدقسمتی سے ریاست کے افسروں کی باہمی رنجش اور بعض نکمے اور سازشی افسروں کی بدولت فسادیوں کے حوصلے بڑھ گئے ہیں جس سے ہندوؤں میں (اور مسلمانوں میں ان سے زیادہ۔ ناقل) بجا طور پر ناراضگی کے جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔ جناب وزیر اعظم صاحب کشمیر۔ صورت حالات سے بخوبی واقف ہیں لیکن وہ ان گندی مچھلیوں (بعض عہدہ داروں) کا کیا علاج کریں۔ جن سے دربار کشمیر کی فضا ابھی تک صاف نہیں ہوئی چند سازشی اور نکمے آدمی کشمیر سے نکل گئے ہیں یا نکالے گئے ہیں لیکن جب تک کشمیر کی حکومت کے ذمہ وار افسروں کی اس ساری پلٹن کو اچھی طرح سے درست (Reorganise) نہ کیا جائے گا۔ فسادیوں کے حوصلے پست نہ ہوں گے"

(اخبار عام لاہور ۱۹ دسمبر ۳۱ء صفحہ ۱۱)

پھر اسی اخبار میں افسروں کی باہمی رقابت و رنجش کا رونا روتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ:۔

۱۵ اخبار رنبیر جموں ۱۱ اپریل ۳۲ء صفحہ ۱۲۔

"ریاست کشمیر کے وزرا میں ایک دوسرے کے خلاف رنجش، حسد اور رقابت کے جذبات زوروں پر تھے جس کے باعث کشمیر کی ایجی ٹیشن پر بروقت قابو حاصل نہ ہو سکنے کے باعث معاملات کشمیر نے خطرناک صورت اختیار کی۔" (اخبار عام ۱۹ دسمبر ۱۹۳۱ء ص ۲)

مسٹر چیڈکر صدر ریاستی پرجا منڈل کی شہادت

مسٹر چیڈکر نے ریاستی پرجا منڈل کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور (۲۷ دسمبر ۱۹۲۹ء) کے صدارتی خطبہ میں ریاست کشمیر کے نظام حکومت اور وہاں کی رعایا کے متعلق مندرجہ ذیل لفظوں میں شہادت دی تھی کہ:-

(۱۳) "ریاست کشمیر اپنے وسیع ذرائع کے باوصف مقروض ہوا جاتی ہے۔ رعایا کی قابلِ رحم حالت ہے۔ تعلیم اور حفظانِ صحت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ لیکن بایں ہمہ رعایا سے گراں قدر محاصل وصول کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بکریوں، بھیڑوں، مواشی کے ہر گلہ۔ ہر دوکان اور فواکہ کے درخت پر ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔ غریب کشمیریوں کو بسر اوقات اور محاصل سے نجات حاصل کرنیکی غرض سے ترک وطن کر کے برطانوی ہند میں آنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح مہاراجہ صاحب (غالباً یہ سابقہ مہاراج کی طرف اشارہ ہے) اور ان کی حکومت کے ارکان کو ریاست کی آمدنی کو فضولیات میں صرف کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔"[1]

مہاشہ کرشن بی اے مالک اخبار "پرتاپ" کی شہادت

(۱۴) "مجھے بتایا جاتا ہے۔ کہ کشمیر کے عام لوگوں کی مالی حالت نہایت ناقص ہے۔ حیوانوں سے بدتر ان کی زندگی ہے۔ کم سے کم انسانی ضروریات بھی

[1] اخبار سیاست لاہور ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء ص ۶)

انہیں مہیا نہیں ہوتی۔ میں مانتا ہوں کہ ایسی حالت ہے“ الخ[له]

پنڈت پرمیشور ناتھ کول بیرسٹرایٹ لا، کی شہادت

اس کے بعد ہم ایک مشہور کشمیری پنڈت کے اس صدارتی خطبہ کا کچھ حصہ نقل کرتے ہیں۔ جو انہوں نے کشمیری نیشنل بورڈ منعقدہ لدھیانہ کے سالانہ جلسہ پر پڑھا تھا۔ امید ہے کہ اسے بھی پوری توجہ کے ساتھ پڑھا جائیگا۔

(۱۵) ”ہمارے کشمیری بھائی جو آج کل کشمیر میں نہایت ذلیل زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس کی کئی ایک وجوہ ہیں۔ جن میں سے دو بڑی وجہیں ہیں اوّل تعلیم کی کمی۔ دوم غربت کی لعنت۔ لیکن سب سے پہلے اقتصادی حالت کو لیتا ہوں۔ ہم میں سے وہ احباب جو کشمیر دیکھ چکے ہیں یقینی طور پر جانتے ہیں۔ کہ کشمیر کا ملک باوجود صنعت و حرفت میں شہرہ آفاق ہونے کے۔ اور اپنے اندر اعلیٰ سے اعلیٰ ذرائع رکھنے کے ایک کارخانہ تک بھی نہیں رکھتا۔ پہلے کشمیر میں کاغذ کی فیکٹری نیز اور چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں موجود تھیں۔ جو اب ریاست کی عدم توجہی کے باعث معدوم ہو رہی ہیں۔ اس وقت کشمیری آبادی ۳½ ملین ہے۔ جس میں اب صرف دو فیکٹریاں ہیں۔ اور وہ ریاست کی ملکیت، اور ان میں بھی نہایت قلیل تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ یہ وقت نہایت موزوں ہے۔ کہ ریاست اس طرف توجہ کرے۔ اور ملک میں چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں کھول کر بیکاری جیسے پیچیدہ سوال کا انسداد کرے، اگر اس طرح پر ریاست اپنی رعایا کی مدد کر کے ان کا ایک دفعہ معیار زندگی بلند کر دے، تو مجھے یقین ہے۔ کہ ان لوگوں کے اخلاق جن کے متعلق طرح طرح کی باتیں سننے میں آتی ہیں۔ خود بخود ترقی

[له] پرتاپ ۲۵ فروری ۳۲ء صفحہ ۵۔

کر جائیں گے۔ کس قدر بدقسمتی ہے۔ کہ کشمیری باوجود مادی دولت کی افراط کے اعلیٰ درجہ کے زرخیز ملک اور خوشنما مناظر کے بھی دنیا کے سامنے ایسا افسوسناک منظر پیش کرے۔ جبکہ فرزندان کشمیر اپنی ذہانت و ذکاوت میں کسی سے کم نہیں ہیں۔"

"میں اس بات کو بڑی شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔ کہ کچھ کشمیری زندگی کے متعلق بھی عرض کروں۔ جیسا کہ تمام ہمعصر ہندوستانی ریاستوں میں بیگار کا دستور تھا۔ ایسے ہی کشمیر میں بھی اس کا رواج تھا۔ اور اب جبکہ تمام ہندوستانی ریاستوں نے اسے اڑا دیا ہے۔ کشمیر گورنمنٹ نے بھی لفظ "بیگار" کو "کار سرکار" میں بدل دیا۔ یعنی ریاست کشمیر نے دوسری ریاستوں میں اس بد رسم کے قطعی انسداد کو بنظر غیظ دیکھا۔ اور صرف بطور انتقام لفظی تفسیر کر کے پہلے سسٹم کو قائم رکھا۔ اور اب بھی کوئی آدمی اس "کار سرکار" کے بجا لانے سے کتنا ہی معقول عذر کرے اور معذوری کا اظہار کرے۔ مگر مقامی افسر اس سے نہایت برا سلوک کرتے ہیں اور اس شخص کو قانون شکن اور باغی خیال کیا جاتا ہے۔"

"حکومت کشمیر کے لئے یہ کس قدر بدنامی کا باعث ہے۔ کہ ہر سال موسم سرما میں غریب مفلوک الحال کشمیری محض روزی کمانے اور مالگذاری کے پیسے جمع کرنے کے لئے ہندوستان آئیں۔ اس قدر افسوسناک صورت حال کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ کشمیر دربار کی عزت مجروح ہو چکی ہے۔ اور اس کا ثانی دیگر ہندوستانی ریاستوں میں ملنا ناممکن ہے۔"

"اب میں تعلیمی سوال کو لیتا ہوں۔ اس کی طرف کچھ عرصہ سے معمولی توجہ کی گئی ہے۔ اور جیسا گمان تھا۔ نتائج نہایت غیر تسلی بخش پیدا

ہوئے ہیں، اس قومی بورڈ کی خواہش ہے۔ کہ ابتدائی تعلیم کم ازکم قصبات میں تو لازمی اور جبری جاری کی جاوے۔ ان ریاستوں نے جو ریاست کشمیر سے کم یا اتنے ہی ذرائع آمد رکھتی ہیں۔ اس تعلیمی سوال کی طرف کافی توجہ کی ہے۔

یہ ایک سچائی ہے۔ کہ تعلیم حاصل کرنا ہر ایک شہری کا پیدائشی حق ہے۔ اور اس روشنی سے محروم رکھنا نہ صرف غلط بلکہ نہایت خطرناک پالیسی ہے اور یقیناً یہ امر کشمیر کے لئے جو اپنی وسعت اور اعلیٰ قسم کے ذرائع آمد رکھنے کے اور جغرافیائی رنگ میں عمدہ بہترین پوزیشن رکھنے اور دوسری ریاستوں سے اعلیٰ درجہ رکھنے کے باعث فخر نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ تعلیم جیسی اہم چیز کے متعلق کوئی کوشش نہ کر سکا۔ تمام ہندوستان میں زنانہ سکول بڑے وسیع پیمانے پر جاری کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ تاکہ جہالت و توہمات دور ہوں۔ مگر کشمیر میں عورتوں کی تعلیم تو درکنار مردوں کی تعلیم کی طرف بھی پوری توجہ نہیں۔"

"میں دربار کشمیر سے بڑے زور کے ساتھ درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ نہایت پسندیدہ کام کریگی۔ اگر لوگوں سے مالیہ ان کی حیثیت اور وسعت سے زیادہ وصول نہ کرے۔ یہ کھلی کھلی حقیقت ہے۔ کہ موسم سرما میں سینکڑوں بدنصیب کشمیری اپنا گھر بار چھوڑ کر برٹش انڈیا میں سیر و سیاحت کی غرض سے نہیں بلکہ جیسا کہ میں پہلے بتلا چکا ہوں۔ ایک اشد ضرورت کے ماتحت آتے ہیں۔ ان کا مقصد روپیہ کمانا ہوتا ہے۔ تاکہ کشمیر میں جا کر اپنا مالیہ ادا کر سکیں جو یقینی طور پر کاشت کے ذریعہ ہرگز ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح پر ان بیچاروں کو سارا سال ہی محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے موسم

گرما میں کشمیر کے اندر اور موسم سرما میں ہندوستان میں۔ مگر یہ ان کی زندگی زندگی نہیں کہلا سکتی۔ غالب نے اسی قسم کی زندگی بسر کرنے والوں کے متعلق ہی کہا ہے۔ کہ :-

زندگی اپنی جو اس ڈھب سے نہ گذری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے"

"اب ہم کو چند منٹ کے لئے اپنی توجہ پبلک ہیلتھ و محکمہ حفظانِ صحت کی طرف مبذول کرنا چاہیئے۔ ریاست کا خاص دارالخلافہ سرینگر ہے۔ صحت اور صفائی کے لحاظ سے اسی کی حالت ہی خراب نہیں۔ بلکہ اس کا گردو پیش بھی بدتر ہے۔ حالت یہ ہے۔ کہ سرینگر کی گندی اور متعفن گلیاں ایک ضرب المثل بن چکی ہیں۔ نہ قدیم نہ جدید۔ بازار نہایت گندے اور حفظانِ صحت کے بالکل خلاف دریائے جہلم کے کنارے۔ نہایت غیر محفوظ اور کیچڑ سے پُر۔ یہ اور دوسرے وجوہات مل کر ہر سال ہیضہ اور دیگر متعدی بیماریوں کے پھیلنے کا موجب ہوتے ہیں۔ آپ یہ سُن کر تعجب کریں گے۔ کہ آبادی کا ۳۰ فیصدی حصہ مرض سل کا شکار رہتا ہے۔ مگر پھر بھی حکومت کی طرف سے اس مہلک مرض کے انسداد کے لئے کوئی کوشش نہیں کیگئی"

"غالباً ہم میں سے بہت تھوڑے اس بات سے واقف ہوں گے۔ کہ چند صدیاں پیشتر کشمیر میں نہایت اعلیٰ درجہ کے سپاہی ہوتے تھے۔ جنھوں نے نہ صرف حدود کشمیر کی توسیع کی۔ بلکہ سندھ پر بھی حکومت کی۔ ایک بڑا حصّہ افغانستان کا بھی اپنے تخت میں کیا۔ بلکہ ہندوستان کے وسط تک گھس گئے۔ جیسا کہ موجودہ آثار قدیمہ سے ظاہر ہے۔ یہ

ناقابل تسخیر کشمیری فوج کی طاقت و شجاعت ہی تھی۔ جس نے محمود غزنوی جیسے بہادر سپاہی کو جو ہندوستان کے لئے بلائے ناگہانی تھا واپس لوٹا دیا، ہماری بدقسمتی ہے۔ کہ ہمارے پاس گذشتہ زمانہ کے جنگی کارناموں کی یادگاریں نہیں رہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ بزدل اور ڈرپوک جیسے بُرے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں، لیکن باوجود اس کے یہی کشمیری ہندوستانی فوجوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ ریاست میں بھی کشمیری رجمنٹ پیادوں اور سواروں کی موجود ہے مگر اب کشمیری اس میں بھرتی نہیں کئے جاتے۔ اپنے گذشتہ حقوق حاصل کرنے کے لئے نیشنل بورڈ کو چاہیئے۔ کہ وہ کشمیر دربار سے اس بات کی درخواست کرے۔ کہ آئندہ کشمیریوں کو بھی بغیر کسی قومی امتیاز کے فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت دے۔ اور فوج میں کمیشن والے عہدے بھی ملنے چاہئیں۔ یہ ایک بالکل جائز شکایت ہے۔ کیونکہ اگر کشمیریوں کو اس سے محروم رکھا گیا۔ تو ان پر یہ ایک دھبّہ ہوگا۔ مگر اس دھبہ کو جلد سے جلد دُور کرنا چاہیئے۔ میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ کہ لوگ ہمیں حقیر سمجھتے ہیں۔ اور ہماری وقعت اسی لئے ان کی نظروں میں نہیں۔ کہ ہم اپنی تاریخ سے بالکل واقف نہیں۔ حالانکہ ہم

اس قوم کے فرزند ہیں۔ ناقابل افواج

جس قوم سے محمود کا بھاگا تھا رسالہ

اس قوم کو اب ٹکڑا زمیں کا نہیں ملتا

جو قوم لیا کرتی تھی ملکوں کا قبالہ

اس لئے میں کشمیر دربار کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ کشمیر کے

تمام سکولوں اور کالجوں میں تاریخ کشمیر کا مطالعہ جاری کرائے۔"

"سر البین بینرجی (سابق وزیر خارجہ ریاست کشمیر) نے کشمیر چھوڑنے کے بعد ہمارے ملک کی ایک نہایت دردناک تصویر کھینچی ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں۔ کہ لوگوں کی اپنی کوئی رائے نہیں۔ نہ کوئی پریس ہے۔ جو لوگوں کی شکایات پیش کر سکے۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ ہندوستان کی بڑی بڑی ریاستوں میں اخبار نکلتے ہیں۔ جن کے ذریعہ عوام اپنی شکایات پیش کرتے ہیں۔ مگر کشمیر دربار اخبار تک نکالنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اور بعض دفعہ تو اخبارات کا داخلہ ہی ریاست میں ممنوع قرار دیدیا جاتا ہے اور محض اس لئے کہ دربار کی پالیسی پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔

میں اس کے متعلق کچھ زیادہ نہیں کہنا چاہتا۔ بلکہ نہایت ادب سے دربار کشمیر کی توجہ اس طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ کہ وہ برٹش ہند میں پریس کا کام ملاحظہ فرمائے۔ تاکہ اسے معلوم ہو۔ کہ وہاں کے لوگ اگر مہذب بن رہے ہیں تو پریس کی طفیل۔

کیا ہی اچھا ہو۔ اگر دربار کشمیر بھی اس مہذب اور شائستہ پالیسی کو اختیار کرے۔

میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ سر البین بینرجی ایسے بُرے الفاظ میں ریاست کو ملامت نہ کرتا۔ اگر وہ ریاست کی اس مذموم اور بُری پالیسی کو جو دربار نے اختیار کر رکھی ہے اپنی آنکھوں نہ دیکھتا۔"

"بورڈ توقع کرتا ہے۔ کہ کشمیر گورنمنٹ اس مشہور عالم کے الفاظ کیطرف متوجہ ہوگی۔ اور کشمیریوں کو تہذیب و تمدن کے نئے طریقوں پر ترقی کرنے میں مدد دے گی۔"

اس طول طویل مگر ٹھوس اور جامع شہادت کے بعد کسی مزید شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر پھر بھی ہم چاہتے ہیں۔ کہ ناظرین کرام دو ایک شہادتیں خود ریاست کے سابق عہدہ داروں کی بھی سُن لیں۔ تاکہ یہ امر اور بھی روشن اور واضح ہو جائے کہ مسلمانان کشمیر واقعی دُکھی، مصیبت زدہ اور آلام میں مبتلا ہیں۔ اور ان کی شکایات اور مطالبات بجا اور درست ہیں۔ سب سے پہلے ہم انگریزی اخبار سٹیٹسمین کا وہ مضمون نقل کرتے ہیں جس میں اس کے نامہ نگار خصوصی نے ریاست کشمیر کے سابق وزیر خارجہ سر ایلبین بینرجی کے اس بیان کا مفہوم اور خلاصہ اپنے لفظوں میں تحریر کیا ہے۔ اس کے بعد ایک دو اور عہدہ داروں کی شہادتیں بھی نقل کریں گے۔ ہم متوقع ہیں۔ کہ احباب کرام مندرجہ ذیل اقتباس کو کامل توجہ اور پوری دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔ کیونکہ اس میں ایک ایسے گھر کے بھیدی اور واقفِ راز کی شہادت درج ہے جس سے بڑھکر اور کسی نے کیا واقف ہونا ہے۔ اور ناظرین کو یہ شہادت بتلائے گی۔ کہ مہاسبھائیوں کا ریاستی باشندوں کو ہر طرح سُکھی بتلانا اور ان کی شکایات کو بے بنیاد قرار دینا کس قدر کُھلی کُھلی کذب بیانی اور دہوکہ دہی ہے۔

اخبار سٹیٹسمین کے نامہ نگار خصوصی اور کشمیر کے سابق وزیر خارجہ مسٹر ایلبین بینرجی کی شہادت

اب سٹیٹسمین اور سر ایلبین کی آراء ملاحظہ ہوں۔ اس غیر جانبدار جریدہ میں لکھا ہے۔ کہ:—

(۱۶) "ہندو کانگریسی اخبارات جس طرح برطانوی راج کے خلاف محاذ جنگ قائم کئے ہوئے تھے۔ اسی طرح آج کل انہوں نے مسلمانوں کے کشمیری اضطراب کے خلاف بھی ایک مستقل جہاد شروع کر رکھا ہے۔ اور اس مسلم ایجی ٹیشن کو ناقص بتا بتا کر اس کے اثر کو زائل

کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ تحریک اس قدر کامیاب منظم ہے۔ کہ قارئین کرام کو بخوبی معلوم ہوگا۔

ریاست جموں و کشمیر کے باشندوں کی حالت جس قدر خراب ہے۔ ان پر جس طرح حکومت کی جاتی ہے ان کے ساتھ غیر شریفانہ اور انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے۔ اس کا اندازہ خود ریاست کے ایک سابق اہلکار کی زبان سے سنئے۔ اور غور کیجئے۔ کہ یہاں کی حالت کسقدر ناگفتہ بہ اور کسقدر ناقابل برداشت ہو چکی ہے۔ پریس کے نمائندہ سے ریاست کشمیر کے "محکمہ خارجیہ سیاسیہ" کے سابق وزیر (۱۹۲۹ء) سر ایلبین بینرجی نے اپنے عہدہ سے دست بردار ہونے کے بعد جو ایک دفعہ بیان دیا تھا۔ اس وقت اُس کا اعادہ ضرور مفید ہوگا۔ یاد رہے۔ کہ یہ بیان کسی تحریک کے سلسلہ میں نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ ان واقعات سے متاثر ہو کر دیا گیا ہے۔ جن سے وہ اپنے عہد میں متاثر ہوئے۔ اور جو انہوں نے اپنے عہد حکومت میں اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اور آگاہیٔ عوام کے لئے شائع کر دیا۔ مسٹر ایلبین بینرجی نے جو واقعات بیان کئے تھے۔ ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

(۱۷) "کشمیر کی ریاست میں تقریباً تمام مسلمانوں کی آبادی ہے۔ لیکن اس قدر جاہل، اس قدر سادہ لوح اور مظلوم و معصوم کہ حدِ بیان سے باہر ہے۔ افلاس بے انتہا بڑھا ہوا ہے۔ اور حکومت کی بے اعتنائی اور جور اس قدر ناقابلِ برداشت ہیں۔ کہ مجھے ان کی حالت دیکھ دیکھ کر رقت ہوتی تھی۔ حکومت اور رعایا کے درمیان کوئی رابطہ محبت نہیں ہے

وہ بے زبان مویشیوں کی طرح ہیں۔ جو حاکم جس صورت سے چاہتا ہے۔ ان سے کام لیتا ہے۔ اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ حکومت کی انتظامی مشینری اس قدر خراب اور ناقص ہے۔ کہ میں عرض نہیں کر سکتا۔ ضرورت نہیں بلکہ اشد اور لابدی امر ہے۔ کہ تمام انتظامی عملہ کو از سر نو تعمیر کیا جائے اور تمام نقائص فوراً دور کر دئے جائیں۔ لوگوں کو شکائتیں کرنے اور اپنی حالت حکام بالا تک پہنچانے کا کوئی معقول ذریعہ نہیں ہے۔ اور حکومت ان کی طرف سے اس قدر استغنا برتتی ہے۔ کہ گویا وہ ان سے کچھ فائدہ حاصل کرتی ہی نہیں۔ تعلیم یافتہ طبقہ جو تمام تر کشمیری پنڈتوں پر مشتمل ہے۔ ان کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں۔ اس لئے انہیں بھی ایک طرح سے مسلمانوں ہی کی طرح خراب و خستہ سمجھنا چاہیئے۔ وہ کسی قسم کی تجارتی یا صنعتی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ اور مذہبی حلقوں میں ان کی حالت اچھی نہیں۔ اس لئے وہ بھی بُری حالت میں ہیں۔ حکومت کی ملازمتوں میں ان کو بھی ترجیح نہیں دی جاتی۔ ہاں بیرونی احباب کی خوب پرورش ہوتی ہے۔ ریاست میں کوئی رائے عامہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اخبارات سرے سے ہیں ہی نہیں۔ اور موجودہ دورِ تمدن میں کسی مقام پر اخبارات کا نہ ہونا جس قدر اندوہناک منظر دورِ جہالت و بربریت کا پیش کر سکتا ہے۔ وہ وہاں موجود ہے۔ یعنی رائے عامہ کے فقدان سے وہاں کی حکومت کی پالیسی پر نکتہ چینی بالکل نہیں ہوتی۔ اور اس کی وجہ سے یا تو بعض امور عامہ ہوتے ہی نہیں۔ اگر ہوتے ہیں تو بہ خرابیٔ بسیار۔ جس پر اعتراض کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

اور وہ موجودہ دور کی اس نعمت سے محروم ہیں۔ کشمیر کی سیاسی فوقیت زیادہ تر قدرتی اور جغرافیائی محل وقوع کی بنا پر ہے۔ کیونکہ قدرت نے اسے تین بڑی بڑی سلطنتوں کے مابین پیدا کیا ہے۔ اور اس وجہ سے اسے جو سیاسی فوقیت حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ لیکن یہ ریاست نہ تو کبھی اپنے پورے مدارج پر پہنچے گی۔ اور نہ اپنی ذمہ داریاں پہچانے گی۔ جب تک کہ حکومت اور باشندوں کے درمیان زیادہ رابطہ اتحاد اور زیادہ رشتۂ الفت و مفاہمت قائم نہ ہو۔ ...... کشمیر کے دستکار جس قدر مشہور اور جفاکش مشہور تھے۔ اب ان کی ہمت افزائی نہیں ہوتی۔ اور اس وجہ سے ان کی حالت اس قدر مائل بہ انحطاط ہے۔ کہ بیان سے باہر ہے۔ حکومت ان کی سرپرستی اور امداد نہیں کرتی اس وجہ سے ان کی حالت روز بروز گھٹتی (گرتی) چلی جا رہی ہے۔ میسور کی حکومت اپنے صناعوں کی جتنی امداد و سرپرستی کرتی ہے۔ وہ اس ریاست (کشمیر) کے لئے ایک نمونہ ہے۔"

(بحوالہ سٹیٹسمین ۱۹ اگست ۱۹۳۱ء از سیاست لاہور ۲۳ اگست ۱۹۳۱ء)

ہندو مہا سبھائی اور کانگرسی اصحاب جو مسلمانان کشمیر کی کامیابی و خوشحالی میں بُری طرح روکیں پیدا کر رہے ہیں۔ اس بیان کو پڑھ کر بتلائیں۔ کہ جو لوگ اتنے دُکھی اتنے تباہ حال اور ستم رسیدہ ہوں۔ کیا ان کی مخالفت کرنا روا ہے؟ کیا اخلاق اور انسانیت کا یہی تقاضہ ہے۔ کہ ان بے یار و مددگار انسانوں کے دُکھ دور کرنے کی بجائے انہیں اور بھی ستایا اور تنگ کیا جائے؟ کیا آپ لوگوں کا ریاستی عہدہ داروں کی پیٹھ ٹھونکنا اور مظلوموں کی مخالفت کرنا وید اور شاستر کی تعلیم ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو پھر کیوں ایسا کیا جاتا ہے؟

(۱۸) "واقعی ملازمتوں میں مسلمانوں کی بڑی کمی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا تناسب ہر محکمہ میں قائم ہونا چاہیئے۔"

راجہ سر ہری کشن کول سابق وزیر اعظم کشمیر کی شہادت

اس کے بعد ریاست جموں و کشمیر کے سابق وزیر اعظم کی شہادت بھی سُن لیں، جو بھائی پرمانند کے اخبار "ہندو" کی اس کذب بیانی کا کہ مسلمانان کشمیر کی شکایات بے بنیاد ہیں مُنہ توڑ جواب ہے۔ صاحب موصوف نے ٹریبیون کے نامہ نگار کے سامنے اقبال کیا۔ کہ:۔

(۱۹) "میں نے کبھی اس بات کو نظر انداز نہیں کیا کہ مسلمانوں کی کئی جائز شکایات بھی ہیں۔" (اخبار ویر بھارت ۲۶ فروری ۱۹۳۲ء)

گلینسی کمیشن کی شہادت

اب ہم ریاست جموں و کشمیر کے سپیشل کارکن مسٹر گلینسی اور ان کے رفقا کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ جو اس امر کی مُنہ بولتی سند ہے۔ کہ ہندو مہاسبھائیوں کا یہ کہنا قطعی غلط اور جھوٹ محض ہے۔ کہ:۔

"ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں"

اور یہ کہ مسلمان اخبارات

"جو شکایات اس ہندو ریاست کے خلاف شائع کر رہے ہیں ۔۔۔۔۔ وہ بالکل بے بنیاد ہیں"

کیونکہ یہ شہادت ایسے شخص بلکہ ایسے اشخاص کی ہے جنہوں نے مہاراجہ صاحب بہادر کے حکم اور ارشاد کے ماتحت ملک کا دورہ کر کے سرکاری کاغذات کا مطالعہ کر کے اور ہر طرف سے حالات معلوم کر کے شہادت دی ہے۔ جو درج ذیل ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اس قسم کی مضبوط اور جچی تُلی شہادت کا انکار بڑے سے بڑے مہا سبھائی

کیا ان کی اس لئے مخالفت کی جاتی ہے۔ کہ وہ مسلمان ہیں؟ لیکن ہندو دہرم اس کی اجازت دیتا ہے؟ اگر کہئے نہیں تو پھر اس مخالفت کی اور کیا وجہ ہے؟

مگر ہم جانتے ہیں۔ کہ اس اندھی مخالفت کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ اگر وہاں کے مسلمان آسودہ اور خوشحال ہو گئے، انہیں مطلوبہ جائز حقوق مل گئے۔ اور حکومتِ وقت میں انہیں بھی حصہ دار بنا لیا گیا۔ تو اس سے ان کی اس سکیم کا قطعی طور پر تیا پانچا ہو جائے گا جس کا نام ہندو راج ہے۔ اور جو کشمیر سے راس کماری تک قائم کرنا چاہتے ہیں،

مگر انہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اس قسم کے غلط ایمان اور اخلاق کے خلاف منصوبے کبھی بھی پورے نہ ہونگے۔ اور نہ ہی ایسی مذموم اور بے انصافی پر مبنی تحریکیں سرسبز ہو سکتی ہیں، خواہ ہندو مہا سبھائی اور کانگرسی ایڑی چوٹی تک کا زور بھی لگا کر کیوں نہ دیکھ لیں،

ملک کے حالات اور انسانیت کا یہی تقاضا ہے کہ جس کو جتنا حق پہنچتا ہے۔ وہ اسے ملنے دیا جائے، اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اس منصفانہ اصول سے اکثر و بیشتر شریف طبع ہندو متفق ہونگے۔ اور ہمارے نزدیک وہ وقت جلد آنیوالا ہے جبکہ ایسے ہی روشن خیال اور نیک طینت ہندو میدان عمل میں نکلیں گے۔ اور مہا سبھائیوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے ہر ایک کو جتنا حق پہنچتا ہے دلائیں گے، اور ان کی پاکیزہ کوششیں ہندو اور مسلمانوں کو یک جان دو قالب بنا دیں گی۔ لیکن جب تک ایسی مبارک ہستیوں کو آگے آنے کا موقعہ نہ ملے۔ ہم ان کا راستہ صاف کرنے کے لئے مہا سبھائی ذہنیت کو بے نقاب کرتے ہی رہینگے (انشاء اللہ تعالیٰ)

سر بر جور دلال چیف جج ہائیکورٹ ریاست جموں و کشمیر کی شہادت

اس کے بعد دلال کمیشن کی شہادت بھی سُن لیجئے۔ جو ان کی رپورٹ سے ماخوذ ہے۔ لکھا کہ:-

سے بھی ناممکن ہے۔ چونکہ یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ کشمیریوں کی ہر ایک شکایت کے متعلق اس کمیشن کی تائید و تصدیق کا حوالہ دیا جائے۔ اس لئے فی الحال چند اقتباس ہی ہدیۂ ناظرین کرنے پر اکتفار کرینگے،

وظائف یتامیٰ کے متعلق

وظائف یتامیٰ کے متعلق وہاں کے مسلمانوں کو سخت شکایت تھی۔ کہ ریاست اس فنڈ کا زیادہ حصہ ۲۰ فیصدی آبادی پر خرچ کرتی ہے۔ اور جن کی آبادی ۸۰ فیصدی ہے۔ ان کو بہت کم مدد ملتی ہے۔ چونکہ یہ شکایت جائز اور حقیقت پر مبنی تھی۔ اس لئے گلینسی کمیشن کو لکھنا پڑا۔ کہ :-

(۲۰) "وظائف یتامیٰ میں بھی تمام اقوام کو جائز حصہ دیا جانا چاہیئے محکمہ تعلیم نے جو تازہ اعداد و شمار مہیا کئے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ۱۹۰ طلبا کو وظائف یتامیٰ دئے گئے۔ جن میں ۱۴۸ ہندو اور صرف ۴۲ مسلمان تھے۔

یہ بھی سفارش کی جاتی ہے۔ کہ جن وظائف کو اب "گئو رکھشا وظائف" کہا جاتا ہے۔ ان کو وظائف یتامیٰ میں ملا دیا جائے۔ اس لئے کہ بظاہر ان وظائف کا گئو رکھشا سے کوئی تعلق نہیں۔ حکام تعلیم نے جو خط و کتابت مہیا کی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ گئو رکھشا وظائف کا حقیقی منشاء یہ تھا۔ کہ مذہب و ملت کی تمیز کے بغیر یتیم اور غریب طلبار کو امداد بہم پہنچائی جائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ عملی طور پر صرف ایک ہی قوم (ہندو) کو ان وظائف سے فائدہ پہنچایا جا رہا ہے" [۱]

محکمہ تعلیم میں مسلمانوں کا افسوسناک تناسب

ایک شکایت مسلمانان ریاست کو یہ تھی۔ کہ ریاست کے محکمہ تعلیم میں مسلمانوں کو

[۱] ترجمہ گلینسی کمیشن رپورٹ صہ ۲۸

بہت کم بھرتی کیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمان تعلیم میں بہت پیچھے ہیں، چونکہ یہ بھی شکایت حقیقت پر مبنی تھی۔ اس لئے کمیشن کو اقرار کرنا پڑا۔ کہ اس محکمہ میں مسلمانوں کی تعداد واقعی افسوسناک ہے۔

"محکمہ تعلیم نے جو اعداد و شمار مہیا کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحال ان کا تناسب یہ ہے :۔

عہدہ دار	مسلمان	مجموعی تعداد
ٹیچر	۷۱۸	۲۲۰۱
سرکاری مڈل سکولوں کے ہیڈ ماسٹر	۳	۳۹
سرکاری ہائی " " "	۱	۱۵
کالجوں کے پروفیسر	۴	۳۳
ڈیمانسٹریٹر	۱	۸
معائنہ کرنے والا عملہ	۳	۱۴
گزٹیڈ آفیسر	۴	۲۷

پس ظاہر ہے۔ کہ مسلمان ملازمین کی تعداد افسوسناک طور پر کم ہے اس صورت حال کے تدارک کی کوشش کی جائے۔"

ٹریننگ کلاسوں کے مسلمان وظیفہ خواروں سے غیر مساویانہ سلوک

"گذشتہ پانچ سال کے عرصہ میں ٹریننگ کلاسوں کے مسلمان وظیفہ خواروں کی تعداد ۱۳۲ غیر مسلموں کے مقابلہ میں صرف ۳۷ تھی۔"

دفتر محکمہ تعلیم میں مسلمانوں کا فقدان

"فہرست موصولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وزیر تعلیم کے سیکرٹریٹ میں جو سکرٹری

سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ اہلکار تک ۱۲ عہدیداروں پر مشتمل تھی۔ ایک بھی مسلمان نہیں۔ اس سے بیّن طور پر منکشف ہوتا ہے۔ کہ محکمہ مذکورہ میں نہایت افسوسناک اور ناگوار صورت حال ہے۔ اور اس محکمہ میں مسلمان ملازمین کی تعداد بڑھانے کے متعلق مسٹر شارپ کی سفارشات پر عمل نہیں کیا گیا۔ علیٰ ہذا القیاس انسپکٹران تعلیم کے دفاتر میں مسلمانوں کی تعداد ناکافی ہے۔ اس کے انسداد کے لئے تدابیر عمل میں لائی جائیں۔"

(ترجمہ گلینسی کمیشن رپورٹ صفحہ ۳۳-۳۴)

اسلامی زبانوں پر سنسکرت کو ترجیح

"شکایت کی گئی ہے۔ کہ کچھ عرصہ سے وہ سرمایہ جو مشرقی علوم کی نشر و اشاعت کے لئے منظور کیا گیا تھا۔ صرف سنسکرت کی ترقی کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ یہ تبدیلی سخت قابلِ اعتراض اور مذمت کے لائق ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ عربی اور سنسکرت کے اساتذہ کی تنخواہیں حتی المقدور یکساں کر دی جائیں بشرطیکہ ان کی قابلیتیں بھی یکساں ہوں۔" (" صفحہ ۳۵)

سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی ناسقناک کمی

سب سے بڑی شکایت مسلمانوں کی یہ ہے۔ کہ انہیں سرکاری ملازمتوں میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ چونکہ یہ شکایت بھی وزندار اور معقول تھی اس لئے کمیشن کو لکھنا پڑا کہ:۔

" اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ سرکاری ملازمت کے معاملہ میں مسلمانوں کو جو آبادی میں بہت بڑی اکثریت رکھتے ہیں کافی نیابت حاصل نہیں ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ بعض چھوٹی اقلیت

والی اقوام (غیر ہندو) کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کے موجودہ تناسب کے متعلق بعض نہایت دلچسپ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

	محکمہ	غیر مسلم	مسلم
شعبہ انتظامی	تعمیرات عامہ	۱۸۳	۵۴
	الیکٹریکل و مکینیکل	۴۷	۳
	ٹیلیگراف و ٹیلیفون	۷۲	۷
	کسٹم (اسسٹنٹ محالدار اور اس سے اوپر)	۱۹۵	۱۴
	مال (گرداور اور پٹواری) میرپور	۱۳۱	۳۱
	" " " ریاسی	۸۵	۹
کلیریکل	فنانس	۳۶۸	۲۹
	محکمہ تعمیرات عامہ	۱۹۴	۳
	عدالت	۱۶۲	۲۱
ادنیٰ ملازم	محکمہ تعمیرات عامہ	۱۲۰	۲۳
	کسٹم	۳۱۴	۱۰۸
	سٹیشنری ڈپو اور چھاپہ خانہ	۶۶	۵

مذکورہ بالا اعداد و شمار متعلقہ محکمہ جات سے حاصل کئے گئے ہیں۔ اور یقین کیا جاتا ہے۔ کہ موجودہ حالات میں یہ **بالکل صحیح** (اپ ٹو ڈیٹ) ہیں۔ افسوس ہے۔ کہ تمام محکموں اور اضلاع کے متعلق مکمل معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ . . . مسلمان کہتے ہیں

کہ بعض اعلیٰ عہدہ داروں نے جان بوجھ کر ہمیں ملازمت سے محروم رکھا ہے۔ اور انہوں نے مسلمانوں سے ان تمام اسامیوں کو جو سرکاری دفاتر میں خالی ہوتی ہیں پردۂ اخفار میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ان خالی اسامیوں کو رشوت لے کر یا کنبہ پروری کے طور پر خفیہ خفیہ پُر کر دیا جاتا ہے۔" (رر صفحہ ۳۸ تا ۴۰)

ذرائع آمد و رفت کی افسوسناک حالت

" واقعی سڑکوں کی حالت یہ ہے۔ کہ ریاست کے اکثر حصوں میں نامہ و پیام اور آمد و رفت کا سلسلہ بہت خراب ہے۔" (صفحہ ۹۶)

محکمہ چُنگی کی ایذا رسانیاں

" محکمہ چونگی کے خلاف تاجروں اور دیگر اشخاص نے بہت شکایت کی ہے۔ جو دیہاتی یا دوسرے اشخاص ریاست کی سرحد کے بالکل قریب رہتے ہیں۔ ان کے لئے قدرتی طور پر چونگی کا محکمہ ہمیشہ سے تکلیف کا باعث بنا ہوا ہے . . . . زراعت پیشہ لوگوں نے شکایت کی ہے کہ چونگی وصول کرنے کے لئے گنّے کو نامناسب طور پر پھلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ شکایت جائز معلوم ہوتی ہے۔ گنّے کو زرعی پیداوار کا نام دینا زیادہ موزون ہے۔ اس طرح گنّے پر موجودہ قواعد کے مطابق چونگی نہیں دینا پڑے گی۔ . . . . تاجروں نے شکایت کی ہے۔ کہ ہمیں بعض معاملات میں حکام محکمہ محصول بلا وجہ تکلیف دیتے ہیں حال ہی میں قانون میں ایک تبدیلی کی گئی ہے۔ جس کے مطابق صرف اسی صورت میں محصول درآمد سے معافی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ جو مال ریاست سے باہر لینڈ کے لئے بھیجا گیا ہو۔ وہ وصول کرنے والے

سے واپس آگیا ہو۔ اس وقت قانون یہ ہے۔ کہ اس قسم کا تمام مال برآمد سے قبل حکام محکمہ محصول کو دکھالیا جائے۔ ورنہ محصول کی معافی کا مطالبہ نامنظور کر دیا جائے گا۔ اگر ناجائز ذرائع (رشوت) سے اہلکارانِ متعلقہ کو جلدی کام کرنے پر آمادہ نہ کیا جائے۔ تو اکثر تاخیر واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے ثبوت میں بہت سی معتبر شہادتیں موجود ہیں۔ جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ محکمہ محصول نے تاجروں کے مال کا کتنا نقصان کیا۔ مثلاً شالوں پر محکمہ کسٹم کی مُہر لگائی گئی۔ تاکہ ان کے پہچاننے میں دقت نہ ہو۔ لیکن مُہر کچھ ایسے طریقے سے لگائی گئی۔ کہ شال کا فروخت کرنا قریب قریب ناممکن ہو گیا۔" الخ

کشمیر کے باغوں کی ویرانی اور بربادی

مسلمانانِ کشمیر کی روزی کا دار و مدار باغوں کی شادابی اور پھلوں کی فروخت پر بھی ہے۔ مگر کئی سال سے ان کے باغ ایک خاص قسم کی بیماری کے باعث تباہ ہو رہے ہیں۔ مگر ریاست نے اس کے ازالہ کی کوئی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ ان باغوں کی آمد میں سے ریاست بھی کچھ نہ کچھ حصہ لیتی ہے۔ چونکہ یہ شکایت بھی حقیقت پر مبنی تھی۔ اس لئے دوسری شکایات کی طرح اسے بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

"چند سالوں سے پھلوں کی صنعت کو ایک مرض سے جسے سان جوسی سکیل کہتے ہیں سخت نقصان پہنچا ہے۔ اور اس کی ترقی کی راہ میں روڑا اٹک گیا ہے۔ اکثر باغ تباہ ہو گئے ہیں۔ اور اکثر تباہ ہو رہے ہیں۔ باغوں کی حالت نہایت خطرناک ہے۔ یہ مرض بڑی تیزی کے ساتھ ایک باغ سے دوسرے باغ میں پھیل رہا ہے (بروقت نہیں بلکہ اب) اس کے انسداد کے لئے ریاست کے حکام نے ایک ماہر کی خدمات طلب کی ہیں

(غالباً ابھی حاصل نہیں ہوئیں۔ ناقل) اور اس کا مقابلہ کرنے کی تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔ بظاہر اس معاملہ میں اور زیادہ مستعدی دکھانے کی ضرورت ہے۔" (،، صا۱۰)

رشوت کی گرم بازاری

کشمیریوں کو جہاں اور بیسیوں دُکھ ہیں وہاں رشوت نے بھی ان کا کچومر نکال رکھا ہے جس کے متعلق گلینسی کمیشن کو بھی بایں الفاظ اقرار کرنا پڑا کہ:۔

"شکایات موصول ہوئی ہیں۔ کہ ریاست کے ہر محکمہ مثلاً پولیس، جنگلات، مال وغیرہ میں رشوت ستانی کا بازار گرم ہے۔ ادنیٰ اہلکار مثلاً فارسٹ گارڈ گیم واچر (چوکیدار جنگلات۔ چوکیدار شکار) دیہاتیوں کے خرچ پر مفت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور دیہاتیوں سے باقاعدہ ٹیکس کی صورت میں رشوت وصول کرتے ہیں۔ بالخصوص پولیس کے خلاف سخت الزامات لگائے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ پولیس بیکار محض ہے۔ اس کو عوام سے ناجائز نذرانے یا رشوتیں حاصل کرنے سے ہی فرصت نہیں ملتی بلاشبہ **ان شکایات میں بہت صداقت ہے** ۔تاہم امید ہے۔ کہ اب پولیس کا محکمہ ایک تجربہ کار انسپکٹر جنرل کی نگرانی میں آگیا ہے یہ شکایتیں جلد دور ہو جائیں گی۔ محکمہ تعمیرات عامہ کے خلاف بھی رشوت ستانی کے بہت سے الزامات لگائے گئے ہیں۔ افسوس کہ یہ باور کرنے کی ہر وجہ موجود ہے۔ کہ **رشوت خوری کی شکایات بہت حد تک صحیح ہیں**۔ لیکن اکثر حالات میں خود عوام زیادہ ملامت کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ناجائز نذرانے (رشوتیں) محض اس توقع سے دیتے ہیں

کہ ان کے دینے والوں کو فائدہ ہو گا۔ (ہمارے نزدیک عوام میں سے زیادہ تر ایسے لوگ رشوت دیتے ہیں۔ جو حکام کے بیجا ظلم وستم سے بچنا چاہتے ہیں نا قل) اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بدترین مجرم ریاست کے اہلکار ہی ہیں۔ اس لئے ہز ہائینس گورنمنٹ کو ہر طرح کوشش کرنا چاہیئے۔ کہ رشوت ستانی میں کمی ہو جائے۔ اس وقت اسی کا ہر طرف دور دورہ ہے"۔

"رشوت کے متعلق، ایک انسدادی تدبیر کی سفارش کی جاتی ہے جس پر عمل کیا جانا چاہیئے۔ تدبیر یہ ہے۔ کہ اعلیٰ عہدیدار محکموں کی زیادہ نگرانی اور علاقوں کا پہلے سے زیادہ دورہ کیا کریں۔ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اس وقت ریاست کی مشینری میں حد سے زیادہ مرکزیت پائی جاتی ہے۔ اعلیٰ افسر زیادہ تر ایسے کاموں میں مصروف ہیں۔ جو ماتحتوں کے حوالہ کیا جانا چاہیئے تھا۔ ان کے اس رویہ کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ انکو معائنہ اور نگرانی کے لئے بہت کم وقت ملتا ہے۔

اہلکاران ماتحت بہت کم اختیارات کے مالک ہونے کیوجہ سے اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے۔ بالعموم وہ اپنے عہدوں کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے ان کی یہ کوشش ہوتی ہے۔ کہ جس طرح بھی ہو سکے، دولت جمع کر لیں۔ یہ بھی شکایت کی جاتی ہے۔ کہ محکموں کے اگزکٹو افسران میں غیر ضروری تبادلوں کی بھرمار رہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ محکمے بہت غیر ذمہ دار بن گئے ہیں اور ان میں رشوت ستانی کا زور بڑھ گیا ہے"۔

(" صدیؔ")

رعایا کو راعی کے پاس شکایات پہنچانے میں عہدہ دار روک ڈالتے ہیں۔

مہاراجہ صاحب بہادر کی وفادار رعایا کو ایک بہت بڑی شکایت یہ بھی ہے۔ کہ ریاست کے بعض عہدہ دار ایسے اپنے والی اور حکمران کے حضور باریاب نہیں ہونے دیتے۔ حالانکہ اگر وہ اس قسم کی روکیں نہ ڈالیں اور بلا کسی روک ٹوک کے رعایا کو اپنے مہاراج کے پاس جانے دیں۔ تو جس قسم کی مشکلات اور مصائب میں وہ گرفتار رہے۔ وہ بہت حد تک جلد ہی دور ہو جائیں۔ لیکن چونکہ بعض عہدہ دار یہ سمجھتے رہے۔ کہ اگر رعایا کو مہاراج کے پاس جانے دیا اور اس نے وہاں شکایات کا دفتر کھول دیا۔ تو ہماری خود مختاری اور جلبِ زر میں فرق آجائے گا۔ اس لئے وہ رعایا کو اس کا موقعہ ہی نہ دیتے تھے۔ لیکن چونکہ رعایا کی یہ شکایت بجا اور درست تھی اس لئے گلینسی کمیشن کو اس کی معقولیت پر صاد کرنا پڑا جیسا کہ مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے:-

”شکایت کی گئی ہے۔ کہ تمام اقوام۔ بالعموم اہلکاروں کے جلبِ زر کا تختۂ مشق بنی ہوئی ہیں۔ بعض غرض مند (اہلکاروں کی) جماعتوں نے اپنا یہ وطیرہ بنا رکھا ہے۔ کہ وہ رعایائے ریاست کو ہز ہائینس کی خدمت میں بآسانی باریاب ہونے نہیں دیتیں۔ پختہ طور پر یقین کیا جاتا ہے۔ کہ اگر رعایا کی شکایات مناسب موقع پر ہز ہائینس مہاراجہ بہادر کے گوش گذار کیجائیں تو بہت سی خرابیوں کا انسداد ہو سکتا ہے۔ اگر اعلیٰ حکام یا دوسرے افسر مہاراجہ بہادر کی خدمت میں اس لئے کسی کو باریاب نہ ہونے دیں۔ کہ وہ آپ کی خدمت میں اپنی شکایات پیش کرے گا۔ تو ایسے حکام کی سختی سے گوشمالی کرنا چاہیئے۔“ (ر صـ۸۷)

ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر اس شکایت کا کماحقہٗ ازالہ ہو جائے۔ اور آئندہ رعایا کو براہ راست اپنے حکمران کے سامنے شکایات پیش کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ تو حالات

کی اصلاح بہت جلد ہو جاتے، اور ایسی حالت میں رعایا کو نہ تو اخباروں میں شور مچانے کی ضرورت پڑے نہ پلیٹ فارم پر چیخنا پڑے۔ اور نہ ہی اس کو برطانوی ہند کے لوگوں سے امداد حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہو، کیونکہ جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں موجودہ مہاراج نہایت شریف، با اخلاق، نرم دل اور رواداروا قع ہوئے ہیں۔ . . . اور انہیں اپنی رعایا سے ہمدردی ہے۔ اگر انہیں رعایا سے بالمشافہ گفتگو کا موقعہ ملے۔ تو یہ یقینی بات ہے۔ کہ ریاست اور رعایا کی مشکلات جلد سے جلد دور ہو جائیں۔ اور ملک دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرکے دکھا دے، لیکن یہ توقع تو اسی حالت میں پوری ہو سکتی ہے۔ جبکہ ماتحت عملہ کی بھی اصلاح ہو۔ اور اس کی ذہنیت بھی بدل جائے۔ بہرحال گلینسی رپورٹ کے یہ ریمارک ضائع نہیں جائیں گے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ کبھی نہ کبھی رعایا کو یہ شرف بھی حاصل ہو کر ہی رہیگا۔

مسلمانان ریاست کی مذکورہ بالا تمام شکایات پر

مہاراجہ صاحب بہادر کی مہر تصدیق ثبت

مسلمانان ریاست کو جن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور جس قسم کے عہدہ داروں اور قانون سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور جس رنگ میں ان سے عہدہ دار برتاؤ کرتے ہیں۔ اور جس طرز پر نظام حکومت چلایا جا رہا ہے اور جس نوع کی اس میں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ ان کے متعلق اور بھی بہت سی شہادتیں نقل کی جا سکتی ہیں۔ مگر چونکہ ہمارے پاس نہ اتنا وقت ہے اور نہ ہی جگہ۔ اس لئے فی الحال انہی شہادتوں کو کافی اور وافی سمجھتے ہیں جن میں انگریز مدبروں کی بھی ہیں، انگریزی اخباروں کی بھی

ہیں۔ ہندو لیڈروں کی بھی ہیں، ہندو کانگرسیوں کی بھی ہیں، ہندو اخباروں کی بھی ہیں اور خود مہا سبھائیوں کی بھی ہیں، یہی کیوں خود ریاست کے ذمہ وار عہدہ داروں کی بھی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کی تائید و حمایت میں اتنا شاندار ریکارڈ پہلے کبھی جمع نہ ہوا ہو گا۔ جو خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے رسالہ ہذا اور اس کے پہلے حصہ میں جمع ہو گیا ہے۔ اور ہمیں یقین ہے۔ کہ ان تمام غیر جانبدار اور حقیقت پر مبنی شہادتوں کے مطالعہ کے بعد اس بات میں خفیف سے خفیف شک کی بھی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ کہ مسلمانان جموں و کشمیر واقعی حقوق سے محروم، مفلوک الحال، پسماندہ، مظلوم اور ستم رسیدہ ہیں۔ اور یقیناً اس قابل ہیں۔ کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں رحم اور ہمدردی کا جذبہ موجود ہے۔ ان لوگوں کی حالت زار کو دیکھتا ہوا ان کی طرف اپنی اعانت و دستگیری کا ہاتھ بڑھائے گا۔ اور اس وقت تک دم نہ لے گا۔ جب تک کہ خدا کی یہ ۳۲ لاکھ پریشان اور خستہ حال مخلوق اپنی مراد کو نہ پہنچ جائے۔

ان وقیع، وزندار اور حقیقت پر مبنی شہادتوں کے بعد کسی مزید شہادت کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔ مگر ہم چاہتے ہیں۔ کہ مہا سبھائیوں کے جھوٹے پروپیگنڈے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تہ خاک ملا دینے کی خاطر خود شری مہاراجہ صاحب بہادر کی بھی ان شکایات پر مُہر تصدیق ثبت دکھا دیں۔ تاکہ آئندہ چالاک معترض اور مخالف کو بھی اس معاملہ میں لب کشائی کی جرأت نہ ہو۔

جب گلینسی کمیشن نے ہر قسم کی شکایات جمع کر کے اور ان میں سے اکثر کے ازالہ کی سفارش کر کے مہاراجہ صاحب بہادر کے سامنے رپورٹ پیش کی۔ تو اس پر مُہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے مہاراجہ صاحب بہادر نے فرمایا۔ کہ:۔

"مسٹر گلینسی اور کمیشن کے دوسرے ممبروں نے تحقیقات میں جس محنت، احتیاط اور قابلیت سے کام لیا ہے۔ اس کے لئے ان اصحاب

کو میرا شکریہ پہنچا دیا جائے۔ رپورٹ میں بالکل غیر جانبدارانہ۔ سیر حاصل، مدلّل اور مفصل پیرایہ میں ان تمام معاملات کا اظہار کیا گیا ہے۔ جن پر کمیشن نے شرائط تحقیقات کے ماتحت غور کیا۔ ہز ہائینس مہاراجہ بہادر نے ازراہ شفقت خسروانہ رپورٹ کی سفارشات قبول فرمائی ہیں۔ اور حکم دیا ہے۔ کہ ان سفارشات پر جلد سے جلد عمل کرنے کے تدابیر اختیار کئے جائیں۔"

(رپورٹ گلینسی کمیشن صفحہ ۱۳۶)

اب ہندو مہا سبھائی خود ہی بتلائیں۔ اگر ریاست کے مسلمانوں کو ریاست سے کوئی شکایت نہ تھی، بلکہ انہیں ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل تھے۔ تو یہ کیا بات ہے کہ گلینسی کمیشن ان کی بہت سی شکائتیں مہاراجہ صاحب بہادر کے سامنے دُہراتا ہے۔ اور ان کے ازالہ کی سفارش کرتا ہے۔ اور پھر مہاراجہ صاحب بہادر بھی انہیں تسلیم کرتے ہوئے ان کے ازالہ کی ہدایت فرماتے ہیں، کیا مہاراجہ صاحب بہادر کا ارشاد آپ لوگوں کے غلط اور گمراہ کُن پروپیگنڈا کا مُنہ توڑ جواب نہ سمجھا جائے؟

مسلمانانِ کشمیر کی مخالفت میں مہاسبھائیوں کے

باقیماندہ لُولے لنگڑے عُذرات کی تردید

متذکرہ بالا ٹھوس۔ وزنی اور تحقیقی شہادتوں کے بعد اب یہ کہنے کی تو کسی کو جرأت نہ ہوگی۔ کہ مسلمانانِ ریاست کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ اور یہ کہ ان کی شکایات بالکل بے بنیاد ہیں، لیکن ایسے موقعہ پر بات بنانے کیلئے یہ ضرور کہا جائیگا (جیسا کہ ہندو اخباروں نے بارہا سے دہرایا) کہ

کیا کشمیریوں نے غیر آئینی طریق اختیار کیا؟

مہا سبھائیوں اور کانگرسیوں نے مسلمانانِ ریاست کی اس مخالفت نہیں کی۔ کہ وہ اپنے حکمران سے حقوق کے کیوں طالب ہیں یا ان کو ریاست سے کوئی شکایت نہیں۔ ان کی مخالفت کی وجہ یہ ہے۔ کہ انہوں نے غیر آئینی طریق کیوں اختیار کیا، کیونکہ اگر حکومت وقت سے کوئی شکایت تھی۔ تو اس کا ازالہ پُر امن طریق سے کروانا چاہیئے تھا نہ کہ ملک میں شورش اور ہنگامہ برپا کر کے،

تو اس کے متعلق بھی ہم بتلا دیں۔ کہ اس قسم کا اعتراض اپنے اندر کچھ وزن نہیں رکھتا کیونکہ مسلمانانِ کشمیر اس ایجی ٹیشن سے قبل ہر ممکن طریق اور ذریعہ استعمال میں لا کر دیکھ چکے تھے۔ مگر ان کی شنوائی نہ ہوئی۔ انہوں نے اپنی تکالیف کا اظہار عرضداشتوں کے ذریعہ کیا کسی نے توجہ نہیں کی، انہوں نے میموریل بھیجے۔ کسی نے توجہ نہیں کی، انہوں نے ریزولیوشن پاس کر کے بھیجے کسی نے توجہ نہیں کی، انہوں نے پلیٹ فارم پہ کھڑے ہو کر دہائی دی۔ کسی نے توجہ نہیں کی، اخباروں میں شور مچایا، چیخے اور چلائے۔ مگر پھر بھی کسی نے توجہ نہیں کی[1] اور حکامِ وقت کی سرد مہریوں اور خاموشی کو دیکھتے ہوئے بھی انہوں نے کسی قسم کا غیر آئینی مظاہرہ نہیں کیا، لیکن جب انہوں نے اپنے مذہب میں کھلی کھلی مداخلت دیکھی تو اس وقت وہ بے تاب ہو گئے۔ اور اپنے زخمی جذبات کا اظہار کرنے کے لئے دیوانہ وار بازاروں میں نکل آئے۔ اور علانیہ چیخے، چلائے، روئے اور پیٹے، اور خوب خوب واویلا کیا، مگر اس کی ذمہ داری ان پہ نہیں بلکہ ان لوگوں پہ عائد ہوتی ہے۔ جنہوں نے ان کے مذہبی جذبات سے کھیلنا پسند کیا، ان کی اذانیں روکیں، ان کے خطبے بند کئے، ان کی دینی کتاب کی توہین کی۔

---

[1] کیونکہ ان کی عرضداشتوں اور فریادوں کو مہاراجہ صاحب بہادر تک پہنچایا ہی نہ گیا۔ ورنہ یہ ممکن تھا۔ کہ مہاراجہ صاحب کے کان انکی شکایات سے آشنا ہوتے اور وہ ان کا ازالہ نہ فرماتے؟ (احمدی مہاجر)

کیونکہ جہاں تک ہم نے کشمیریوں کو سمجھا ہے۔ وہ ہر قسم کے دُکھ درد برداشت کر سکتے ہیں، ہر قسم کی ناانصافیوں اور حقوق تلفیوں کو برداشت کر سکتے ہیں، مگر وہ نہیں برداشت کر سکتے تو اپنے مذہب اور دین کی توہین کو،

لیکن باوجود اس کے کہ وہ مذہبی توہین کو برداشت نہ کر سکنے کے باعث بے تاب ہو گئے، اور خوب چیخے اور چلائے۔ اور اپنے غم اور غصہ کا اظہار کیا۔ مگر ایسی حالت میں بھی انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ کہ جس سے ان پر امن شکنی اور انارکی کا الزام عائد ہو۔ اور ان کا یہ رونا اور چلانا محض اس وجہ سے تھا۔ کہ کسی طرح ان کی آہ و بکار اور نالہ و شیون کی آواز ان کے محبوب والی اور حکمران کے کانوں تک پہنچ جائے۔

لیکن چونکہ ان کی آواز کا مہاراجہ صاحب بہادر تک پہنچنا ریاست کے بعض غیر ہمدرد عمال کے مقاصد مشئومہ کے صریح خلاف تھا۔ اس لئے انہوں نے ان کی آواز دبانے کیلئے نہتوں اور بے گناہوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کیا، اور وہ جیل کے احاطہ میں پُر امن ہجوم پر گولیاں چلا کر اپنی دحشت اور بربریت کا ثبوت دئے بغیر نہ رہے۔ لیکن جو قوم کامل ایک صدی سے دُکھ پر دُکھ اور تکلیف پر تکلیف اٹھاتی چلی آ رہی تھی۔ اور اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ وہ ان گولیوں سے کہاں خاموش رہ سکتی تھی اس نے زخم کھائے، گھائل ہوئی، اور مظالم کی چکی میں پیسی گئی۔ مگر اس نے جو آواز اٹھائی تھی دبنے نہ دی، اور یہ انہی کے استقلال اور جوانمردی کا نتیجہ ہے۔ کہ ان کی آواز مہاراجہ صاحب بہادر تک پہنچی اور اچھی طرح پہنچی۔ اور یہ اسی کا پھل ہے۔ کہ آج ان کی بہت سی شکایات رفع ہونے والی ہیں۔

اور مہاسبھائیوں کو بھی تو اسی بات کا غصہ ہے۔ کہ ریاست کے مسلمان اتنے زور سے کیوں چیخے اور چلائے، اور دیوانہ وار مسجدوں، میدانوں اور بازاروں میں غم و غصہ کا اظہار کیا۔ اور اپنے حکمران سے فریادی ہوئے،

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے۔ اگر بعض بے تدبیر حکام مسلمانوں کو روپیٹ لینے دیتے۔ ان کو مہاراجہ صاحب بہادر تک فریادی کی صورت میں جانے دیتے۔ تو کسی قسم کا بھی ناخوشگوار واقع ظہور میں نہ آتا۔

لیکن چونکہ مہاسبھائی پریس ان کو انگیخت کر رہا تھا اور رہ رہ کر اس بات پر زور دے رہا تھا۔ کہ اس شورش کو سختی کے ساتھ دبایا جائے۔ تاکہ کہیں رعایا کی آواز مہاراج تک نہ پہنچ جائے۔ اس لئے بعض عقل اور تدبر سے محروم عہدیدار، ہندو سبھائی اثرات کے ماتحت ایسی حرکات کے مرتکب ہوئے۔ جو بعد میں ریاست کی انتہائی بدنامی کا باعث ہوئیں۔

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ مسلمانانِ کشمیر نے اپنی شکایات کے ازالہ کی خاطر غیر آئینی طریق اختیار کیا (حالانکہ یہ غلط ہے) تو اس پر

غیر آئینی طریق پر یہ معترض کس منہ سے اعتراض کرتے ہیں

برطانوی ہند کے کانگرسی، مہاسبھائی اور آریہ سماجی کس منہ سے اعتراض کر سکتے ہیں؟ کیا کشمیریوں پر غیر آئینی طریق اختیار کرنے کا اعتراض کرنیوالے خود اس اعتراض کے مورد نہیں؟ کیا انہوں حکومتِ وقت کی مخالفت نہیں کی؟ اس کے حکموں کو نہیں توڑا؟ اس کے قانون کی بے حرمتی نہیں کی؟ اپنی امن شکن حرکات سے ملک کا امن برباد نہیں کیا؟ کیا ان میں سے بعض نے بم نہیں چلائے؟ پستولوں سے کام نہیں لیا؟ سرکاری آدمیوں کو گولیوں کا نشانہ نہیں بنایا؟ جب یہ معترض خود ہر ایک قسم کے قابل مذمت افعال کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ تو یہ دوسروں کو کس منہ سے طعن کر سکتے ہیں؟

اگر کہا جائے کہ ہم نے تو یہ سب کچھ ملکی حقوق کی خاطر کیا تو کیا کشمیری بھی یہی جواب نہیں دے سکتے؟ حالانکہ ان کے اور کشمیریوں کے معاملہ میں زمین آسمان کا فرق ہے، کیونکہ ان کے حاکم (انگریز) خود ان کو حقوق پر حقوق دیئے چلے جا رہے ہیں، مگر

کشمیریوں کے بعض حاکم تو اس قسم کی ذہنیت کے مالک نہ تھے۔ پس جب کانگرسی ایسے فیاض حاکموں کی مخالفت کر کے اپنے آپ کو ہر قسم کے اعتراضوں سے مبّرا سمجھتے ہیں۔ تو کشمیری کیوں نہ اس قسم کے بے بنیاد اعتراضوں سے منزہ سمجھے جائیں۔ جبکہ انکا واسطہ بعض ایسے لوگوں سے آپڑا تھا۔ جو انہیں کسی قسم کے حقوق کے بھی مستحق نہ سمجھتے تھے۔ اگر اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے رونا پیٹنا اور واویلا کرنا قابل اعتراض ہے۔ تو پھر کانگرسی مہاسبھائی اور آریہ سماجی بھی موردِ الزام ہیں۔ اور کشمیریوں سے کئی گنا مورد الزام ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ کہ جس قسم کے مذموم، قابل نفرت اور لعنتی طریقوں سے کانگرسی کام لے رہے ہیں۔ کشمیر دہلی کے مسلمان ان میں سے ایک طریقہ بھی عمل میں نہیں لائے، اور گذشتہ ایک سال میں جس قدر بھی ناخوشگوار واقعات ظہور میں آئے وہ محض حکام کی بے تدبیری اور مہاسبھائی انگیخت کا ہی نتیجہ تھے، نہ کہ ریاست کے مسلمانوں کی مفروضہ غیر آئینی حرکات،

کیا کشمیر ایجی ٹیشن ریاستی ہندوؤں کے خلاف تھا؟

ہم جانتے ہیں۔ کہ مہاسبھائی اور کانگرسی اپنی غلط اور غیر منصفانہ پوزیشن کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے یہ بھی کہیں گے۔ کہ اگر مسلمانانِ کشمیر نے اپنی شکایات کا ازالہ کروانا ہی تھا۔ تو وہ حکومت وقت سے اُلجھتے نہ کہ وہاں کے ہندوؤں کو بھی اپنا مدمقابل سمجھ کر انہیں دُکھ دیتے؟ ہر چند کہ یہ اعتراض قابل توجہ نہیں۔ کیونکہ مسلمانانِ کشمیر شروع سے ہی اس بات کا اعلان کرتے آئے ہیں۔ کہ ہمارا ایجی ٹیشن اور واویلا سر دہر حکام کے خلاف ہے نہ کہ اپنے ہندو ہمسائیوں کے بھی خلاف،

مگر چونکہ مہاسبھائیوں نے دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے بیرونی دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ کہ ریاستی مسلمان حقوق ہی نہیں چاہتے۔ بلکہ وہاں کے

ہندوؤں کو بھی کچل دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے اس بہتان اور افترا کی تردید کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ پبلک کو ان کی دروغ بافیوں اور کذب بیانیوں کی حقیقت معلوم ہو جائے، اور وہ سمجھ لے کہ ان لوگوں کا مسلمانانِ ریاست پر بہتان باندھنا اور انہیں بدنام کرنا کسی حقیقت پر مبنی نہیں۔ بلکہ محض ان وجوہ سے ہے۔ کہ ایک طرف اگر برٹش ہندوستان کے ہندو بھڑک اٹھیں تو دوسری طرف بیرونی دنیا جوان کی مظلومی وستم رسیدگی کی وجہ سے اظہار ہمدردی کر رہی ہے، ان کی طرف سے بدظن ہو جائے، اور حقوق طلبی کا معاملہ کھٹائی میں جا پڑے،

لیکن ہمیں اس قسم کے لغو اور بے بنیاد بہتان کی تردید میں کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ خود مہاراجہ صاحب بہادر کے مقرر کردہ مڈلٹن کمیشن نے ہی اپنی رپورٹ میں ایک فقرہ لکھکر اس کی تغلیط کر دی ہے اور ہمارے نزدیک تو اکیلا یہ فقرہ ہی مسلمانان ریاست کی پوزیشن کو صاف اور بے داغ کرنے کے لئے ایک محکم اور ناقابل تردید برہان ہے۔ لہذا ہم اسی کی نقل پر اکتفا کریں گے،

مڈلٹن رپورٹ کی گواہی

مڈلٹن کمیشن اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ:-

"(مسلمانان کشمیر کا) سارا ایجی ٹیشن حکام کے خلاف تھا۔ اور اگرچہ یہ خالص اسلامی ایجی ٹیشن تھا، (یعنی اس میں صرف مسلمان شریک تھے) لیکن یہ ہرگز فرقہ دارانہ تھا۔ اور نہ **کسی دوسری قوم کے خلاف تھا**"

اس اعتراف سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کشمیر کے مسلمانوں نے اب تک جو کچھ کیا وہ اس نظام حکومت کے ظلم و جبر اور تشدد و تعدی سے مجبور ہو کر کیا۔ جس میں ان کے جائز حقوق پامال ہو رہے تھے۔ اور جس کے ماتحت عام انسانی حقوق تک سے محروم تھے وہ نہ ہندؤں کے خلاف تھے۔ ان کی ساری کوششوں اور ساری قربانیوں کا مرجع یہ تھا

کہ نظام حکومت میں ایسے تغیرات ہو جائیں۔ کہ مسلمان اپنے جائز حقوق سے استفادہ کر سکیں۔ اور وہ حکام بدل جائیں (یا ان کی ذہنیت بدل جائے) جو ایک نظام کو اپنی شقاوت و سنگدلی کے باعث سوگنا جبر و تشدد کا ذریعہ بنائے بیٹھے تھے۔" (انقلاب)

احراریوں کی جتھہ بازی کا جواب

اگر ہندو مہا سبھائی اپنی مخالفت کی وجہ احراریوں کی جتھہ بازی بتلائیں اور کہیں کہ اگر یہ لوگ ریاست کے معاملات میں دخل نہ دیتے۔ یہاں سے جتھے لے جا کر وہاں اُدھم نہ مچاتے، اپنی شر انگیز تقریروں سے ملک کا امن برباد نہ کرتے۔ تو ہم بھی خاموش رہتے، مگر چونکہ ان لوگوں نے ریاست کے امن کو برباد کرنے کی ٹھان لی۔ اس لئے ہم بھی مخالفت کرنے کے مجاز تھے، تو اس کے متعلق بھی ہم بتا دیں۔ کہ جہاں تک جتھہ بازی اصول نافرمانی اور پکٹنگ کا تعلق ہے۔ وہاں تک تو ہم بھی اس قسم کی حرکات کو غیر مفید اور بے نتیجہ سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ برٹش گورنمنٹ کے خلاف ہو یا ریاستوں کے، اور یہی وجہ ہے۔ کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے اس قسم کے طریقوں سے کام لینا مناسب نہیں سمجھا۔ مگر اس کے باوجود ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ ہندو مہا سبھائی اور کانگرسی اس قسم کی جتھہ بازی پر معترض نہیں ہو سکتے، اور نہ ہی اس بناء پر وہ مخالفت کرنے کے مجاز ٹھہرائے جا سکتے ہیں،

کیونکہ جب وہ خود اس کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ تو وہ دوسروں کو کس طرح موردِ الزام ٹھہرا سکتے ہیں؟ ہم اگر یہ کہیں۔ تو قطعاً بے جا نہ ہو گا۔ کہ اس بدعت اور بیہودگی کے بانی اور باعث خود یہی کانگرسی اور مہا سبھائی ہیں۔ اور یہ سب کچھ انہی کی تقلید میں ہوا۔ تو ایسی حالت میں وہ احراریوں کی جتھہ بازی پر (خواہ وہ کیسی ہی غیر مستحسن ہو) اعتراض کس طرح کر سکتے ہیں؟

جب ہندو خود جتھہ بازی کے مرتکب ہوئے پھر اعتراض کیوں؟

کیونکہ اگر برطانوی ہند کے بعض مسلمان ریاست کشمیر میں جتھے لیجانے کے باعث موردِ الزام

ہیں۔ تو اس الزام سے ہندوؤں کا بھی دامن پاک نہیں۔ برطانوی ہند کے توسمجھدار اور اعلیٰ طبقہ کے مسلمانوں نے اس فعل کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ مگر ہندوؤں نے جب اس فعل کا ارتکاب کیا تھا۔ تو عام ہندو ہی نہیں بلکہ خاص نے بھی اسے جائز اور بجا سمجھا تھا۔ اور ہندو جتھے بازوں کی نہ صرف پیٹھ ٹھونکی تھی۔ بلکہ ہر قسم کی مالی اور جانی مدد بھی دی تھی، بلکہ خود اس کام میں ہاتھ بٹایا تھا،

اور اس قسم کا فعل ایک دفعہ نہیں کئی مرتبہ سرزد ہوا۔ اور مختلف مقامات پر ہوا اور وہ بھی برطانوی علاقہ میں نہیں بلکہ دیسی ریاستوں کے خلاف،

پس جب خود ہندو مہاسبھائی۔ کانگرسی اور آریہ سماجی بلکہ ان کے پٹھو سکھ بھی اس قسم کے افعال کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ تو ان کا آج احراریوں کی جتھے بازی کو اپنی مخالفت کا باعث بتلانا صحیح سمجھا جا سکتا ہے؟ جبکہ یہ باتیں انہی سے سیکھ کر کی گئی ہیں۔ اگر کہئے۔ کہ ہندوؤں نے اپنے گھر میں (برطانوی ہند) تو ستیہ گرہ ضرور کیا ہے۔ مگر کسی ریاست پر دھاوا نہیں بولا۔ تو جو شخص اس قسم کی بات زبان پر لاتا ہے۔ وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے اور یا پھر وہ اتنا بے علم اور ناواقف ہے۔ کہ اسے اپنے گھر کی بھی خبر نہیں،

کیونکہ ہر ایک وہ شخص جو اخباری ذوق رکھتا ہے۔ اس بات کی گواہی دے گا۔ کہ ۱۹۲۴ء میں ہندوؤں نے ریاست کوچین میں جتھے بھیجے۔ ریاست ٹراونکور میں جتھے بھیجے۔ اور ستیہ گرہ کے مرتکب ہوئے۔ کیا ویکم کا ستیہ آگرہ کوئی بھولی بسری بات ہے؟ کیا مہاسبھائیوں، کانگرسیوں اور سکھوں کو ۱۹۲۴ء کا یہ مشہور واقعہ یاد نہیں؟ کیا ریاست ٹراونکور اور کوچین میں برطانوی ہند کے ہندوؤں نے ستیہ آگرہ کرنے کیلئے جتھے نہیں بھیجے، وہاں جا کر قانون کو نہیں توڑا، ملک کا امن برباد نہیں کیا؟ اور نادر کیا اس کام کو کانگرس نے اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تھا؟ کیا کانگرس کے سابق صدر مسٹر سرینواس آئنگر نے اس فعل کی بایں الفاظ تائید نہ کی تھی۔ کہ:۔

"ستیہ آگرہ شروع کرنے سے پیشتر ہی میری رائے میں وہ کم کا ستیہ آگرہ بالکل جائز ہے اور وہ اس وقت تک جاری رکھا جائے۔ کہ دل تبدیل ہو جائیں۔" (اخبار کیسری لاہور ۲۵ اپریل ۱۹۲۴ء صہ ۶)

کیا کانگرس کے ہرتا، کرتا اور دھرتا اور ڈکٹیٹر گاندھی جی نے جتھے بازوں کے اس کام کو سراہتے ہوئے مبارکباد نہ دی تھی؟ جیسا کہ ذیل کے بیان سے ظاہر ہے:-

"مہاتما گاندھی جی نے کانگرس کے سکرٹری کے نام پیغام بھیجا ہے اور انہیں یہ تحریک شروع کرنے پر بہت مبارک باد دی ہے۔ اور کامیابی کے لئے پرماتما سے پرارتھنا کی ہے۔" (کیسری ۳۰ مارچ ۱۹۲۴ء صہ ۳)

کیا سکھوں نے اس فعل کو پسند نہیں کیا؟ کیا انہوں نے سردار لال سنگھ بی اے اور باوا کرپال سنگھ کی قیادت میں یہ کہہ کر جتھہ نہیں بھیجا۔ کہ وہ وہاں جاکر لنگر کھولیگا اور

"ستیہ آگرہیوں کو ہر طرح سہاتا (مدد) دی جائے گی، زخمیوں کا علاج معالجہ سیوا۔ تن من دھن سے کی جاویگی"۔ (کیسری ۲۵ اپریل ۱۹۲۴ء صہ ۵)

اگر یہ سب کچھ صحیح۔ ٹھیک اور درست ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ جو فعل ۱۹۲۴ء میں مہا سبھائیوں، کانگرسیوں اور سکھوں کے لئے جائز تھا۔ وہ ۱۹۳۱ء میں احراریوں کے لئے ناجائز ٹھہرے؟ اگر مہا سبھائیوں اور کانگرسیوں نے اس سے قبل خود ریاستوں میں جا جا کر ستیہ آگرہ کیا۔ تو آج اگر ریاست کشمیر کے خلاف بھی بعض نے جتھہ بازی ضروری سمجھی۔ تو اس کو وجہ مخالفت بتلانا کیونکر درست سمجھ لیا جائے؟

اگر کہیئے۔ کہ ٹراونکور اور کوچین کا ستیہ آگرہ تو اس لئے تھا۔ کہ وہاں کے اچھوتوں کو انسانیت کے ابتدائی حقوق دلائے جائیں، تو کیا کشمیریوں کو انسانیت کے ابتدائی حقوق دلانے کے لئے جتھہ بازی ناجائز ٹھہراؤ گے؟

اس قسم کے افعال پر اظہارِ ناپسندیدگی ہماری طرف سے کیا جا سکتا ہے۔ جن کے

نزدیک یہ طریق مفید اور مؤثر نہیں۔ مگر کانگرسی اور مہا سبھائی اس پر اعتراض نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ چونکہ بعض مسلمانوں نے ریاست میں جا کر ستیہ آگرہ کیا۔ اس لئے ہم نے مخالفت کرنا ضروری سمجھا۔

لیکن جس طرح مہا سبھائیوں کی مخالفت کی محولہ بالا وجوہات غلط اور بے بنیاد ثابت ہوتی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی لغو اور بے حقیقت ہے۔ کیونکہ اگر مہا سبھائیوں نے مسلمانان کشمیر کی مخالفت اس لئے کی ہوتی۔ کہ احراریوں نے ریاست میں جا کر اودھم مچایا۔ اور ستیہ آگرہ کیا۔ تو یہ کیا بات ہے۔ کہ احراریوں کی جتھہ بازی اگست یا ستمبر میں شروع ہوئی۔ مگر مہا سبھائی اور کانگرسی ایڈیٹر اور لیڈر اس سے کئی ماہ قبل مسلمانان کشمیر کے خلاف شعلہ افشانی کر رہے تھے؟

بیرونی مداخلت کا عذر اور اس کی تردید

مہا سبھائی اور کانگرسی اپنی مخالفت کو جائز ثابت کرنے کے لئے یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اگر برطانوی ہند کے مسلمان اس معاملہ میں دخل نہ دیتے۔ اگر وہ کشمیریوں سے مل کر ریاست کے خلاف سازشیں نہ کرتے، اگر وہ کشمیریوں کو پیسے اور آدمیوں سے امداد نہ دیتے۔ تو ایسی حالت میں ہندو بھی خاموش رہتے۔ نہیں بلکہ اگر دیکھتے۔ کہ واقعی وہاں کے مسلمان مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہیں۔ تو ہم ان کی تکالیف دور کرنے کے لئے خود ریاست پر زور دیتے، لیکن چونکہ یہ سارا ایجی ٹیشن ایک گہری سازش اور بیرونی انگیخت کا نتیجہ تھا۔ اس لئے ہندوؤں کا مسلمانوں کی مخالفت اور ریاست کی حمائت کرنا ضروری تھا۔

ہر چند کہ یہ عذر بھی عذر لنگ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن چونکہ ان کی طرف سے بار بار اس پر زور دیا گیا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں۔ کہ لگتے ہاتھ ان کے اس عذر کی بیہودگی اور لغویت بھی ظاہر کر ہی دیں:۔

"اگر کشمیر کے متعلق۔ سر محمد اقبال۔ خواجہ حسن نظامی۔ قادیانی مرزا اور انقلاب و مسلم آؤٹ لک نے خفیہ اور علانیہ سرگرمیوں کا اظہار نہ کیا ہوتا۔ تو ہندو دیکھتے کہ کشمیر کے مسلمان واقعی سخت تکلیف میں ہیں۔ اور ان کے حقوق خطرہ میں ہیں۔ تو وہ بلا پس و پیش دربار کشمیر کو مجبور کرتے۔ کہ ان کے مستحق کو اس کا حق دیدیا جائے"۔ (ملاپ ۲۰ اگست ۱۹۳۱ء ص ۵)

لیکن قبل اس کے کہ ہم بیرونی مداخلت اور امداد کا جواب دیں۔ اور یہ بتلائیں۔ کہ ان کی مفروضہ سازش کہاں تک واقعات سے ثابت ہے، پہلے ہم یہ پوچھتے ہیں۔ کہ اگر ہندو مہا سبھائی واقعی اتنے روادار، رحمدل، ہمدرد اور غمگسار واقع ہوئے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ انہوں نے اس ایجی ٹیشن سے قبل کشمیر دربار پر مسلمانان ریاست کو حقوق دلانے کے لئے زور نہ دیا؟ کیا اس سے پہلے انہیں وہاں کے مسلمانوں کی تکلیفوں، مصیبتوں اور پامالیوں کا علم نہ تھا۔ کیا وہ ۱۹۳۱ء سے قبل ان کی حالت زار سے واقف نہ تھے۔ کیا ان کی بیچارگی اور تباہ حالی کا انہیں پتہ نہ تھا؟ اگر کہو نہیں؟ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ نہ صرف مسلمانان کشمیر ہی بلکہ خود بعض ہندو بھی اخبارات میں وہاں کے مسلمانوں کی پتلی اور سقیم حالت کا رونا رو چکے تھے، اور نوادر خود مہا سبھائی اخباروں میں بھی کثرت کے ساتھ ایسی تحریریں شائع ہو چکی تھیں۔ جن میں کہ دربار کشمیر کی سرد مہریوں، لاپرواہیوں اور نامنصفانہ کارروائیوں کو الم نشرح کرتے ہوئے مسلمانانِ کشمیر کی ستم رسیدگی کا اقبال کیا گیا تھا،

پس جبکہ انہیں اس ایجی ٹیشن سے سالہا سال قبل وہاں کے مسلمانوں کی بیچارگی اور پامالیٔ حقوق کا علم تھا۔ تو اس وقت انہوں نے کیوں نہ دربارِ کشمیر پر زور دیا، اور کیوں نہ ان کو حقوق دلائے؟ لیکن یہ سب بہانہ سازیاں ہیں کیونکہ یہ اگر اپنے قول کے سچے ہوتے اور اپنے آپ کو جیسا انصاف پسند اور ہمدرد ظاہر کرتے ہیں۔ فی الحقیقت یہ ویسے ہی ہوتے

تو اس ایجی ٹیشن کی نوبت ہی کیوں آتی ؟

اگر برطانوی ہند کے مسلمانوں کی مداخلت اور امداد ان کے نزدیک ناجائز ہے۔ تو اس کی ذمہ واری بھی انہی لوگوں پر ہے نہ کہ مسلمانانِ ہند پر۔ کیونکہ اگر یہ خود ہی انصاف اور ہمدردی سے کام لیتے ہوئے دربار کشمیر پر دباؤ ڈال کر مسلمانانِ کشمیر کو وہ حقوق (جو اس ایجی ٹیشن کے بعد انہیں ملنے والے ہیں) دلا دیتے۔ تو مسلمانانِ ہند کا سر پھرا تھا کہ بے وجہ دوسروں کے معاملات میں دخل دیتے ؟

بیرونی مسلمانوں کی مداخلت کی وجہ یہ تھی کہ مہاسبھائیوں نے اپنے ہی ایک سنہری اصول کو نظر انداز کر دیا

چونکہ ہندوؤں نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی وہاں کے مسلمانوں کی مدد نہ کی اور اس معاملہ میں یہ **سنہری اصول** نظر انداز کر دیا کہ :-

"مصیبت زدہ خواہ ہندو ہو یا مسلمان۔ ہر ایک قوم پرست بلکہ ہر ایک فرد بشر کی ہمدردی اور امداد کا مستحق ہے" (ترتاپ ۱۹ اگست ۱۹۳۱ء صہ ۵)

اس لئے برطانوی ہند کے مسلمانوں کو ان "مصیبت زدہ" لوگوں کی "ہمدردی اور امداد" کرنا پڑی، کیونکہ جب ہندو، قوم پرست کہلا کر بھی اس ضروری فرض کی ادائیگی سے دیدہ دانستہ اعراض کر گئے تو کیا ایسی حالت میں مسلمانانِ ہند کا فرض نہ تھا۔ کہ وہ ان "مصیبت زدہ" اور "ہمدردی و امداد کے مستحق" لوگوں کی اعانت کرتے ؟

ہم نہیں سمجھتے کہ جب یہ لوگ اپنے فرض سے دیدہ دانستہ اغماض کر گئے۔ تو ایسی حالت میں ان کا یہ اعتراض کیا معنی رکھتا ہے۔ کہ

"اس معاملہ کو آل انڈیا سوال بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ڈھونگ رچنے کی کیا ضرورت تھی" (ملاپ ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء صہ ۵)

آل انڈیا کشمیر کمیٹی بنانے کی غرض

مہاشہ جی! اس معاملہ کو آل انڈیا سوال بنانے یا آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم کرنے کی یہی ضرورت تھی۔ کہ جن مصیبت زدوں کی ہندو مہاسبھائیوں نے جان بوجھ کر بھی مدد نہیں کی۔ ان ہمدردی اور امداد کے مستحقوں کو آلام و مصائب سے نجات دلائی جائے، اور دربار کشمیر پر زور دیا جائے۔ کہ وہ ان تکلیف اور مصیبت میں مبتلا لوگوں کو ان کے جائز اور واجبی حقوق دیدے،

باقی رہا یہ کہنا۔ کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی یا اس کے محترم صدر نے وہاں کے مسلمانوں کو دربار کشمیر کے خلاف بھڑکایا۔ یا انہیں بغاوت اور فساد پر آمادہ کیا۔ اور ان کے ساتھ سازش کر کے حکومت کشمیر کا تختہ الٹ دینا چاہا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہے۔ تو یہ بھی کھُلا کھُلا افترا، اور بہتان ہے،

کشمیر کمیٹی کے محترم صدر پر مہاسبھائیوں کے غلط الزام

"مرزا قادیانی نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی اسی غرض سے قائم کی ہے تاکہ کشمیر کی موجودہ حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور اس غرض کے لئے انہوں نے کشمیر کے گاؤں گاؤں میں پروپیگنڈا کیا۔ . . . . انہیں روپیہ بھیجا۔ ان کے لئے وکیل بھیجے، شورش پیدا کرنیوالے واعظ بھیجے۔ شملہ میں اعلیٰ افسروں کے ساتھ ساز باز کرتا رہا،" (ملاپ یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء صہ)

"کشمیر میں قادیانی شرارت کی آگ لگائی۔ واعظ گاؤں گاؤں گھومنے لگے۔ چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ چھپوائے گئے، اُردو میں بھی اور کشمیری زبان میں بھی۔ اور انہیں ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر مفت تقسیم کیا گیا مزید برآں روپیہ بھی بانٹا گیا،" (ملاپ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۱ء صہ)

ہم مانتے ہیں۔ کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر نے "کشمیر کے گاؤں گاؤں میں پروپیگنڈا کیا۔" "انہیں روپیہ بھیجا۔" "اُن کے لئے وکیل بھیجے۔" "واعظ بھیجے"۔ "شملہ میں اعلیٰ افسروں کے ساتھ" اس معاملہ کے متعلق ملاقاتیں کیں۔ اور چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ چھپوائے گئے۔ اُردو میں بھی اور کشمیری زبان میں بھی۔ اور انہیں ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر مفت تقسیم کیا گیا۔"

کشمیر کمیٹی کے محترم صدر کا پروپیگنڈا حکومت کشمیر کا تختہ اُلٹنے کیلئے نہ تھا

لیکن اس لئے نہیں کہ "کشمیر کی موجودہ حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے۔" بلکہ اس لئے کہ جس اصول پر مہا سبھائیوں نے عمل نہیں کیا اسے عملی جامہ پہنایا جائے۔ تاکہ بیرونی دُنیا یہ نہ کہے۔ کہ ہندوستان ایسے لوگوں سے یکسر خالی ہے جو کہتے تو ہیں کہ "مصیبت زدہ خواہ ہندو ہو یا مسلمان۔ ہر ایک قوم پرست بلکہ ہر ایک فرد بشر کی ہمدردی اور امداد کا مستحق ہے" مگر وقت آنے پر اسے طاقِ نسیان کا گلدستہ بنا دیتے ہیں، بے شک حضرت اقدس نے پروپیگنڈا کیا۔ وکیل بھیجے۔ واعظ بھیجے۔ مگر اسی لئے کہ مہا سبھائی جس اصول کو عمل میں نہیں لا سکے۔ اسے عمل میں لایا جائے۔ تاکہ ہندوستانیوں کی لاج رہ جائے۔ اور آئندہ ان پر کوئی طعن نہ کر سکے،

چونکہ کشمیری مصیبت زدہ تھے، مظلوم اور آفت رسیدہ تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ ان پر توڑے گئے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جاتی، ظالموں کا ہاتھ روکا جاتا۔ اور مظلوم کو اس کا حق دلایا جاتا۔ پس اگر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر نے مظلوموں اور مصیبت زدوں کی دستگیری و اعانت کے لئے پروپیگنڈا کیا، واعظ بھیجے، وکیل بھیجے اور روپیہ بانٹا اور ٹریکٹس تقسیم کئے۔ تو انہوں نے یہ سب کچھ اس فرض کی ادائگی کے لئے کیا جسے مہا سبھائی پسِ پشت ڈال چکے تھے، اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر آل انڈیا کشمیر

کمیٹی کے معزز ممبر اور محترم صدر اس ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند نہ کرتے۔ تو وہ ایڈیٹر ملاپ کے اس فتویٰ کے نیچے ضرور آتے۔ کہ :-

"ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند نہ کرنا اپنے ضمیر کو اور اپنے آتما (روح) کو مردہ بنانا ہے" (ملاپ یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۵)

پس انہوں نے جو کچھ کیا۔ ٹھیک کیا اور اپنا فرض ادا کیا۔ اور اس معاملہ میں اُن کی جتنی بھی تعریف کی جائے تھوڑی ہے۔ ہاں اگر ان کا پروپیگنڈا کرنا۔ وکیل اور واعظ بھیجنا۔ ٹریکٹس تقسیم کرنا اور روپیہ بانٹنا اس نیت سے ہوتا۔ کہ اس سے "موجودہ حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے"۔ تو ایسی حالت میں واقعی ان پر الزام عائد ہو سکتا تھا۔ لیکن جب ان کی یہ نیت اور ارادہ ہی نہ تھا۔ تو پھر کس طرح ان کے کاموں پر حرف گیری کی جا سکتی ہے؟

کشمیر کمیٹی کے محترم صدر کی مداخلت بحالیٔ امن کیلئے تھی

ہم تو یہ بھی کہیں گے۔ کہ صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی اس معاملہ کو ہاتھ میں نہ لیتے، اگر وہ کشمیر میں واعظ نہ بھیجتے، وکیل نہ بھیجتے۔ پروپیگنڈا نہ کرتے۔ تو یہ یقینی امر ہے۔ کہ وہاں شورش اور بدامنی میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوتا۔ کیونکہ جس طرح قدم قدم پر وہاں کے مسلمانوں کو اشتعال دلایا جا رہا تھا۔ بات بات پر ان کے جذبات کو بھڑکایا جا رہا تھا۔ اگر ایسے وقت میں کشمیر کمیٹی اُنکی رہنمائی نہ کرتی۔ تو نتائج اتنے بھیانک اور خوفناک نکلنے تھے۔ کہ دنیا میں اس کی نظیر نہ ملتی۔ اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کی تصدیق انہی ٹریکٹوں سے ہو جاتی ہے۔ جو بقول ایڈیٹر ملاپ وہاں ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کئے گئے۔ ان ٹریکٹوں میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر نے اسی بات کی تلقین کی تھی۔ کہ اگر مسلمانانِ کشمیر اپنے حقوق لینا چاہتے ہیں۔ اگر موجودہ مصائب کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ تو

وہ جہاں اتحاد اور اتفاق سے کام لیں۔ وہاں کوئی ایسی راہ اختیار نہ کریں۔ جو امن اور آئین کے خلاف ہو۔ کیونکہ موجودہ حالات میں شورش اور بدامنی کامیابی کی بجائے ناکامی ہی کا باعث ہوگی ،،

اور ہمیں خوشی ہے۔ کہ اہالیانِ کشمیر نے آپ کے قیمتی مشوروں اور مفید نصیحتوں کو خضرِ راہ بنایا۔ اور باوجود اشتعال دلائے جانے کے انہوں نے بغاوت اور فساد میں حصہ نہیں لیا[1]

پس حضرت اقدس اور اُن کے رفقاء کار کی طرف سے کشمیر کے گاؤں گاؤں میں پروپیگنڈا بحالی امن کے لئے تھا۔ نہ کہ شورش اور فساد پیدا کرنے کے لئے ،،

اگر کہا جائے۔ کہ یہ پروپیگنڈا خواہ کسی نیت سے ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ بیرونی آدمیوں کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے۔ کہ وہ دوسروں کے معاملات میں دخل دیں، سو ہم اس اعتراض کا عقلی طور پر بھی جواب دے سکتے ہیں۔ مگر طوالت سے بچنے کے لئے فی الحال یہی کہنا کافی ہوگا۔ کہ جس طرح مہاسبھائیوں اور کانگرسیوں کو ملک کی باقی ریاستوں کے معاملات میں دخل دینے کا حق پہنچتا ہے۔ اسی طرح مسلمانانِ ہند کو بھی مسلمانانِ کشمیر کی وکالت وحمایت کا حق پہنچتا تھا۔ اور انہوں نے اسی حق کی بنا پر اس معاملہ کو ہاتھ میں لیا۔ اور خدا کی ۳۲ لاکھ بے زبان اور نیم جان مخلوق کی امداد اور دستگیری کی ،،

کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے۔ کہ یہ لوگ تو اپنے لئے ہر ایک بات جائز سمجھ لیں۔ لیکن اگر کوئی دوسرا بھی اسی بات کو پسند کرے۔ تو یہ اس پر معترض ہوں؟ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ خود تو ریاستی معاملات میں دخل انداز ہوں۔ لیکن مسلمان ایسا کریں۔ تو وہ موردِ الزام ٹھہرائے جائیں؟ اگر یہ اعتراض اپنے اندر معقولیت رکھتا ہے تو کیا معترض ہمیں بتلائیں گے۔ کہ ان کے بھائی بندوں نے راجپوتانہ کی مختلف ریاستوں میں جا جا کر کیوں اودھم مچایا۔ وہاں کی رعایا کو آمادۂ فساد کیا۔ انہیں سول نافرمانی کی تلقین کی؟

---

[1] ہمارا خیال ہے کہ اگر میرپور، کوٹلی، راجوری وغیرہ میں بھی کشمیر کمیٹی کے واعظ اور ٹریکٹس پہنچ جاتے۔ تو ان علاقوں میں بھی کوئی ناگوار واقعہ ظہور میں نہ آتا۔ احمدی مہاجر

اگر کہیئے کہ وہاں کی رعایا بہت دکھی، مفلوک الحال اور ستم رسیدہ ہے۔ اس لئے مجبوراً برطانوی ہند کے ہندوؤں کو ان کی امداد کرنا پڑی۔ تو اگر یہ جواب درست ہے۔ تو یہی جواب مسلمانان ہند کی طرف سے بھی سمجھ لیجئے،

کشمیر کمیٹی کی خلت کی مدافعت و واجبیت خود ہندوؤں کے عمل سے ثابت ہے

یہی نہیں اور سنئے اور کان کھول کر سنئے ہم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اس اقدام کی واجبیت ہندو سبھائیوں ہی کے قلم اور طرز عمل سے ثابت کئے دیتے ہیں۔ ناظرین کو یاد ہوگا۔ کہ ۱۹۲۶ء میں شدھی سبھا دہلی اور دوسری سبھاؤں کی طرف سے تعزیرات بھوپال گورنمنٹ دفعہ ۲۹۳ کے خلاف بہت کچھ کہا سنا گیا تھا، اور برطانوی ہند کے ہندوؤں نے اسے منسوخ کروانے کے لئے مخالفانہ مظاہرے بھی کئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ چدانند سکرٹری آل انڈیا شدھی سبھا دہلی نے تو ایک کھلی چٹھی بھی نواب صاحب بھوپال کے نام شائع کی تھی۔ جس میں طرح طرح کی دھمکیاں دی گئی تھیں۔ پہلے ہم اس چٹھی کے اصل الفاظ نقل کرتے ہیں۔ بعد میں بتلائیں گے۔ کہ یہ لوگ اپنے لئے تو ہر ایک بات جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن جب دوسرے بھی اس پر عمل کریں۔ تو ان کی مخالفت کی جاتی ہے،

ہندوؤں کا ریاست بھوپال کے خلاف شور و غل

"ہم بھوپال سرکار کو اس کھلی چٹھی کے ذریعہ مشورہ دیتے ہیں۔ کہ وہ تعزیرات بھوپال سے دفعہ ۲۹۳ کو بہت جلد منسوخ قرار دے کر ہندوستان کے ۲۴ کروڑ ہندوؤں کو اطمینان دلائے کہ بھوپال سرکار اپنی ہندو رعایا کی مذہبی، سیاسی اور مجلسی حقوق کی حفاظت کرتی ہوئی ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریگی۔ جیسا کہ مسلم رعایا کے ساتھ کرتی ہے۔ . . . لیکن اگر بھوپال سرکار نے اپنے فرض منصبی سے

لاپرواہی دکھلائی۔ توچوبیس کروڑ ہندوؤں کو بھی ہم یہ کہہ دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کہ وہ اپنے مقدس ہندو دہرم کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہو جاویں اور وقت آنے پر جو ذرائع بھی مناسب سمجھے جاویں۔ ان کی تعمیل کے لئے عملی ثبوت دے کر اپنی خدمات سے مستفید فرماویں۔ اور اس متبرک کام کو کرنے کے لئے ہر طرح تیار ہو جاویں" (پرتاپ ۱۸ اپریل ۳۵ء ص ۵)

اس چٹھی کو پڑھ کر دہاسبھائی تبلائیں۔ کہ جس حالت میں تعزیرات بھوپال کی دفعہ ۲۹۳ کا بُرا یا بھلا اثر صرف بھوپال کے ہندوؤں پر ہی پڑتا تھا۔ تو ایسی حالت میں برطانوی ہند کے ہندوؤں کو اس کے منسوخ کرانے کے لئے بھوپال گورنمنٹ کو دہمکیاں دینے اور اس کے خلاف مورچہ بندی کا پروگرام بنانے کا کیا حق تھا؟ اگر کہیئے کہ اس دفعہ کی زد ہندو دہرم پر پڑتی تھی۔ اس لئے ضروری تھا۔ کہ ۲۴ کروڑ ہندو اس معاملہ میں دخل دیتے اور اگر یہ دفعہ منسوخ نہ ہوتی تو ریاست کے خلاف ہر ممکن طریق استعمال میں لاتے، تو کیا اگر تمہارا یہ جواب اپنے اندر کچھ وزن رکھتا ہے۔ تو یہی جواب مسلمانانِ ہند کی طرف سے نہیں سمجھا جاسکتا؟ اگر کہیئے کہ بھوپال کے خلاف تو ہندو اس لئے کمربستہ ہوئے تھے۔ کہ وہ مذہبی معاملہ تھا۔ لیکن چدانند کی چٹھی میں تو سیاسی حقوق کے متعلق بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ اور صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ "بھوپال سرکار اپنی ہندو رعایا کی مذہبی۔ سیاسی اور مجلسی حقوق کی حفاظت" کا وعدہ کرے۔ ورنہ ہندو دھاوا بول دینگے۔

جب ہندو سبھائی بھوپال کی ہندو رعایا کے مذہبی، سیاسی اور مجلسی حقوق کی "حفاظت" کے لئے مخالفانہ مظاہرے کر سکتے ہیں۔ ۲۴ کروڑ ہندوؤں کو اس کی مخالفت پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ تو کیا آل انڈیا کشمیر کمیٹی مسلمانان کشمیر کے مذہبی، سیاسی اور مجلسی حقوق کی حفاظت کے لئے آئینی طریق پر کوئی کارروائی عمل میں لانے کی مجاز نہ تھی؟ اگر کہئے نہیں، تو پھر ۲۴ کروڑ ہندو کیونکر بھوپال کے ہندوؤں کے مذہبی، سیاسی اور مجلسی

حقوق کی حفاظت کے لئے لنگر لنگوٹے کس کر تیار ہو گئے؟

حالانکہ بھوپال کے ہندؤں کے مذہبی، سیاسی اور مجلسی حقوق ویسے ہی محفوظ ہیں۔ جیسے وہاں کے مسلمانوں کے۔ مگر کشمیر میں تو حالات بالکل مختلف تھے۔ اور کشمیری صحیح معنوں میں اپنے مذہبی، سیاسی اور مجلسی حقوق سے محروم رکھے گئے تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ برطانوی ہند کے ۲۴ کروڑ ہندؤں کو تو بھوپال کے فرضی مظلوموں کی حمائت اور اعانت کا حق حاصل ہو۔ مگر ۷ کروڑ مسلمانوں کو کشمیر کے ۳۲ لاکھ حقیقی مظلوموں کی امداد و اعانت کا اختیار نہ ہو؟ پس یہ کہنا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور برطانوی ہند کے مسلمانوں کا کشمیر کے معاملات میں دخل دینا ناجائز تھا۔ کسی حالت میں بھی درست نہیں سمجھا جا سکتا،

ہم یہ سمجھنے سے یکسر قاصر ہیں۔ کہ مہا سبھائی ایک طرف تو یہ کہیں کہ:۔

"ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند نہ کرنا اپنے ضمیر کو اور اپنے آتما کو مُردہ بنانا ہے"

لیکن جب آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے محترم صدر اس پر عمل پیرا ہوں۔ تو پھر یہ کہہ کہہ کر انہیں مطعون کیا جائے۔ کہ دوسروں کے معاملات میں دخل دینا کسی طرح بھی جائز نہیں؛ کس قدر بیہودہ بات ہے۔ کہ اگر سماج مندر میں ایک پنڈت اپنے کسی ماتحت پر ستم ڈھا رہا ہو۔ اور ستم رسیدہ دوسروں کو مدد کے لئے پکارے۔ تو اس کی پکار سننے والے اس کو ظلم سے نجات دلانے کی بجائے خاموشی سے آگے گذر جائیں؟ کیا یہی ویدوں نے تعلیم دی ہے، کیا شاستروں کی یہی آگیا ہے، کیا رشیوں منیوں نے یہی اپدیش دیا تھا؟

کشمیر ایجی ٹیشن "قادیانی سازش کا نتیجہ" نہیں

باقی رہا یہ کہنا۔ کہ:۔

"قادیان کے خلیفہ جو خالص مذہبی آدمی بنتے ہیں۔ وہ بھی کشمیر کے مسلمانوں کے گلے سے طوق غلامی اتارنے کے لئے لنگر لنگوٹے کس لیتے ہیں۔ آج

سے برسوں پہلے کشمیر کے گاؤں گاؤں میں قادیانیوں نے اپنے واعظ بھیج دئے۔ جن کا کام مسلمانوں کو احمدی بنانے کے علاوہ یہ بھی تھا۔ کہ وہ حکومت کشمیر کے خلاف لوگوں کو بھڑکائیں اور بغاوت پر تیار کریں"

"قادیانی سازش کا نتیجہ ہے۔ کہ کشمیر کے امن پسند مسلمان اب شورش اور شرارت اور بغاوت کے شرارے بن چکے ہیں۔ اب کشمیری مسلمانوں کو وہ پہلے جیسا صلح جُو، میانہ رَو، اور حلیم الطبع انسان نہ سمجھو۔ بلکہ قادیانی روپیہ نے۔ قادیانی پروپیگنڈا نے اور قادیانی گدی کے خلیفہ کی حرص و آز نے ان کشمیری مسلمانوں کو مرنے مارنے پر تیار کر دیا ہے"۔ ۲ے

سو یہ بھی دہا بھائیوں کا کھلا کھلا افترا اور بہتان ہے۔ کیونکہ یہ بات ۱۰۰ فیصدی غلط اور بے بنیاد ہے۔ کہ حضرت اقدس یا آپ کے مریدوں نے کشمیر میں جا کر لوگوں کو شورش، شرارت اور بغاوت پر آمادہ کیا۔ اور ہم چیلنج کرتے ہیں۔ کہ ایڈیٹر ملاپ ہو یا اس کے حمائتی۔ اس باجیانہ الزام کی تائید میں ثبوت پیش کریں، مگر ہم دعویٰ سے کہتے ہیں۔ کہ اگر ان کے چھوٹے۔ ان کے بڑے۔ ان کے عامی۔ اور ان کے لیڈر مل کر بھی کوشش کریں، تو اس الزام کو صحیح ثابت نہیں کر سکتے۔ کہ کشمیریوں کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر یا ان کے پیروؤں نے ریاست کے خلاف بھڑکایا۔ اور انہیں شورش اور شرارت اور بغاوت کے شرارے بنا دیا جس طرح تین اور دو کا چھ ہونا ناممکن ہے۔ اسی طرح اس الزام کو صحیح ثابت کرنا بھی قطعی محال اور ناممکن ہے،

ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اس قسم کی افترا پردازیوں سے انکے مقاصد مشئومہ پورے نہ ہوں گے، دنیا میں شرافت اور دیانت داری بھی کوئی چیز ہے۔ کیا مذہبی آدمی اور قوم کے مصلح کہلوا کر اس قسم کے جھوٹ اور گند پر مُنہ مارنا زیبا ہے؟

ہم جانتے ہیں۔ کہ اس قسم کے کذب و افترا کا موجب صرف یہ ہے۔ کہ کسی طرح

بیرونی دنیا کو یہ باور کروا دیا جائے۔ کہ کشمیری تو ہر طرح پُر امن، مطمئن اور خوشحال ہیں۔ اور انہیں ریاست سے کسی قسم کی شکایت نہیں۔ مگر یہ قادیانی لوگ ہی تھے۔ جنہوں نے کشمیریوں کو شورش شرارت اور بغاوت پر آمادہ کیا"

حالانکہ اس قسم کی باتوں سے اصل حقیقت پر پردہ نہیں پڑ سکتا۔ یہ ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ اس بات کو دوہرائیں اور دنیا کو باور کرانے کی کوشش کریں۔ کہ کشمیر ایجی ٹیشن کسی حقیقت پر مبنی نہیں۔ بلکہ محض بیرونی انگیخت کا نتیجہ ہے۔ مگر سمجھدار طبقہ ان کے اس مزوّرانہ اور پاجیانہ پروپیگنڈا کا شکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فہمیدہ اور دُور رس طبقہ سمجھ چکا ہے۔ کہ گذشتہ دنوں کشمیر میں جس قسم کی بے چینی اور ایجی ٹیشن ظہور میں آئی۔ یہ قادیانی انگیخت کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ اس کا موجب وہ صد سالہ مظالم اور سختیاں ہیں۔ جو کشمیریوں پر توڑی گئیں۔

ہندو مہا سبھائی تو اس افترا کی تائید میں کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ مگر ہم اس کی تردید میں غیر جانبدار لوگوں کی گواہی دلائے دیتے ہیں۔ جو ان کے کذب و افترا کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیگی"

انگریزی کے مشہور اخبار سٹیٹسمین کے نامہ نگار خصوصی نے اس تحریک کا مطالعہ کرنے اور اس کے اسباب معلوم کرنے کے لئے اکتوبر ۱۹۳۱ء میں کشمیر کا سفر اختیار کیا۔ اور وہاں جا کر اور لوگوں سے مل کر اور حالات کا بچشم خود مطالعہ کر کے جو نتیجہ اخذ کیا۔ وہ اسی کے لفظوں میں سُنئے۔ اور اس کے بعد ان لوگوں کی ایمانی حالت پر آنسو بہائیے"

سٹیٹسمین کی گواہی کہ تحریک کشمیر بیرونی انگیخت کا نتیجہ نہیں"

سٹیٹسمین کا نمائندہ لکھتا ہے کہ:۔

"ہم برطانوی علاقہ میں سُنا کرتے تھے۔ کہ کشمیر کی موجودہ تحریک باہر کے اثر اور پروپیگنڈے کی وجہ سے ہے۔ یا یہ کہ اندرون کشمیر

کے صرف چند تعلیم یافتہ لوگ باہر کے لوگوں کے اکسانے سے بھڑک اٹھے ہیں۔ اور لوگوں کو ورغلا کر ریاست کے خلاف اُبھار رہے ہیں۔ لیکن جب میں یہاں آیا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ کشمیر کی تحریک اندرونی نقائص کا نتیجہ ہے جس سے لوگ بیزار ہو چکے ہیں۔ صرف پڑھے لکھے لوگ ہی اس میں شریک نہیں ہیں۔ بلکہ ہر کشمیری میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے حقوق طلب کرتا ہے۔ معمولی معمولی غریب آدمی بھی اب بہت بیباکی کے ساتھ نکتہ چینی کرتا ہُوا نظر آتا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس صورت حال کو عرصہ سے برداشت کر رہے تھے۔ لیکن اب وہ ایک منظم صورت میں آ چکے ہیں۔ یہ تحریک ایک عام و عالمگیر تحریک ہے۔ جس میں تمام مسلمان بلا لحاظ و مراتب شامل ہیں۔ ان کے پاس اخبار نہیں۔ بولنے والے بھی معمولی اور تھوڑے ہیں۔ لیکن ان میں اس قدر زبردست بیداری پیدا ہو گئی ہے۔ کہ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ مصائب و شکایات نے انہیں خواب گراں سے چونکا دیا ہے۔ مہاراجہ (صاحب بہادر) کی ذات سے لوگوں کو اتنی پرخاش نہیں ہے۔ جس قدر ریاست کے عمال، وزیر اور دیگر حکام و افسران کی بدعنوانیوں۔ بدنظمیوں۔ غفلت شعاریوں اور نظام مملکت کے نقائص سے ہے" (بحوالہ سٹیٹسمین از الامان دہلی ۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۱ء)

پھر گلگلنہ کے اسی اخبار نے مہاراجہ بیکانیر کے جواب میں لکھا تھا۔ کہ

"مہاراجہ صاحب (بیکانیر) جو ابھی ابھی انگلستان سے آئے ہیں۔ کشمیر کے مسئلہ پر لندن میں والیانِ ریاست نے جو اثر قبول کیا ہے۔ اس کے ناظر تو ہو سکتے ہیں۔ مگر خود کاشمیر کے واقعات اور سانحات حاضرہ کے ہرگز شاہد و ناظر نہیں ہیں لہٰذا ان کا بیان قابل اعتنا نہیں ہے۔ بلکہ ان کا

یہ کہنا کہ کاشمیر کا قضیہ بیرونی مداخلت کا نتیجہ ہے۔ **صحیح نہیں ہے۔** کیونکہ کشمیر کا ایجی ٹیشن بیرونی امداد کے بل پر نہیں۔ بلکہ خود اپنے اسباب و حالات کی بنا پر عرصہ سے جاری ہے"۔ (بحوالہ سٹیٹسمین از انقلاب ۱۶ دسمبر ۳۱ء)

یہی نہیں اور بھی اسی قسم کی غیر جانبدار شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر چونکہ یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ ان کو نقل کیا جائے۔ اس لئے محولہ بالا دو شہادتوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ اور رہا بھائیوں کی کذب بیانیوں کی تردید میں تو یہ بھی کافی اور وافی ہیں اسلئے ان پر مزید شہادتوں کا اضافہ کچھ ضروری نہیں۔ اور انہی سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کی مخالفت میں جھوٹ اور افترا سے بھی پرہیز نہیں

کشمیری ایجی ٹیشن ہندوؤں کی اکساہٹ کا نتیجہ ہے

ہم تو یہی سمجھتے ہیں۔ کہ یہ ایجی ٹیشن حالات کا طبعی اور قدرتی تقاضہ تھا۔ لیکن اگر فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ یہ تحریک بیرونی انگیخت کا نتیجہ ہے۔ تو پھر یہ قادیانی انگیخت کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ اس کا موجب اور باعث خود ہندو ہی ہیں۔ اور یہ انہی کی انگیخت، اکساہٹ اور تحریک کا نتیجہ ہے۔ کہ مسلمانان کشمیر صورت حال بدلنے کے لئے دیوانہ وار میدان عمل میں اتر آئے۔ پس اگر مسلمانان کشمیر کی اس طبعی اور قدرتی ایجی ٹیشن کو شورش، شرارت اور بغاوت کہنا جائز ہے۔ تو پھر اس شورش، شرارت اور بغاوت کا باعث ہندو ہیں۔ اور ہندو بھی وہ ہندو جو آج ریاستی مسلمانوں کو شریر، باغی اور سازشی بتلاتے ہیں۔ ناظرین ہمارے جواب سے چونکیں نہیں۔ خدا کے فضل سے ہم اس کو انہی کی تحریروں سے ثابت کئے دیتے ہیں۔ کہ جو لوگ آج کشمیر کے بیگناہ لوگوں کو سازشی اور باغی بتلاتے ہیں۔ ایک وقت تھا۔ کہ یہی انہیں شورش اور ایجی ٹیشن کیلئے آمادہ کیا کرتے تھے، اور یہ انہی کی اکساہٹ کا نتیجہ ہے۔ کہ ملک کے چاروں طرف اصلاح حال کا مطالبہ ہونا شروع ہو گیا۔ اور مسلمان متحد اور منظم ہو کر اس مقصد کے حصول کے لئے

کمر بستہ ہو گئے۔

ہندوؤں کے انقلاب انگیز مضامین و تقریریں

ہندو مہا سبھائیوں اور کانگرسی خیال کے ہندوؤں نے جس طریق اور جن لفظوں میں رعایائے ریاست میں بے چینی پیدا کی۔ اور جس رنگ میں انہیں ایجی ٹیشن پر آمادہ کیا۔ وہ مندرجہ ذیل چند اقتباسات سے ظاہر ہو جائے گا۔ پہلا اقتباس ہندو اخبار مستانہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے اخباروں کے اقتباس بھی درج کریں گے، مذکورہ بالا اخبار کا نامہ نگار زیر عنوان "ہمارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں" لکھتا ہے۔ کہ:۔

ہندو اخبار "مستانہ" کا مضمون

"اس رعایا کی حالت کبھی درست نہیں ہو سکتی جو اپنے پاؤں خود کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھتی ہو۔ دوسروں کے سہارے کھڑا ہونیوالا ضرور گرے گا جب سہارا ٹوٹا وہ لڑکھڑا کر گرے گا۔ مگر ہماری حالت دوسروں کے سہارے پر کھڑے ہونیوالوں سے بھی ابتر ہے۔ نہ ہمیں سہارا (حاصل) ہے۔ اور نہ ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا حکم ہے۔ گورنمنٹ جموں و کشمیر کا ایک سخت قانون ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے نہیں دیتا۔ اور نہ ہی ہمیں وہ خود سہارا دیتی ہے۔ پھر ہم کس بل بوتے پر کھڑے ہو سکتے ہیں اگر سچ پوچھو تو ہم زندہ رہنے کے قابل ہی نہیں ہیں۔ گورنمنٹ جموں و کشمیر کا حکم ہے۔ کہ کوئی جلسہ بغیر منظوری ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نہیں کیا جا سکتا دوسرے کوئی سبھا، سوسائٹی بغیر منظوری مہاراجہ بہادر قائم نہیں ہو سکتی رعایا کا دکھڑا سننے کے لئے ریاست کا کوئی عہدہ دار (تیار) نہیں ہے۔ رشوت کی گرم بازاری نے غربا کا دم ناک میں بند کر رکھا ہے۔ بغیر رشوت

کوئی بات نہیں سن سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ انصاف کی سبز پری کو رشوت کے قوی ہیکل دیو نے خرید رکھا ہے . . . . اب سب کچھ سستا ہے۔ مگر قیمتیں اور مزدوریاں وہی ہیں

حکام بالا کو توجہ دلائی گئی۔ مگر ان کے دل میں رعایا اور غریبوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ اس لئے انہوں نے رعایا کے واویلا کی کوئی پرواہ نہ کی۔ رعایا بے بس ہے۔ نہ تو وہ کوئی جبریہ ریاست کے قانون کے مطابق کوئی جلسہ کر سکتے ہیں نہ کوئی جلوس نکال سکتے ہیں۔ نہ ہی وہ تبادلہ خیالات کر کے اپنی بہتری کی سبیل نکال سکتے ہیں۔ **رعایا کو اب اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھنا چاہیئے۔ موجودہ حالات سے جیل کو ترجیح دینا بہتر ہے۔**" (اخبار مستانہ لدھیانہ ۱۵ ستمبر ۳۱ء صلا)

جس رنگ میں رعایائے ریاست کو جیلیں بھر دینے کا مشورہ دیا ہے۔ اور اسے ایجی ٹیشن پر آمادہ کیا ہے۔ وہ تو آپ نے سن لیا۔ اب خود اخبار ملاپ ہی کے نامہ نگار کا بیان بھی سن لیں۔ وہ کس طرح آنے والے انقلاب کی پیشگوئی کرتا اور رعایائے ریاست کو اس کام کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ لکھتا ہے۔ کہ :-

اخبار ملاپ کی انقلابی پیشگوئی

" اکوٹنٹ جنرل پنڈت گوپی ناتھ جی بوجہ کمی سماعت در پردہ سب کانٹ چھانٹ کر کے بجٹ شیشے کی طرح صاف بنا دیا کرتے ہیں۔ کونسل چیمبر لیجئے ممبران وغیرہ وہی رقوم پڑھ کر ان کا اعادہ کر دیتے ہیں۔ بجٹ تو تب ہو جب پبلک کا بھی کچھ ہاتھ ہو اور اخراجات اور تخفیف میں کچھ ان کی آواز ہو۔ **لیکن آخر یہ سب کچھ کب تک؟ زمانہ کے تیور بدل رہے ہیں۔ ریاست کے منتظمین کو نوٹ**

کر لینا چاہیئے۔ کہ تبدیل شدہ ہوا کے جھونکے ان تک بھی آئیں گے۔ اور جو کچھ دور دراز (برطانوی ہند میں) اس وقت ہو رہا ہے۔ جموں و کشمیر میں بھی ہو گا۔ نادر شاہی لوٹ ہمیشہ نہیں چلا کرتی"

(بحوالہ اخبار ملاپ لاہور از اتحاد الاسلام امرتسر ۱۲ مارچ ۲۴ء ص۳)

ریاستی پرجا منڈل میں کشمیریوں کو ایجی ٹیشن کے لئے اکسایا گیا

اب ہم ریاستی پرجا منڈل کے اس جلسہ کا کچھ حال سناتے ہیں جو دسمبر ۱۹۲۹ء میں مسٹر چیڈکر کی زیر صدارت لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ اور جس میں پنڈتان کشمیر کے موجودہ لیڈر پنڈت دیش بندھو نے بھی نمایاں حصہ لیا تھا۔ اور تقریر بھی کی تھی۔ اخبار سیاست کا نامہ نگار اس منڈل کے حالات لکھتا ہوا رقمطراز ہے کہ :-

"آج ۱۲ بجے کے قریب رعایائے ریاستہائے ہند (ریاستی پرجا منڈل) کی کانفرنس بریڈلا ہال میں منعقد ہوئی۔ ہال میں ایک بورڈ آویزاں تھا جس پر لکھا تھا "ہندوستانی والیان ریاست کو تباہ کردو" اجلاس میں سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون بھی شریک ہوئے۔ مولینا ذوالفقار علی صاحب نسیم مدیر روزنامہ سیاست بھی رونق افروز تھے۔ پنڈت کشیپ بندھو آف کشمیر، خواجہ غلام محمد صاحب لون، اور خواجہ اللہ بخش گنائی وغیرہم شامل جلسہ تھے۔ چار سو ڈیلیگیٹوں نے شمولیت کی۔ نیز مسٹر منی لال کوٹھاری۔ سردار سردول سنگھ کویشر۔ سردار منگل سنگھ سیناپتی نیشنل کانگرس باوردی موجود تھے ایک اور بورڈ پر لکھا تھا "ہم ریاستوں میں ذمہ وار حکومت چاہتے ہیں"

اجلاس مسٹر چیڈ کر کی زیر صدارت شروع ہوا۔ اور سردار جسونت سنگھ صاحب وائس پریذیڈنٹ نے اپنا ایڈریس پڑھ کر سنایا جس کا ترجمہ پنجابی میں پڑھ کر سنا دیا گیا۔ اس کے بعد صاحب صدر کا شکریہ ادا کیا گیا۔"

کشمیری پنڈتوں کے لیڈر کشیپ بندھو کی تقریر

"مسٹر کشیپ بندھو نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ دنیا کی تمام تحریکیں شروع میں بہت معمولی ہوا کرتی ہیں۔ مگر ان کا انجام نہایت شاندار ہوتا ہے۔ دنیا کے انقلابات اس بات کے مظہر ہیں۔ ہماری کانفرنس میں اس وقت چھ سات سو آدمیوں نے شرکت کی ہے۔ لیکن یاد رکھیئے۔ کہ یہی کانفرنس ریاستی رعایا کی آزادی کا باعث ہوگی۔" (سیاست لاہور ۲۹ر دسمبر ۲۹ء)

مسٹر چیڈ کر کی تقریر

پھر اسی کانفرنس کے ہندو صدر مسٹر چیڈ کر نے مسلمانان کشمیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کہ

"ہماری کوششیں کسی خاص ریاست کے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ ہندوستان کی ۵۶۳ ریاستوں کا یہی حال ہے۔ جو آپ صاحبان نے کشمیر کے متعلق بیان کیا ہے اب تک ہماری توجہ جنوبی ہند اور ساحلی ریاستوں کی طرف رہی ہے۔ مگر اب ہم نے شمالی ہند اور یوپی اور جموں و کشمیر کو بھی اپنے حلقہ میں لے لیا ہے جن طریقوں سے والیانِ ریاست کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اور رعایائے ریاست میں بیداری کا کچھ احساس پیدا ہو سکتا ہے ان میں سے چند آپ صاحبان کی خدمت میں پیش کرتا ہوں

(۱) پبلسٹی یا پروپیگنڈا ورک یعنی نشر و اشاعت کا کام جو نہایت مستند و صحیح واقعات پر مبنی ہے۔ اور جس کو ہم بوقت ضرورت شمار و اعداد سے ثابت کر سکیں۔ اشاعتی کام مقصد کی کامیابی کے لئے ایک

چلتا ہوا جادو ہے۔ اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے۔ کہ ہم نے جام صاحب جام نگر کی ریاست کی بدنظمیوں کے حالات ایک پمفلٹ کی صورت میں پیش کئے۔ یہ پمفلٹ ہندوستان کے علاوہ آئرلینڈ۔ انگلستان۔ جرمن۔ فرانس اور امریکہ میں تقسیم کیا گیا۔ جام صاحب اس سال ولایت گئے۔ تو انہیں یہ جرأت نہ ہوئی۔ کہ وہ لنڈن میں کسی معقول انگریز کو مُنہ دکھا سکیں۔ وہ سیدھے آئرلینڈ میں اپنے محل میں چلے گئے۔ اور پھر اس وقت باہر نکلے۔ جب ہندوستان کو روانہ ہونا تھا۔ اس لئے ہمیں چاہیئے۔ کہ ہم اپنی توجہ اور تمام طاقت نشر و اشاعت کے لئے وقف کر دیں۔ یہی وہ حربہ ہے۔ جو آج کل ہر جگہ استعمال کیا جا رہا ہے اور اس حربہ سے پبلک رائے مضبوط کی جا سکتی ہے۔

(۲) والیانِ ریاست خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اپنی ریاستوں کو ذاتی ملکیت سمجھ رہے ہیں۔ اور اپنی غریب رعایا کے گاڑھے پسینہ کی کمائی کو بلا شرکت غیرے اپنی اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہتے ہیں۔ خرچ کر دیتے ہیں۔ اور کوئی ان کو پوچھنے اور روکنے والا نہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ریاستوں میں ایسی فضا پیدا کریں۔ جس سے ان کی عیاشیاں اور فضول خرچیاں رُک سکیں۔ اور وہ اپنی رعایا کے سامنے رعایا کے روپے کے جوابدہ ہوں" اس کے بعد کشمیری پنڈت

مسٹر پی این کول کی تقریر

"مسٹر پی این کول صاحب بیرسٹر ایٹ لاء نے کہا۔ کہ پروپیگنڈا ریاستوں کے باہر مفید نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ریاستوں کے اندر احساس خودداری و بیداری کے شعلے بھڑکانے چاہئیں"

"مسٹر جیڈ گر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ بے شک صحیح ہے۔ لیکن باہر کا پروپیگنڈا بھی بڑا کارگر ہو سکتا ہے"
(اخبار سیاست ۵ر جنوری ۱۹۳۲ء صک)

پنڈت گواشہ لال بی اے (جموں) کا انقلابی مضمون

اب ہم ایک ایسے شخص کا مضمون درج ذیل کرتے ہیں۔ جو گذشتہ دنوں مسلمانان ریاست کو سازشی۔ شریر اور باغی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی تک کا زور لگا رہا تھا۔ اور جس کی تصنیف کردہ سازشی کہانیوں کو ہندو اخباروں نے بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا۔ ہاں یہی کشمیری پنڈت جس کا نام گواشہ لال (بی اے) ہے۔ اپنے مندرجہ ذیل مضمون میں رعایائے کشمیر کو انقلاب بپا کرنے کی بڑے جوشیلے لفظوں میں تحریک کرتا نظر آتا ہے، اگر ناظرین اسے پڑھیں گے۔ تو انہیں دو اور دو کی طرح یقین ہو جائے گا۔ کہ ریاستی رعایا میں ہیجان، شورش، بدامنی اور ایجی ٹیشن پیدا کرنے کے بانی مبانی یہی لوگ تھے۔ جو آج مسلمانوں کو بدنام کر رہے ہیں نہ کہ حضرت امام جماعت احمدیہ یا ان کے امن پسند مرید۔

مہاراجہ پرتاب سنگھ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:-

"مہاراجہ صاحب اب عمر رسیدہ ہو گئے ہیں۔ اور تعجب نہیں کہ تقاضائے عمر اب وہ اتنی بڑی ریاست کے نظم و نسق کو سنبھال سکیں۔ اور حکومت کی ذمہ داری سے دست بردار ہو جائیں۔ کونسل کے قائم ہونے سے مہاراجہ صاحب کے اختیارات بالکل کم ہو گئے ہیں۔ کونسل پانچ ارکین پر مشتمل ہے۔ جن میں سے چار غیر ملکی اور مختلف اقوام کے ہیں۔ انہیں ملکیوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ یہ اور ان کے مددگار بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں۔ جن سے ریاست کا خزانہ خالی ہو رہا ہے۔ انہوں نے

کیا اصلاحات کیں اور کیا ریاست کو ترقی دی؟ اس کا علم دیوان کونسل کی چار دیواری سے باہر شاید ہی کسی کو ہو۔ جن لوگوں کی خون پسینہ کی کمائی پر موجیں اڑائی جارہی ہیں۔ ان بدنصیبوں کا کیا حال ہے۔ وہ بھوکوں مر رہے ہیں۔ ضعف و ناتوانی سے ان کے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ اور وہ دن قریب آرہا ہے۔ جب ان کا بسیرا قبروں میں ہوگا۔ دوسرے خواندہ اور بے علم لوگوں کے ٹڈی دل کو علیحدہ رہنے دیجئے یہی گریجوایٹ۔ انڈر گریجوایٹ اور انٹرنس پاس اپنی قوم کے لئے بار گراں ثابت ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے بھائی بند پہاڑ کی دوسری طرف (برطانوی علاقہ میں) بڑی بڑی قربانیاں عام آزادی کیواسطے کر رہے ہیں۔ لیکن یہ غریب یہاں کے سخت قوانین کی وجہ سے جنھوں نے ان کا خون خشک کر رکھا ہے۔ لب کشائی تک نہیں کر سکتے۔

. . . . اس کا الزام افسروں پر نہیں۔ بلکہ خود ملک بالخصوص تعلیم یافتہ جماعت اس کی مورد ہے۔ موجودہ زمانہ کی جمہوریت کے نزدیک نیابت بغیر ایجی ٹیشن کے ہو ہی نہیں سکتی جب تک آئینی جدوجہد نہ کی جائے گی۔ ان خرابیوں کا انسداد نہیں ہو سکے گا۔ وہ (آفیسر) جانتے ہیں۔ کہ انسان نما بھیڑوں سے جیسے کہ ہم اہل کشمیر ہیں۔ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ جب کوئی درخواست بغرض ملازمت دی جاتی ہے۔ تو اس پر داخل دفتر لکھ کر اس کو ایسا گم کیا جاتا ہے۔ کہ یاد دہانی پر یاد دہانی کرنے سے بھی اس کا سراغ نہیں ملتا۔ میں تعلیم یافتہ حضرات سے اپیل کرتا ہوں۔ کہ وہ ایک انجمن بنائیں۔ اور اس کے ذریعہ سے اپنی روٹی کے

سوال کو صلح و امن و جائز اور باعزت طریق سے حل کریں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی کریں۔ یورپ کی طرف دیکھئے۔ وہ تعلیم یافتہ جماعت ہی تھی جو حکومتوں کے طریق کار میں تبدیلی کرکے ان کو موجودہ راستہ پر لے آئی ہے۔ چین کو دیکھ لیں۔ یہاں بھی طلبا ہی اپنے ملکی حقوق کے واسطے لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ دور نہ جائیے اپنے ہندوستان ہی کو دیکھیں۔ یہاں بھی تعلیم یافتہ ہیں۔ جو اس کو صدیاں آگے کھینچ لے آئے ہیں۔ تمام دنیا بقائے زندگی کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ جو سب سے زبردست ہوگا۔ وہی زندہ رہے گا۔ اور جو سب سے کمزور ہوگا۔ اس کا نام صفحۂ دنیا سے مٹ جائیگا۔

جو مادر وطن کی قربانگاہ میں بھینٹ چڑھنے کیلئے تیار ہیں۔ شہادت اور بقائے دوام کا تاج انہی کے سر پر رکھا جائے گا۔ پس کمر ہمت باندھ کر میدان میں نکل آئیے۔ پھر دیکھئے خدا کیا کرتا ہے بقول شخصے

؎ اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے
تُو دیکھ خدا کیا کرتا ہے ؎"

اگر تحریک کشمیر کے متعلق یہ کہنا درست ہے۔ کہ وہ بیرونی تحریک کا نتیجہ ہے۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ اس کے بانی مبانی یہی لوگ تھے۔ جو اس قسم کے ولولہ انگیز اور جوشیلے مضامین لکھ لکھ کر وہاں کے مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پیدا کرتے رہے۔ جو یورپ، چین اور ہندوستان کی انقلابی تحریکوں کی مثالیں دے دے کر انہیں اکساتے رہے۔ ہاں یہی لوگ ہیں۔ جو جیلیں بھر دینے کی تلقین کرتے رہے۔ یہی ہیں جو

؎ اخبار کشمیری لاہور ۱۴ اگست سنہ ۲۵ء صہ ۹-۱۰

ریاستی پرجا منڈل میں کھڑے ہو کر انقلاب کی امیدیں دلاتے رہے۔ اور جو ریاست کے اندر ہی "احساس خودداری و بیداری کے شعلے بھڑکانے" پر زور دیتے رہے، نہ کہ حضرت امام جماعت احمدیہ قادیان یا اُن کے خادم؟

پس اگر کشمیر ایجی ٹیشن کی ذمہ واری عائد ہوتی ہے۔ تو صرف انہی لوگوں پر جو آج بغیر کسی ثبوت اور بُرہان کے دوسروں کو مورد الزام بنا رہے ہیں،

کیا حضرت امام جماعت احمدیہ قادیان کی غرض تختِ کشمیر پر قبضہ کرنا تھی؟

ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ یہ لوگ دوسروں کو بدنام کرنے میں کیا فائدہ سمجھتے ہیں، کیا دوسروں پر بہتان باندھتے وقت ان کی ضمیر انہیں ملامت نہیں کرتی؟ ان کا کانشنس انہیں دھتکار نہیں بتلاتا؟ آخر یہ لوگ مذہبی آدمی کہلا کر بھی کیوں اس قسم کی افتراپردازیوں سے کام لیتے ہیں؟ تعجب ہے کہ یہ لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہوئے بھی کہ حضرت امام جماعت احمدیہ قادیان کی زندگی امن اور صلحکاری کا وعظ کرتے ہی گذری۔ ملک میں اتفاق و اتحاد قائم کرنے کا پرچار کرتے ہی گذری، ہر قسم کے فتنوں، بغاوتوں اور شورشوں کی مذمت کرتے ہی گذری، مگر یہ لوگ ایسے بے ضرر اور بے شر اور صلح جُو وجود پر بھی سازش، شرارت اور شورش کا الزام لگائے بغیر نہیں رہتے؟ کس قدر عجیب بات ہے۔ کہ جو لوگ بم بازوں کی حمائت کریں، جو لوگ پسٹل چلانے والوں کی حمائت کریں، جو لوگ سول نافرمانی کرنے والوں کی حمائت کریں، جو لوگ قانون توڑنے اور امن برباد کرنے والوں کی حمائت کریں، انہیں قومی شہید اور ملک کے سچے خادم بتلائیں۔ وہ لوگ آج ایک ایسی ہستی پر سازش، شرارت اور شورش کا الزام لگاتے ہیں۔ جس کی زندگی کا مقصد ہی یہ ہے۔ کہ جس طرح بھی ہو۔ دنیا میں امن اور صلحکاری کا ہی دور دورہ ہو؟

کیا یہ بات وہم و خیال میں بھی لائی جا سکتی ہے۔ کہ جو بزرگ انسان اپنے پرائے

سبھی کو ایک دوسرے سے محبت و الفت کرنے کا سبق دے، جو بزرگ انسان ایکدوسرے کے حقوق کی نگہداشت کی تلقین کرے، جو بزرگ انسان ایک دوسرے کے حق پر ہنتھا صاف کرنے کی پُر زور مذمت کرے، آج اس کے متعلق یہ کہنے کی بے باکانہ جرأت کی جائے۔ کہ اس کا منشا کشمیر میں شورش پھیلانے سے یہی ہے۔ کہ مہاراجہ صاحب بہادر کو تخت سے ہٹا کر خود ملک پر قبضہ کرے۔ جیسا کہ مندرجہ اقتباس سے عیاں ہے :۔

"سچ تو یہ ہے کہ مرزا قادیانی کا یہ تمام ایجی ٹیشن ریاست کشمیر کا تختہ اُلٹنے کے لئے تھا۔ اور اس تمام جد و جہد کا مقصد صرف یہ تھا۔ کہ ریاست کشمیر پر مرزا قادیانی قابض ہوں" (اخبار ہندوستان لاہور ۲۵ ردسمبر ۳۱ء ص ۷)

اگر مہاسبھائی اسی قسم کی افتراء پردازیوں اور کذب بیانیوں کا نام "سچ" رکھتے ہیں۔ تو پھر جھوٹ اور دروغگوئی کا دنیا میں وجود ہی نہ ملے گا،

اب ہر ایک سمجھدار انسان غور کر سکتا ہے۔ کہ جن لوگوں کے نزدیک اس قسم کی بہتان بندیاں بھی "سچ" ہی کی مترادف ہوں۔ وہ دوسروں کو بدنام کرنے کیلئے کیا کچھ نہ کر گذرینگے؟

حضرت اقدس مہاراج کو تخت سے محروم کرنا نہیں چاہتے تھے

ان کذب و افتراء کے پتلوں کو اتنا تو خیال کرنا چاہیئے تھا۔ کہ آخر ان باتوں کا تمہارے پاس کوئی ثبوت بھی ہے؟ اگر ہے تو وہ پیش کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر کوئی ثبوت نہیں اور یقیناً یقیناً کوئی ثبوت نہیں۔ کہ حضرت اقدس مہاراجہ صاحب بہادر کو تخت حکومت سے معزول کر کے خود قبضہ جمانا چاہتے ہیں۔ تو پھر اس طور کی کذب بیانیوں سے کیا حاصل؟ کیا اس قسم کی مفتریانہ تحریریں اس لئے شائع کی جاتی ہیں۔ کہ دنیا میں مصیبت زدوں کی اعانت و ہمدردی کرنے کی کوئی شخص جرأت نہ کرے؟ اگر یہی بات ہے۔ تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ خدا تعالیٰ نے جن لوگوں کے اندر رحم اور ہمدردی کے پاکیزہ جذبات پیدا کئے ہیں۔ وہ اس قسم کی دروغ بافیوں اور افتراء پردازیوں

سے گھبرا کر اپنے مشن سے ہاتھ نہیں کھینچ لیا کرتے،

چونکہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ قطعی غلط اور بے بنیاد اور محض بہتان ہے جس کو کوئی بھی سلیم العقل انسان تسلیم نہیں کرسکتا۔ اس لئے ہم اسکے متعلق کچھ مزید لکھنا تحصیل حاصل سمجھتے ہیں۔

اس افتراء کی تردید "ملاپ" بھی کرتا ہے

مگر ہاں یہ ضروری ہے۔ کہ لگتے ہاتھ اس بے بنیاد الزام کی تردید میں "ملاپ" کے چند الفاظ نقل کر دیں۔ جو انشاء اللہ ان کی افتراء پردازی کا مسکت جواب ہوں گے۔ ایڈیٹر ملاپ نے حضرت اقدس کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ:۔

"آپ کو وزیر بننے یا کوئی عہدہ حاصل کرنے کی تو خواہش ہے ہی نہیں کیونکہ آپ ایک مذہبی جماعت کے پیشوا ہیں" (ملاپ ۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱)

ہندو بیشک مہاراج کو تخت سے محروم دیکھنا چاہتے تھے

اس کے بعد ہم چند لفظوں میں یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں۔ کہ جو لوگ آج یہ کہتے نہیں شرماتے۔ کہ حضرت اقدس مہاراجہ صاحب بہادر کو تختِ حکومت سے معزول کروانا چاہتے ہیں۔ ایک وقت تھا۔ کہ خود انہی میں سے بعض اس قسم کی خواہش رکھتے تھے، نہ صرف ان کے دلوں میں ہی اس قسم کی خواہشات پرورش پایا کرتی تھیں۔ بلکہ ان کی طرف سے ہندو اخبارول میں مہاراج کے خلاف نہایت گندے، دلآزار اور توہین آمیز مضامین بھی شائع ہوا کرتے تھے۔ جن میں آپ کی تخت نشینی کی بھی مخالفت کی جایا کرتی تھی اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو کہا جاتا تھا۔ کہ وہ اپنا جانشین ان کو نہیں بلکہ اپنے دوسرے متبنّیٰ کو بنائیں۔

لیکن چونکہ اس قسم کی خرافات کے نقل کرنے سے مہاراجہ صاحب کے عقیدتمندوں کو ملال ہوگا۔ اس لئے ہم ان کی نقل سے اجتناب کرتے ہوئے مثال کے طور پر صرف ایک اقتباس پر ہی اکتفا کریں گے۔

"ریاست دہلی نے ۱۰ر جنوری کی اشاعت میں اپنے افتتاحیہ میں سر راجہ ہری سنگھ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ ولیعہد قرار دئے جانے اور آئندہ حکمران ہونے کے اہل اور حقدار نہیں ہیں۔ اور آخر میں ہز ہائینس پرتاب سنگھ کو مشورہ دیا ہے۔ کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت اور ریاست کشمیر کو تباہی سے بچانے کے لئے انتہائی کوشش صرف کر دیں۔ اور گورنمنٹ ہند پر زور ڈالیں۔ کہ راجہ ہری سنگھ ولیعہدی سے مستعفی ہو جائیں۔ اور ان کی جگہ مہاراجہ صاحب کے متبنّیٰ راجکمار جگت دیو سنگھ کو ولیعہد مقرر کیا جائے"[1]

اسی طرح اخبار بندے ماترم وغیرہ کئی ہندو اخباروں میں آپ کے خلاف انتہائی یاوہ گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا گیا تھا۔ کہ آپ کو وارثِ تخت نہ بنایا جائے۔

مسلمانانِ ریاست اور اسلامی پریس موجودہ مہاراج ہی کو تخت پر متمکن دیکھنا چاہتے تھے

مگر اس کے برخلاف ریاست کے مسلمانوں اور برطانوی ہند کے مسلمان اخباروں نے موجودہ مہاراج کا پارٹ لیا تھا۔ اور اس وقت کے مہاراجہ پر زور دیا تھا۔ کہ وہ مہاراجہ سر ہری سنگھ ہی کو وارث تخت بنائیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہے۔

پہلا اقتباس انجمن اسلامیہ جموں کے اس رزولیوشن کا ہے۔ جو ہندو اخباروں کے جواب میں پاس کر کے مہاراجہ پرتاب سنگھ کو بھیجا گیا۔ اور دوسرا اقتباس زمیندار اخبار کا ہے

"بالاتفاق تجویز ہوا۔ کہ اخبار بندے ماترم مورخہ ۵ر جولائی ۱۹۲۵ء میں آقائے نعمت سرکار حضور راجہ سر ہری سنگھ صاحب بہادر کی ذات شاہانہ کے متعلق ایڈیٹوریل حصہ میں جو رائے زنی کی گئی ہے۔ وہ لاکھوں مسلم رعایائے ریاست کے لئے انتہا درجہ کی جگر خراش و زہرہ گداز ہے۔ ایسے سفیہانہ انداز میں

[1] کشمیری لاہور ۱۴ر جنوری ۱۹۲۵ء صلا)

عبارت آرائی کی گئی ہے جو سراسر وتمام وکمال قابل نفرت ہے بمرجھنو
تدبر۔ قابلیت۔ ہمدردی وغمگساری رعایا و معدلت گستری جملہ اوصاف
شاہانہ سے بہمہ وجوہ کامل طور پر متصف ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ بتدے ماترم نے ولیعہدی
کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ طومار خرافات و ہزلیات ہے۔ اس کی تشریح
کرنا دلوں کو زخمی و مجروح کرنا ہے" الخ (اخبار کشمیری ۷ فروری ۱۹۲۵ء ص۹)

اسی طرح اخبار زمیندار میں بھی اس کے ایڈیٹر مولینا ظفر نے ٹڈلینڈ بنک کے ناگوار واقعہ
کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ :-

"مہاراجہ صاحب کشمیر کو بھی چاہیئے۔ کہ وہ اپنے مظلوم بھتیجے سے انتہائی
ہمدردی کریں۔ اور انہیں ولیعہدی سے محروم کرنے کی کوشش ہرگز
نہ فرمائیں۔ ہم نے سنا ہے۔ کہ راجہ سر ہری سنگھ میں انتظامی قابلیت بدرجہ
اتم موجود ہے۔ اور وہ اپنی مفوضہ خدمات کو شائستہ دانشمندی۔ روشن
خیالی اور بے تعصبی سے انجام دیتے ہیں۔ اگر یہ درست ہے۔ تو انہیں گدی
سے محروم کرنا ہرگز مناسب نہیں" الخ (زمیندار ۲ فروری ۱۹۲۵ء)

تلاش کرنے پر اور بھی اس قسم کی بہت سی تحریریں درج کی جا سکتی ہیں۔ مگر عدم
گنجائش کے باعث انہی پر اکتفار کیا جاتا ہے۔ اب ایک طرف ہندو اخباروں کا طرز عمل
ملاحظہ ہو اور دوسری طرف مسلمانان ریاست اور مسلمان اخباروں کا۔ معلوم ہو جائیگا
کہ مہاراجہ صاحب بہادر کو تخت حکومت سے محروم رکھنے کے خواہشمند ہندو تھے۔
یا مسلمان؟

حضرت اقدس کا برٹش حکام سے ملنا مہاراج کو نقصان پہنچانے کیلئے نہ تھا

اگر کہا جائے۔ کہ صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی
کی منشار مہاراجہ صاحب بہادر کو نقصان
پہنچانے کی نہ تھی۔ تو وہ برٹش آفیسروں کے

پاس کیوں گئے؟ مگر اس قسم کا اعتراض کرنے والوں کو اتنا تو سوچنا چاہیئے۔ کہ جو لوگ برٹش حکام کے پاس جاتے ہیں۔ وہ دوسروں کو نقصان ہی پہنچانے کے لئے جاتے ہیں؟ اگر ہاں میں جواب دیا جائے۔ تو پھر اس کا ثبوت معترضین کے ذمہ ہے، اور اگر نفی میں جواب دیا جائے تو پھر حضور پر اعتراض کیوں؟ لیکن ہم بتائے دیتے ہیں کہ حضرت اقدس وائسرائے ہند یا دوسرے ذمہ وار حکام سے ملاقی ہوئے۔ تو آپ کی غرض مہاراج کو تخت سے معزول کروانا نہ تھی۔ بلکہ یہ مقصد تھا۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کے کیس کو صحیح طریق پر اُن کے سامنے رکھیں۔ اور ان کی تکالیف، مصائب اور شکایات سے حکام کو واقف کریں اور اصلاح حال کے لئے انہیں آمادہ کریں۔ تاکہ آئندہ ریاست میں کبھی بھی کسی قسم کا فتنہ اور بے چینی پیدا نہ ہو۔ اور راعی و رعایا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر کے ملک کو خوشحال اور ترقی یافتہ بنانے میں ساعی ہوں "

اور یہ آپ ہی کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ کہ آج حالات کے اصلاح پذیر ہونے کی بہت کچھ توقع ہو گئی۔ اور مہاراجہ بہادر کے عزو وقار میں بھی کوئی فرق نہیں آنے پایا اگر آپ کا معاملات کشمیر کے متعلق حکام سے انٹرویو کرنا محلِّ اعتراض ہے۔ تو پھر

اگر وائسرائے کے پاس حضرت اقدس کا جانا محلِ اعتراض ہے۔ تو پھر ہندو کیوں مہاراج کی شکایت لیکر گئے؟

وائسرائے کے پاس خود ہندو کیوں مہاراجہ صاحب بہادر کی شکایات لے کر جاتے رہے؟ اگر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر محض اس بناء پر مورد الزام ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ کہ انہوں نے مہاراج کو نقصان پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ محض اصلاح حال کے لئے ذمہ وار برٹش آفیسروں سے ملاقاتیں کیں۔ تو کیا وہ ہندو موردِ الزام نہیں۔ جو مہاراجہ صاحب بہادر کے خلاف شکائتیں لے کر

وائسرائے بہادر کے پاس پہنچے تھے؟ اگر وہ بھی اس اعتراض کے نیچے آتے ہیں۔ تو پھر ہندو اخباروں نے ان کے خلاف کیوں نہ آواز اٹھائی؟

اور اگر کوئی اس امر کا ثبوت چاہے۔ کہ کب ہندو مہاراجہ صاحب بہادر کی شکایات لیکر وائسرائے بہادر کے پاس گئے۔ تو اس کے لئے اخبار گوروگھنٹال کے مندرجہ ذیل الفاظ کا پڑھ لینا کافی ہوگا:۔

"ہمعصر بندے ماترم لاہور اپنے تازہ پرچہ میں لکھتا ہے کہ۔ ریاست کشمیر کے شہروں کے متعلق جو حالات سننے میں آئے ہیں۔ ان سے پتہ لگتا ہے کہ ساہوکار پیشہ لوگوں کی بہت سی تعداد پریشان ہو رہی ہے۔ بڑے بڑے اچھے آدمی جو لاکھوں روپیہ کے مالک تھے۔ اب دیوالیہ بن گئے ہیں سب لوگ کہتے ہیں۔ کہ ایسا قانون (جو مہاراجہ صاحب بہادر نے ساہوکارہ ایکٹ کے نام سے منظور فرمایا تھا۔ ناقل) نہ کبھی سنا گیا اور نہ ہی دیکھا گیا۔۔۔۔۔۔ ہندوؤں نے بہتیرا واویلا کیا۔ ہندوؤں کے کئی ڈیپوٹیشن مہاراجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اب بھی وائسرائے کے پاس (شکایات لے کر) ہندو پہنچے ہوئے ہیں۔ الخ" [۱]

پس جب یہ یقینی اور ثابت شدہ بات ہے۔ کہ اس سے پہلے خود ہندو بھی مہاراجہ صاحب بہادر کے خلاف شکایات لے کر وائسرائے کے پاس گئے تھے۔ اور ان کے اس فعل پر ہندو اخباروں نے کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا تھا۔ تو حضرت اقدس پر اعتراض کرنا کیونکر حق بجانب ہو سکتا ہے۔ جبکہ آپ مہاراجہ صاحب بہادر کی مخالفت کی غرض سے نہیں۔ بلکہ اصلاح احوال کے لئے تشریف لے گئے تھے؟

اگر کہا جائے۔ کہ آپ وائسرائے کے پاس خواہ کسی نیت سے گئے۔ بہر حال یہ امر واقع ہے کہ آپ نے وائسرائے کو ریاست کے معاملات میں مداخلت کی تحریک کی۔ حالانکہ یہ

[۱] گوروگھنٹال ۱۲ فروری ۲۷ء صفحہ

بھی جائز نہ تھا۔ کیونکہ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان جو بھی گورنمنٹ انگریزی کو کسی ریاست کے اندرونی معاملات میں دست اندازی کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ پرلے درجہ کے غدار ہیں"۔ (پرتاپ ۱۳ اگست ۱۹۳۱ء صہ ۵)

تو اس کے متعلق بھی ہم عرض کر دیں۔ کہ ہندو مہا سبھائیوں کا یہ اعتراض اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا کیونکہ جب مسلمانانِ کشمیر، برطانوی ہند کے مسلمان، اسلامی اخبارات اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر، ریاست کے ارباب بست وکشاد کو اصلاح حال کے لئے بار بار توجہ دلا چکے، کشمیریوں کی بڑھتی ہوئی بے چینی کو روکنے کے لئے ریاستی حکام کو وہ طریق بھی بتلا چکے۔ جن سے کام لے کر ہر قسم کی بے چینی دور ہو سکتی تھی۔ مگر پھر بھی زمیں جنبد نہ جنبد گل محمدؐ والا معاملہ ہی رہا۔ تو ایسی حالت میں اگر کشمیر کمیٹی کے صدر محترم نے ملک کے حاکم اعلیٰ کو ان معاملات کی طرف توجہ دلائی تو کیا برا کیا؟ آخر معترض خود ہی بتلائیں۔ کہ ان حالات میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے محترم صدر اور کون سی صورت اختیار کرتے۔ جس سے کہ حالات رو بہ اصلاح ہوتے؟

اگر کشمیر کے معاملہ میں وائسرائے کی مداخلت گوارا نہیں تو نظام گورنمنٹ کیخلاف کیوں ہندوؤں نے اسکو جائز سمجھا؟

لیکن اگر ان کے نزدیک کسی حالت میں بھی گورنمنٹ کو مداخلت کی دعوت دینا جائز نہ تھا۔ تو پھر یہ کیا بات ہے کہ آج سے چند سال قبل خود یہی لوگ نظام گورنمنٹ کے خلاف ژاژ خائی کرتے ہوئے برٹش حکام کو مداخلت کی دعوت دیتے رہے، برٹش حکومت کو سلطنت آصفیہ کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کی ہر رنگ میں تحریک کرتے رہے، اور جلسوں کے ذریعہ رزولیوشنوں کے ذریعہ، اخباروں اور شر ربار تقریروں کے ذریعہ اس پر مداخلت کے لئے زور دیتے رہے،

کیا اس وقت یہ اصول بھول گیا تھا؟ کیا اس وقت اس قسم کی فتوٰی بازی، کی ضرورت نہ تھی، کیا اس وقت پرتاپ کا ایڈیٹر اس اصول کو طاق نسیان کا گلدستہ بنا چکا تھا؟

اگر اس وقت جبکہ کانگرسی اور مہاسبھائی اخبارات، مہاراشٹری اور پنجابی ہندو اٹھتے بیٹھتے یہی رٹنا لگائے ہوئے تھے کہ گورنمنٹ ہند۔ حکومت آصفیہ کے معاملات میں دخل دے۔ کیوں نہ اس وقت ان لوگوں کو ملامت کی گئی؟ کیوں نہ اس وقت ان کو جھاڑ بتلائی، اور انہیں یہ اصول یاد دلایا؟ کیا اس کی یہی وجہ نہ تھی۔ کہ سلطنت آصفیہ کا حکمران مسلمان تھا؟ اور اب جبکہ انہی کے طرزِ عمل کو سامنے رکھتے ہوئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر نے مجبور ہو کر وہی کچھ کیا۔ جو پہلے یہ خود ہی کر چکے تھے۔ تو اس وقت یہ فتوٰی یاد آگیا؟

یہ فتوٰی اُس وقت موثر ہو سکتا تھا جبکہ پرتاپ کا ایڈیٹر نظام گورنمنٹ کے مخالفوں کو ان کی معاندانہ حرکات سے باز رکھتا اور انہیں اس اصول پر عمل کرنے پر مجبور کرتا، مگر اس نے انہیں کیا مجبور کرنا تھا۔ جبکہ یہ خود ان کا معاون اور ہمنوا تھا۔ اور مخالفین کی تحریروں اور تقریروں کو ان کے خطبوں اور ایڈریسوں کو اپنے اخبار میں نمایاں جگہ دیتا تھا۔ اور اپنے عمل سے بتلا رہا تھا۔ کہ اسے بھی دیگر مہاسبھائیوں کی طرح یہی خواہش ہے۔ کہ برٹش حکومت معاملات دکن میں دخل انداز ہو۔

ہم نہیں سمجھتے کہ جو لوگ خود وائسرائے ہند اور دیگر حاکموں کو ایک اسلامی ریاست کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کی درخواستیں کرتے رہے اس پر دباؤ ڈالتے رہے، وہ آج کس مُنہ سے یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں۔ کہ:۔

"جو بھی گورنمنٹ انگریزی کو کسی ریاست کے اندرونی معاملات میں دست اندازی کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ پہلے درجہ کے غدّار ہیں"

اگر واقعی یہ فعل غداری ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ حضرت اقدس پر اعتراض کرنے والے اسی فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے بھی "قوم پرست" ہی کہلاتے ہیں، اور انہیں کوئی ایک مہاسبھائی بھی "غدار" کہنا پسند نہیں کرتا؟ پس جب وہ لوگ جو بے بنیاد شکایات کی بناء پر حکومت ہند کو نظام گورنمنٹ کے معاملات میں دخل دینے پر اکساتے رہے غدار نہیں کہلاتے۔ تو کشمیر کمیٹی کے معزز ممبر اور محترم صدر کس طرح اس فتویٰ کے تحت میں آسکتے ہیں جبکہ ان کا یہ فعل حقیقی شکایات کی بناء پر تھا۔ اور وہ بھی ایسی حالت میں جبکہ ریاستی حکام کی سرد مہریوں کی بدولت اور کوئی بھی ذریعہ اصلاح حال کا باقی نہ رہ گیا تھا،

ہندو مہاسبھائی اور کانگرسی، تحریک کشمیر کی مخالفت میں جتنی وجوہات پیش کر سکتے تھے ہم نے ان سب کا بودا پن خود انہی کی تحریروں سے ثابت کر دیا ہے۔ اور ناظرین نے معلوم کر لیا ہو گا۔ کہ محولہ بالا وجوہات میں سے ایک وجہ بھی ایسی نہیں۔ جو ان کی مخالفت کو جائز اور حق بجانب ٹھہرا سکے،

اب مذکورہ بالا بحث کو پڑھتے ہوئے مہاسبھائیوں کی وکالت کرنے والے بتلائیں تو سہی۔ کہ جب ہم نے ان کے ہر ایک عذر، ہر ایک حیلہ اور ہر ایک وجہ کی لغویت اور بودا پن انہی کی تحریروں اور شہادتوں سے ثابت کر دیا۔ تو کیا ایسی حالت میں اگر ہم یہ کہیں۔ تو بے جا ہو گا۔ کہ ان کا مسلمانان کشمیر کے خلاف پروپیگنڈا کرنا، انہیں بدنام کرنا، گورنمنٹ اور مہاراجہ صاحب بہادر کو ان کے خلاف ابھارنا۔ ان پر طرح طرح کے الزام لگانا اور

ان کے ہمدردوں کو بھی بدنام اور رُسوا کرنے کی سعی ناپاک کرنا محض اسی وجہ سے تھا کہ کہیں مسلمانانِ کشمیر اپنے جائز حقوق حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوجائیں۔ اور انکی کامیابی اس سکیم کی ناکامی کا موجب بنے جو انہوں نے کشمیر سے لے کر راس کماری تک ہندو راج قائم کرنے کے متعلق تجویز کر رکھی ہے؟ کیونکہ جب ان کی بیان کردہ ہر ایک وجہ کا ابطال ہم نے کر کے دکھا دیا تو اب ان کی اس اندھی اور پُرغیظ مخالفت کی سوائے اس کے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ کہ یہ چونکہ کشمیر سے راس کماری تک اپنا ہی اقتدار اور تسلط چاہتے ہیں۔ اس لئے یہ کہیں بھی مسلمانوں کو اپنے جائز اور واجبی حقوق سے مستفید ہونے نہیں دیتے، جب واقعات اور حقائق کی بنا پر یہی نتیجہ درست اور صحیح ہے۔ تو پھر کس طرح ہم ڈاکٹر مونجے اور اس کے ہمخیالوں کی اس بات پر یقین کر لیں۔ کہ وہ سوراج مل جانے پر مسلمانوں کو حقوق دیدیں گے۔

جب یہ اس وقت بھی ہندو ریاستوں میں جہاں انہی کے ہمقوموں کا تسلط واقتدار قائم ہے مسلمانوں کے جائز حقوق کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو سوراج مل جانے پر یہ کب کسی کی سُننے لگے ہیں؟

اب وہ ہندو جو واقعی شریف، نیکدل اور نیک طینت ہیں ہمیں بتلائیں۔ کہ ان حالات کو دیکھتے ہوئے مسلمان، ہندو لیڈروں کے خالی مولی وعدوں پر اعتماد کر سکتے ہیں؟ کیا اس تازہ بتازہ اور نو بنو مثال کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کا آئندہ کے متعلق خدشات ظاہر کرنا بے بنیاد ہے۔ کیا اس تازہ مثال کو دیکھ کر مسلمانوں کے اس مطالبہ میں زیادہ قوت پیدا نہیں ہو گئی۔ کہ سوراج ملنے سے پہلے ہی انکے حقوق کا تصفیہ ہونا چاہیئے؟

اور یہ جو کچھ ہُوا یا ہو رہا ہے۔ اس کی تمام تر ذمہ داری انہی مہاسبھائیوں پر ہے۔ مسلمان اگر خوفزدہ ہیں۔ تو انہی کی وجہ سے، انہیں اگر خدشے لاحق ہیں۔ تو انہی کی وجہ سے وہ اگر حقوق پر زور دیتے ہیں تو انہی کی ذہنیت کو دیکھتے ہوتے،

مہاسبھائیوں کی بعض اور چالیں

ان لوگوں نے گذشتہ سال میں صرف اس قسم کے اعتراضوں پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ مسلمانان کشمیر کو ناکام رکھنے کے لئے اور بھی بہت سی مذموم اور قابل صد نفرت چالوں سے کام لیا ہے۔ جن سے ان کی یہی غرض تھی کہ جس طرح بھی ہو۔ تحریک کشمیر کامیاب نہ ہو سکے، امید ہے۔ کہ شریف الطبع ہندو ان کی بعض اور چالوں سے بھی آگاہی حاصل کرینگے اور اس کے بعد ایسی راہ اختیار کریں گے۔ جس سے کہ ان کی یہ ذہنیت بدل جائے۔ جو نہ صرف یہ کہ ملک کی اقلیتوں میں انتشار اور بے اطمینانی پیدا کر رہی ہے۔ بلکہ ملک کے مفاد کے بھی سخت خلاف ہے۔

سب سے پہلے تو انہوں نے یہی پروپیگنڈا کیا کہ یہ تحریک کسی حقیقی اور جائز شکایت پر مبنی نہیں۔ کیونکہ وہاں کے مسلمانوں کو ہندوؤں سے بھی زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ لیکن جب واقعات نے اس کی تردید کر دی۔ تو پھر یہ چلانا شروع کیا۔ کہ یہ تحریک وہاں کے ہندوؤں کو کچل دینے کی نیت سے شروع ہوئی ہے۔ اور یہ اس لئے کہا گیا: تاکہ عام پبلک اس شورش کو فرقہ دارانہ سمجھ کر نظر انداز کر دے،

کشمیریوں پر سازش کا الزام

جب اس پر بھی انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ تو سازش سازش کی رٹ لگائی اور لوگوں کو یقین دلانا چاہا۔ کہ کشمیریوں کی ایجی ٹیشن ایک گہری سازش کا نتیجہ ہے، اور اس کے لئے چند کرایہ کے آدمی دلال کمیشن کے سامنے پیش کئے۔ جنھوں نے اس تحریک کو ایک گہری اور وسیع سازش کا نتیجہ ثابت کرنے کے لئے عجیب عجیب قصے گھڑے اور فرضی واقعات تصنیف کر کر کے دلال کمیشن اور عام پبلک کو باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ سارا ایجی ٹیشن بیرونی انگیخت اور سازش ہی کا نتیجہ ہے، اور پھر ان فرضی بیانات کو ہندو اخباروں میں جلی عنوانوں اور سنسنی خیز سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ اور ان پر ایسے حواشی

چڑھائے جن سے عام پبلک یقین کرلے۔ کہ واقعی یہ شورش، مہاراج کے خلاف، ان کے وزرا کے خلاف، اور ہنود ریاست کے خلاف ہے۔

فرضی سازشوں کی بنا پر کشمیریوں کو دھمکایا گیا کہ اس تحریک کو بند کریں

اسی پر بس نہ کیا۔ بلکہ اس قسم کے سنسنی خیز مگر بے بنیاد الزاموں کی تشہیر کرتے ہوئے کشمیریوں کو بھی ڈرایا اور دھمکایا۔ کہ اب جبکہ سازش طشت از بام ہوگئی ہے۔ ان کی اسی میں خیر ہے۔ کہ اس تحریک سے ہاتھ کھینچ لیں۔ اور جو حقوق طلب کئے جا رہے ہیں۔ ان سے انکار کردیں، ورنہ ان کی تباہی اور بربادی میں کلام نہیں۔ جیسا کہ ذیل کے اقتباس سے ظاہر ہے:-

"کشمیری مسلمانوں کو بھی دیکھنا چاہیئے۔ کہ وہ کن ٹھگوں کے پنجہ میں پھنس گئے ہیں۔ اور کس طرح اپنے مہاراجہ کے خلاف ایک بھاری سازش کے پرزے بنے ہیں۔ یہ حالات ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ کشمیری مسلمانوں کو اب پرائشچت (کفارہ) کے طور پر یہ اعلان کرنا چاہئیے کہ وہ کسی قسم کے حقوق کا مطالبہ فی الحال نہیں کرتے جس حالت میں وہ اب ہیں اسی حالت میں رہیں گے۔" (ملاپ ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۵)

مگر جب ان کا یہ داؤ بھی نہ چل سکا۔ تو پھر کشمیریوں کے خلاف ریاستی حکام کو اُبھارا وران پر زور دیا۔ کہ وہ اس تحریک کو پوری سختی اور تشدّد کے ساتھ دبائیں۔ مگر جب یہ لوگ ریاستی حکام کے جابرانہ و متشدّدانہ سلوک سے بھی حقوق طلب کرنیسے باز نہیں آتے

برٹش گورنمنٹ پر دباؤ ڈالا کہ اس تحریک کو برباد کردے

تو اس کے بعد حکومت ہند پر زور دینا شروع کیا۔ کہ وہ اس "فتنہ" کو مٹائے۔ اور کشمیریوں نے جو شورش برطانوی ہند کے مسلمانوں کی شہ پر جاری کر رکھی ہے۔ اسے سختی کے ساتھ دبائے،

پہلے گورنمنٹ کو یہ کہکر متوجہ کیا گیا۔ کہ

"حیرانی یہ ہے کہ ریاست کشمیر کے خلاف شملہ میں بیٹھ کر جو سازش کیجارہی ہے۔ (کشمیر کمیٹی کے قیام اور کوششوں کی طرف اشارہ ہے۔ ناقل) یہ اسی پروگرام کی ایک مد ہے۔ حیرانی ہے کہ ریاست کشمیر کے خلاف اسی حکومت کے پایۂ تخت میں بیٹھ کر سازش کی جارہی ہے جس حکومت کے لئے ریاست کشمیر کے حکمرانوں سے یہ معاہدہ کر رکھا ہے۔ کہ وہ بیرونی دشمنوں سے کشمیر کی حفاظت کریگی۔" (ملاپ ۱۱ اگست ۱۹۳۱ء صہ)

اس کے بعد آریہ سوراجیہ سبھا پنجاب نے لاہور کے ہندوؤں کی طرف سے وائسرائے ہند کو اس مضمون کا تار بھی بھیجا۔ کہ:۔

"برٹش انڈیا کے مسلمان بالعموم اور پنجابی مسلمان بالخصوص کشمیر دربار کے خلاف ایک بالکل بناوٹی اور باطلانہ بے بنیاد ایجی ٹیشن جو اچھی نیت پر مبنی نہیں ہے پھیلا رہے ہیں۔ وہ ہندو مسلمانوں میں باہمی کشیدگی کی آگ مشتعل کر رہے ہیں۔ نیز ریاست کے اندر پولیٹیکل انقلاب کی انگیخت کر رہے ہیں۔ ان کی سرگرمیاں امن عوام کے لئے نہایت خطرناک ہیں۔ آپ سے مودبانہ درخواست ہے۔ کہ آپ ان تمام ایجی ٹیٹروں پر جن میں اینگلو انڈین اخبارات بھی شامل ہیں۔ پورے زور سے دباؤ ڈالیں۔ اور اس ایجی ٹیشن کی روک تھام کے لئے انسداد فرمائیں۔" [۱]

اس کے بعد یہ کہہ کر بھی گورنمنٹ کو مسلمانان کشمیر کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ کہ

"کشمیر کے چاروں طرف مسلمان حکومتیں ہیں۔ کشمیر پر اگر اسلامی جھنڈا لہرایا تو گورنمنٹ کیلئے خطرناک ہوگا۔" (ملاپ ۱۸ اگست ۱۹۳۱ء صہ۱۶)

اسی پر بس نہ کی گئی۔ بلکہ اسمبلی کے ہندو اور سکھ ارکان وائسرائے بہادر کے پاس بھی

[۱] ملاپ ۲۰ اگست ۱۹۳۱ء صہ۱۰)

چل کر کئے اور ان سے یہی کچھ کہا سُنا۔

لیکن جب اس طرح بھی ان لوگوں کو کامیابی کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہُوا

کشمیریوں کیخلاف انگلستان میں بھی پروپیگنڈا کیا

تو اس کے بعد انگلستان کے انگریز مدبروں اور عام پبلک کو بھی یہ کہہ کہہ کر بھڑکایا گیا۔ کہ کشمیر کی ایجی ٹیشن میں بالشویکوں کا ہاتھ ہے۔ اس لئے اس تحریک کو جس طرح بھی ہو دبا دیا جائے، اور یہ وسوسہ پارلیمنٹ کے ممبروں کے دل میں بھی ڈالا گیا۔ غرض یہ تھی۔ کہ برٹش حکومت بالشویکی خطرہ کا حال سُنکر اس تحریک کو خود ہی دبا دیگی۔ اور مسلمان فائز المرام نہ ہو سکیں گے۔ لیکن چونکہ یہ بھی ان کا کُھلا کُھلا جھوٹ تھا۔ اس لئے یہ تدبیر بھی ناکام رہی۔ اور خود وزیر ہند کو ہی اس بیہودہ وسوسہ کی پارلیمنٹ کے ایک ممبر کے استفسار پر تردید کرنا پڑی۔ جیسا کہ رپوٹر کی مندرجہ ذیل تار سے ظاہر ہے۔

وزیر ہند کی گواہی کہ تحریک کشمیر میں بالشویکی ہاتھ نہیں

"لنڈن۔ ۲۳ فروری (۳۲ء) کل دار العوام میں سر والٹر سمائلز (کانسرویٹو) نے سوال کیا۔ کہ اس شہادت کے پیش نظر کہ کشمیر کی بدامنی میں بالشویکوں کا ہاتھ ہے۔ کیا حکومت ریاست کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کو تیار ہے

وزیر ہند نے جواب دیا۔ کہ اس قسم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا"[1]

اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ انگلینڈ میں یہ بھی پروپیگنڈا کیا گیا۔ کہ کشمیر ایجی ٹیشن پان اسلامک تحریک کا ایک جزو ہے۔ چونکہ مسلمان ایک وسیع اسلامی فیڈریشن دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ کشمیر کا علاقہ بھی اپنے قبضہ میں کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور ان کی طرف سے اس بات پر اتنا زور دیا گیا۔ کہ پارلیمنٹ کے بعض انگریز ممبر بھی متاثر ہو گئے،

[1] انقلاب ۲۶ر فروری ۳۲ء

لیکن چونکہ یہ بھی نرا پروپیگنڈا ہی تھا۔ اس لئے انہیں انگریزوں کو ساتھ ملانے اور اس تحریک کو کچلنے میں کامیابی نہ ہوسکی۔ انہوں نے اپنے خاص الخاص انگریز دوستوں کے ذریعہ بھی اس قسم کا پروپیگنڈا کروایا۔ اور کپتان کینوردی جیسے پارلیمنٹ کے ممبروں نے ان کا اثر قبول کرتے ہوئے کشمیر ایجی ٹیشن کو پان اسلامک تحریک کا نتیجہ بتلا کر اپنی قوم کو ڈرایا بھی۔ مگر ان کی آواز پر کسی نے دھیان نہیں دیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود انگلینڈ ہی کے لوگوں کو اس کی تردید کی توفیق بخشی جنھوں نے اس بودے اور لغو الزام کی کماحقہٗ تردید کردی۔ یہی کیوں خود ریاست کشمیر کے سابق وزیر خارجہ سر ایلبین بینرجی کو بھی اس قسم کی افترا پردازی دیکھ کر افسوس ہوا۔ اور اپنے افسوس کا اظہار کرنے کے لئے انہوں نے فوراً ہی ایک مؤقر انگریزی اخبار میں اس کی زوردار لفظوں میں تردید شائع کروائی، جس سے مہا سبھائیوں کی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بولتی بند ہوگئی۔ اور اس ہندو مدبّر کی تردید دیکھ کر یہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے،

سر ایلبین بینرجی کی گواہی کہ کشمیر ایجی ٹیشن پان اسلامک تحریک کا نتیجہ نہیں،

"ہندوستان اور ملک ہذا (انگلینڈ) میں ایک سے زائد ذمہ دار اشخاص نے میری توجہ ان بیانات کی طرف دلائی ہے۔ جو پریس میں فسادات کشمیر کے متعلق شائع ہوئے ہیں۔ اور جو بظاہر باوثوق منبع سے بدیں مضمون شائع ہوئے کہ فسادات مذکور پان اسلامک تحریک کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ میں بوجہ اس کے کہ ہز ہائینس سر ہری سنگھ مہاراجہ کی ملازمت میں حال ہی میں بطور پولٹیکل و فارن منسٹر کے رہ چکا ہوں ۔ نہیں چاہتا تھا۔ کہ معاملات کشمیر کے متعلق کسی بحث میں دخل دوں لیکن موجودہ صورت حالات

یں یہ مفادِ عامہ کے لئے بہتر ہو گا۔ کہ اگر میں ذاتی علم کی بنا پر اپنی رائے کا اظہار کروں، اگر آپ تسکو۔ سر فرانسیس ہسبینڈ اور سر والٹر لارنس کی کتب متعلقہ کشمیر کو پڑھیں گے۔ تو آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ ہز ہائینس کی کشمیری رعایا تمام ہندوستان میں نہایت سادہ مزاج اور قانون کا احترام کرنے والی قوم ہے۔ اس پر نہایت آسانی سے حکومت ہو سکتی ہے۔ اور انہوں نے صدیوں تک زیر اثر پنڈتان کشمیر زحمت برداشت کی ہے۔ اور پنڈتوں کا دماغ وادیٔ کشمیر کے گاؤں گاؤں کے معاملات پر جاری رہا ہے۔ مسلمان ناخواندہ۔ اور اقتصادی طور پر پسماندہ ہیں۔ اگر مدت مدید کی مسلسل شکایت کیوجہ سے ان میں کوئی عام بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔ تو بیرونی مسلمانوں کا بلا واسطہ اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ کشمیریوں میں اپنے بیرونی ہم مذہبوں کے ساتھ کوئی گہرا الحاق نہیں ہے۔ وہ بوجہ ناخواندگی۔ اخبارات بھی نہیں پڑھتے اور ریاست کا پریس سخت ترین نگرانی کا تابع ہے۔ چند لاہور کے اخبارات کا جنہوں نے بعض وجوہات کی بنا پر کہ وہ ذاتی طور مہاراجہ بہادر کے خلاف معاندانہ روش رکھتے تھے۔ جائز یا ناجائز طور پر داخلہ بند ہو چکا ہے۔ اگرچہ اس جگہ تو سوال پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ آیا پین اسلامک (اتحاد بین الاسلامی) پروپیگنڈا مغربی ایشیا یا دیگر حصص ہندوستان تک موجود بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس مطالعہ کی بنا پر جو میں نے اپنی سیاحت ممالک اسلامی میں حالات کا کیا ہے۔ میرا اس رائے کی طرف رجحان ہے

کہ یہ (پان اسلامک تحریک) صرف ایک ہوّا ہے۔ جس کی بنیاد ایسے شرارتی اشخاص نے رکھی ہے۔ جن کا مدعا سوائے اس کے کچھ نہیں۔ کہ وہ دنیا کے امن میں خلل ڈالیں۔ اگر کشمیریوں نے بیدار ہو کر نظام ریاست کی مخالفت کی ہے۔ تو یہ اس وجہ سے نہیں ہے۔ کہ ان کو کوئی ذاتی عداوت موجودہ مہاراجہ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ موجودہ حکمران نے گذشتہ سال میں ان کی حالت درست کرنے کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ بلکہ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ موجودہ روشن خیال مہاراجہ سے ان کو زیادہ امیدیں تھیں مگر ان کو طرز حکومت میں کوئی معتد بہ تبدیلی نظر نہیں آئی۔ اور یہ نظام حکومت ریاست میں بوجہ کمی تعلیم عام طور پر چند کشمیری پنڈتوں کے ہاتھ میں رہا ہے۔ جو بغرض ملازمت ریاست اور باہر سے منگوائے جاتے رہے۔"

یہی نہیں اور بھی اسی قسم کی تحریریں درج کی جا سکتی ہیں۔ جن میں مہابھائی پروپیگنڈے کی اصل حقیقت بے نقاب کی گئی ہے۔ مگر چونکہ یہ مختصر رسالہ زیادہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے،

کشمیر کمیٹی کے محترم صدر کی کوششیں ہائے جلیلہ انگلستان میں مہابھائی پروپیگنڈا کی ناکامی کا باعث ہوئیں

مگر ہاں اتنا بتلا دینا ضروری ہے۔ کہ اگر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر اپنے خدام (مقیم انگلستان) اور گول میز کانفرنس کے بعض مسلمان ممبروں کے ذریعہ مہابھائی اثرات کا ساتھ ہی ساتھ ازالہ نہ کرواتے۔ تو

یہ یقینی بات ہے۔ کہ مہاسبھائی پروپیگنڈا اپنا کام کر جاتا۔ مگر چونکہ آپ نے مہاسبھائی پروپیگنڈے کے بداثرات کو شروع ہی میں بھانپ لیا تھا۔ اس لئے اس کا ازالہ ضروری سمجھا۔ اور اپنی کامیاب مساعی سے نہ صرف مخالفین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ہی ازالہ فرمایا۔ بلکہ وزرائے حکومت، انگریز مدبرین اور انگریزی پریس کو صحیح واقعات سے بھی آگاہ کیا۔ اور یہ انہی کی کوشش ہائے جلیلہ کا نتیجہ ہے۔ کہ مہاسبھائیوں کی وہاں دال نہ گلی اور انہیں بے نیل و مرام ہونا پڑا۔

ہندوؤں کو بھڑکا کر فرقہ وار فساد پیدا کرنا چاہا

ان لوگوں کی طرف سے جہاں اس قسم کی چالیں چلی جارہی ہیں۔ وہاں دوسری طرف برطانوی ہند کے ہندوؤں کو بھی بھڑکایا جارہا تھا۔ تاکہ ملک میں فرقہ دارانہ فساد شروع ہو جانے پر مسلمانوں کی توجہ معاملات کشمیر سے ہٹ جائے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے سکھوں کو بھی اپنے ساتھ ملانے کے لئے سر توڑ کوششیں کیں، اور ان کو ساتھ ملا کر مسلمانوں پر رعب ڈالنا چاہا۔ جس کے لئے جلسے کئے، جلوس نکالے، جن میں اشتعال انگیز نعرے لگائے گئے۔ اور شر انگیز نظمیں پڑھی گئیں[۱]۔ مگر چونکہ مسلمان ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے انکی اشتعال انگیز حرکات کو دیکھتے ہوئے بھی طرح دے گئے، اور اپنی اس خاموشی سے ان کی اس چال کو مات کر دیا،

---

[۱] یہ کوئی بے ثبوت بات نہیں۔ کیونکہ ہندو اخبار بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ دیکھئے ویر بھارت کے نامہ نگار خصوصی کا چشمدید مندرجہ ذیل بیان

"لاہور ۲۶ر دسمبر۔ آریہ سوراجیہ سبھا لاہور کے زیر اہتمام ریاستی کانفرنس کا جو جلوس نکالا گیا۔ اس میں سب سے زیادہ افسوسناک رویہ ان غیر ذمہ دار ہندو نوجوانوں کا تھا جو مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز نعرے لگا رہے تھے۔ اور اپنے آپ کو جلوس کے حلقہ میں محفوظ سمجھتے ہوئے ایک ایسی فضا پیدا کر رہے تھے۔ جس سے نہائت ناخوشگوار

ہندوؤں کو بھڑکا کر کشمیری مال کا بائیکاٹ کروا دیا

ان کی بر طانوی ہند کے ہندوؤں کو بھڑکانے کی صرف یہی غرض نہ تھی۔ بلکہ کشمیر کے مسلمانوں کو بھی مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جو ہندو ان کی مسموم تحریروں اور پُر جوش تقریروں سے متأثر ہو چکے تھے۔ انہوں نے کشمیری مال کا بائیکاٹ کر دیا۔ اور ساتھ ہی یہ شرارت بھی کی۔ کہ پہلے تو کشمیر کے مسلمان تاجروں کو مال کا آرڈر بھیجتے۔ مگر جب وہاں سے مال کے پارسل ان کے پاس آتے۔ تو اس پر بائیکاٹ کا لفظ لکھ کر واپس کر دیتے۔ جس سے کشمیری دکانداروں کا نہ صرف مال ہی خراب ہُوا۔ بلکہ انہیں خرچ ڈاک کا بھی ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑا اور اس شرارت آمیز رویّہ کی صرف یہی غرض تھی۔ کہ کشمیری تنگ آ کر حقوق حاصل کرنے والی تحریک سے باز آ جائیں،

اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ خود انہی مہا سبھائیوں کے اقبالی بیانات پر مبنی ہے اعتبار نہ ہو۔ تو اخبار ملاپ ہی کا مندرجہ ذیل اقتباس پڑھ لیا جائے:۔

کشمیری مال کے بائیکاٹ کی گواہی "ملاپ" بھی دیتا ہے

"کئی اطلاعات سے پتہ لگا ہے۔ کہ جس قدر کشمیر کے مال کے پارسل یہاں سے باہر بھیجے جاتے ہیں۔ ان

بقیہ صفحہ ۲۹۵! نتائج پیدا ہونے کا امکان تھا . . . . ریاستی کانفرس کے جلوس میں جو نعرے لگائے گئے تھے۔ ان میں ذیل کے نعرے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایجی ٹیٹروں کو تباہ کر دو۔ عبداللہ کو تباہ کر دو۔ ارجن کی طرح دشمن کے کلیجے میں تیر مارو۔ ہندو ویرا گی کیطرح دشمن سے انتقام لو۔ وغیرہ وغیرہ . . . . . (ویر بھارت ۲۸ دسمبر ۱۹۳۸ء)

کہا جائیگا کہ احراری بھی تو یہی کچھ کرنے تھے۔ اول تو اس کا ثبوت چاہیئے۔ اور اگر مان بھی لیں تو کیا ان کے جلوس کی وجہ سے مسلمانوں نے ہندوؤں کو زخمی اور قتل بھی کیا؟ حالانکہ اس جلوس کے ہندوؤں نے مسلمانوں کو زخمی اور قتل بھی کیا تھا۔

میں سے بہت سے پارسل واپس کئے جاتے ہیں۔ اور ان پر لفظ بائیکاٹ لکھا ہوتا ہے چنانچہ معلوم ہوا ہے۔ کہ آج قریباً ایک سو پارسل یہاں واپس آیا ہے۔ ان باتوں سے اندازہ لگتا ہے۔ کہ ہندوستان کے ہندوؤں نے یہاں کے مال کا بائیکاٹ کر دیا ہے ؟"

کشمیریوں کو ہزار ہا روپیہ کا نقصان پہنچایا

اس ایک اقتباس سے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے مسلمانان کشمیر کو اس تحریک سے باز رکھنے کے لئے کتنا شدید نقصان پہنچایا ہو گا۔ کیونکہ جب ایک دن میں ہی ۱۰۰ پارسل واپس کئے گئے۔ تو سارے موسم میں ان کی تعداد ہزاروں تک نہ پہنچی ہو گی؟ اور ان ہزارہا پارسلوں کی واپسی سے ہزاروں روپے کا نقصان نہ ہوا ہو گا، مگر چونکہ کشمیریوں نے اس بات کا تہیہ کر لیا تھا۔ کہ ہم پر جتنی بھی سختیاں کی جائیں، ستم ڈھائے جائیں اور ظلم توڑے جائیں۔ ہم برداشت کریں گے۔ اور اس وقت تک پیچھے نہ ہٹیں گے۔ جب تک کہ صورت حال میں نمایاں تبدیلی نہ ہو۔ اس لئے ہماسبھائیوں کی یہ ضرر رساں چال بھی ان کے لئے کوئی مفید نتیجہ نہ پیدا کر سکی، اور مسلمانان کشمیر ہزاروں روپے کا نقصان اٹھانے پر بھی ثابت قدم رہے،

کشمیریوں اور ان کے ہمدردوں کو بدنام کرنے کی مذموم کوششیں

مسلمانان کشمیر اور ان کے ہمدردوں کو بدنام کرنے اور ناکام رکھنے کے لئے ان لوگوں کی طرف سے یہی نہیں اور بھی کئی قسم کی مذموم اور قابل صد نفرت چالیں چلی گئیں۔ اور ان کے خلاف غلط اور بے بنیاد باتیں مشہور کی گئیں۔ ان کو عام پبلک کی نگاہوں سے گرانے کے لئے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے۔ جن کا اگر اعادہ کریں تو کتاب کا حجم دوگنا ہو جائے، اس لئے ہم ان کی باقی کارستانیوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مگر ہاں اتنی بات اور کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ جب

انہوں نے دیکھا۔ کہ ہماری ہر ایک چال، ہر ایک داؤ، اور ہر ایک منصوبہ ناکام رہا۔ اور مسلمانان کشمیر اور ان کے حمائتی اپنی جگہ مضبوطی سے قائم ہیں

کشمیریوں کو آئینی طریق پر حقوق مانگنے کی تلقین

تو پھر انہوں نے یہ کہنا شروع کیا۔ کہ شور و غوغا سے کیا فائدہ۔ اگر مسلمانان کشمیر کسی قسم کی اصلاحات چاہتے ہیں۔ تو وہ آئینی طریق پر ان کا مطالبہ کریں۔ جیسا کہ ملاپ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے۔

" اگر وہ (مسلمان) آئینی طریقہ پر اصلاحات مانگیں۔ تو موجودہ سے بھی زیادہ مراعات مل سکتی ہیں۔" (ملاپ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳)

مگر جب کشمیریوں نے ایسا ہی کیا تو انکے مطالبات کو ناقابل قبول بتایا

مگر جب مسلمانان جموں و کشمیر نے ہر قسم کے ایجی ٹیشن کو بند کر کے آئینی طریق پر اپنی شکایات اور مطالبات کی فہرست مہاراجہ صاحب بہادر کی خدمت میں پیش کر دی۔ اور جس کو ملاحظہ فرمانے کے بعد مہاراجہ صاحب بہادر نے بھی ان کو بہت کچھ امید دلائی۔ اور ان کے ساتھ اظہار ہمدردی و شفقت فرمایا۔ تو یہی مہاسبھائی جو انہیں کہہ رہے تھے کہ جو مانگنا ہے آئینی طریق پر مانگو تمہیں مل جائے گا۔ یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر چلا اٹھے۔ کہ یہ مطالبات تو قطعاً قابل قبول نہیں،

نہ صرف یہی بلکہ ریاست کے ہندؤں کو بھی جا جا کر بھڑکایا۔ اور انہیں مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ اور یہ انہی کی معاندانہ کوششوں کا نتیجہ تھا۔ کہ وہاں کے ہندو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات ہی کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ بلکہ جموں کوٹلی۔ راجوری۔ میرپور۔ پونچھ وغیرہ میں فرقہ وارانہ فسادات کا بھی موجب بنے۔ اور یہ سب

کچھ محض اس لئے کیا گیا۔ کہ کشمیر گورنمنٹ اور مسلمانوں کی توجہ دوسری طرف بٹ جائے۔ اور مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کا معاملہ کھٹائی میں جا پڑے۔ مگر جب ان کی یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی۔ تو ان کی انگیخت پر گلینسی کمیشن ہی کا بائیکاٹ کر دیا جس نے کہ مہاراجہ صاحب بہادر کے ارشاد پر رعایائے ریاست کی شکایات کی تحقیق کرنے کے بعد جدید اصلاحات کی سفارشات کرنا تھیں۔ نہ صرف بائیکاٹ کیا اور اس میں سے اپنا نمائندہ واپس بلا لیا۔ بلکہ اس کے خلاف مظاہرے کئے، مضامین شائع کئے، لیکچر دئے، جلوس نکالے۔ اور رزولیوشن پاس کر کے اخباروں میں شائع کروائے، اور دھمکیاں دیں۔ کہ اگر گلینسی کمیشن یا کشمیر گورنمنٹ نے مسلمانوں کے مطالبات کے آگے سر جھکایا۔ تو ہم یہ کر دیں گے۔ اور وہ کر دیں گے،

اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر مہاسبھائی وہاں کے ہندوؤں کو نہ بھڑکاتے۔ وہاں کے پُرامن باشندوں کو ایک دوسرے کے خلاف آمادۂ مخاصمت نہ کر دیتے۔ تو آج جس قدر خامیاں گلینسی رپورٹ میں پائی جاتی ہیں۔ وہ نظر نہ آتیں،

یہ لوگ ان خامیوں کو دیکھتے ہوئے دل میں خوشی محسوس کرتے ہونگے۔ کہ ہمارے بائیکاٹ کا حربہ، مخالفانہ مظاہرے اور دیگر مذموم کوششیں کارگر ہوئیں۔ لیکن اگر انہیں ریاست سے سچی ہمدردی ہوتی اور یہ مہاراجہ صاحب بہادر اور ان کی گورنمنٹ کے دلی خیرخواہ ہوتے۔ تو ان خامیوں کو دیکھ خوش ہونے کی بجائے افسوس کرتے، کیونکہ جب تک مسلمانوں کے مطالبات کی منظوری میں تھوڑی بہت خامیاں بھی رہینگی۔ اس وقت تک ان کے دل حقیقی اطمینان نہیں پکڑ سکتے، اور یہ یقینی امر ہے۔ کہ جب تک دلوں میں حقیقی اطمینان اور تسلی نہ ہو۔ اس وقت تک ملک میں کامل سکون اور حقیقی امن بھی نہیں قائم ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں۔ کہ مسلمانانِ ریاست کی شاندار قربانیاں، آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور

اس کے محترم صدر کی بے غرض اور مخلصانہ کوششیں اور جان گسل اور کامیاب مساعی بارآور ہوئیں اور یقیناً ہوئیں جن کی طفیل ریاست کی طرف سے مسلمانوں کی بہت سی شکایات رفع کر دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ان کے کئی اہم مطالبات تسلیم کر لئے گئے ہیں۔ اور آئندہ کے لئے اطمینان بھی دلا یا گیا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ہم کہیں گے مسلمانان کشمیر گلینسی کمیشن کی بعض سفارشات پر کماحقہٗ مطمئن نہیں۔ اور ان کو جو خوشی، جو تسلّی اور جو اطمینان ہونا چاہیئے تھا وہ پورا پورا حاصل نہیں ہوا، کیونکہ ان کے نچے تلے اور مبنی بر انصاف مطالبات کو بتمامہ پورا نہیں کیا گیا۔[۱]

اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر مسلمانانِ ریاست میں آئندہ کسی قسم کی بیقراری و بے چینی کے آثار نمودار ہوئے۔ تو اس کی تمام تر ذمہ داری انہی برطانوی ہند کے مہاسبھائیوں پر ہوگی جو آج اپنی غیر منصفانہ کوششوں کے باعث گلینسی رپورٹ میں بعض خامیوں کے رہ جانے کا موجب بنے ہیں،

اگر سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب مقرر کر دیا جاتا۔ اگر مجوزہ اسمبلی میں ان کے نمائندوں کی مطلوبہ تعداد منظور کر لی جاتی۔ اور اسی طرح تبدیلیٔ مذہب پر ضبطی جائداد کا قانون بھی منسوخ کر دیا جاتا۔ تو ہمارے نزدیک نہ تو اس سے مہاراجہ صاحب بہادر کے عزّ و وقار میں کوئی فرق آتا۔ اور نہ ہی نظامِ ریاست کو کسی قسم کا نقصان پہنچتا۔ بلکہ اس کا یہ یقینی اور بدیہی فائدہ تھا۔ کہ ۳۲ لاکھ مسلمان ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو جاتے اور ملک تو ہر قسم کے خرخشوں اور اندیشوں سے نجات مل جاتی۔ اور آئندہ کسی نوع کی بیچینی اور انتشار کا امکان نہ رہتا۔ اور ریاست بھی آئے دن کے جھمیلوں سے مخلصی پاکر اپنی تمام توجہ تعمیری کاموں میں لگاتی۔ اور ملک کو پھر ویسے ہی اچھے دن دیکھنے نصیب ہوتے۔ جو

اسلامی عہد میں یہ دیکھ چکا ہے،

کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کے مطالبات کی کسی غیر جانبدار نے مخالفت نہیں کی، برٹش گورنمنٹ نے مخالفت نہیں کی۔ مہاراجہ صاحب بہادر نے مخالفت نہیں کی۔ بلکہ ہر ایک نے ان سے اظہار ہمدردی اور اتفاق کیا مگر ان لوگوں نے نہ صرف انہیں "انتہائی درجہ ناقابل قبول"۔ "قوم پرستی اور دیش بھگتی کے خلاف" بتلایا۔ بلکہ انہیں "ملک کو ہمیشہ کے لئے جنگ و جدل کے آتشکدہ میں پھینکنے کے مترادف قرار دیا"۔ [1]

حالانکہ مسلمانانِ کشمیر کے حق و انصاف پر مبنی مطالبات میں اس امر کا شائبہ تک بھی نظر نہیں آتا جس سے ہم سمجھ سکیں۔ کہ وہ قوم پرستی اور دیش بھگتی کے خلاف ہیں"۔ یا "ملک کو ہمیشہ کے لئے جنگ و جدل کے آتشکدہ میں پھینکنے کے مترادف" ہیں۔ اور نہ ہی ان سے مہاراجہ صاحب بہادر کے عزّ و وقار میں کسی قسم کی کمی کا امکان نظر آتا ہے،

پھر نہیں معلوم ان لوگوں کا ان کے خلاف اس قدر غم و غصہ کا اظہار کس بناء پر تھا؟ جب مسٹر سٹر کلینڈ، اخبار سول، اخبار سٹیٹسمین، ہندو مدراس، تیاگ بھومی، پارس، مستانہ، شمشیر، امر، رہبر، اخبار عام، مسٹر چیڈکر، مہاشہ کرشن بی اے، پنڈت پریم ناتھ کول بیرسٹر ایٹ لا، مسز ایلبین بینرجی، دلال کمیشن، راجہ ہری کشن کول اور گلینسی کمیشن کی شہادتیں اور ان پر والیٔ ریاست کی تصدیق، مسلمانانِ کشمیر کی شکایات کو حق بجانب بتلاتی ہیں۔ تو پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان شکایات کا ازالہ کروانے کے لئے جو مطالبات مہاراجہ صاحب بہادر کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ وہ "دیش بھگت" کے خلاف ہیں؟

کیا مسلمانانِ کشمیر کا یہ مطالبہ دیش بھگت ملکی مفاد کے خلاف ہے۔ کہ انہیں بھی آبادی کی بناء پر سرکاری ملازمتوں میں حصہ دیا جائے؟ کیا ان کا یہ مطالبہ دیش بھگت کے خلاف ہے۔ کہ ریاست میں اسمبلی قائم کی جائے؟ کیا ان کا یہ مطالبہ دیش بھگت کے

[1] ملاپ ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء ص ۵)

خلاف ہے۔ کہ تبدیلئ مذہب پر کسی فرقہ اور جماعت کے آدمی پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ کی جائے؟

ہم نے نوجہاں تک ان مطالبات پر غور کیا ہے۔ ان میں کا ایک مطالبہ بھی دیش ہت یا ملکی مفاد کے خلاف نظر نہیں آیا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو قطعاً بے جا نہ ہوگا۔ کہ اگر ان مطالبات کو من وعن قبول کر لیا جائے، تو ان سے ملکی مفاد کو نقصان نہیں۔ بلکہ کمال درجہ کا فائدہ پہنچے گا۔ اور ان کو عملی جامہ پہنانے سے ملک کی ہر ایک قوم اور جاتی مطمئن ہو جائے گی۔ کیونکہ ان میں سے کوئی ایک مطالبہ بھی ایسا نہیں۔ جو کسی قوم اور گروہ کو اس کے جائز اور واجبی حقوق سے محروم کر دے،

بلکہ یہی وہ مطالبات ہیں۔ جو ہر ایک قوم اور جاتی کو اس کے جائز اور واجبی حقوق دلا کر ہمیشہ کے لئے مطمئن کر سکتے ہیں۔

کیا آبادی کی بنا پر ملازمتوں کا مطالبہ قابلِ اعتراض ہے؟

اگر کہا جائے۔ کہ آبادی کی بنا پر ملازمتوں کا مطالبہ تو کھلی کھلی فرقہ داری ہے، تو ہم کہیں گے۔ کہ اگر فرقہ داری اسی کا نام ہے۔ تو یہ کوئی قابلِ اعتراض شئے نہیں۔ اگر فرقہ داری اسی کو کہتے ہیں۔ کہ جس قوم کو جتنا حق پہنچتا ہے۔ اُسے دیدیا جائے۔ تو ایسی فرقہ داری قطعاً محلِ اعتراض نہیں۔ محلِ اعتراض ہی نہیں بلکہ قابلِ تعریف ہے۔ کیونکہ یہ ملک کی ایک ہی قوم کو ملازمتوں کا اجارہ دار نہیں بناتی۔ یہ کسی ایک قوم کو ہی نظامِ حکومت کا ٹھیکیدار نہیں بناتی۔ یہ کسی ایک قوم کو ہی سیاہ وسفید کا مالک نہیں بناتی۔ بلکہ ہر ایک قوم ہر ایک جاتی اور ہر ایک جماعت کو اس کے واجبی حقوق دلا کر ہمیشہ کے لئے مطمئن کر دیتی ہے،

فرقہ دارانہ ملازمتوں کا مطالبہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے

اگر اس قسم کی منصفانہ اور عادلانہ پالیسی قابلِ اعتراض چیز ہوتی تو برٹش گورنمنٹ کیوں اس پر عمل کرتی؟ اگر یہ دیش ہت اور ملکی مفاد کے خلاف ہوتی۔ تو برطانوی ہند میں اس کو کیوں رائج کیا جاتا؟ کیا ہندوستان کی مختلف صوبجاتی حکومتوں نے اپنے اپنے نظامِ حکومت میں اس کو جگہ نہیں دی؟ کیا مختلف فرقوں اور جماعتوں کو سرکاری ملازمتوں میں حصہ لینے کے لئے ان کا تناسب مقرر نہیں کیا؟ اگر کیا اور یقیناً کیا۔ تو پھر اس پر اعتراض کیوں؟ جب مہا سبھائیوں اور کانگرسیوں کے پولیٹیکل اُستاد (انگریز) بھی اسے جائز اور مفید سمجھتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں اس پر معترض ہونا کس طرح ٹھیک ہو سکتا ہے؟ اگر سرکاری ملازمتوں میں فرقہ دارانہ تناسب قائم کرنا معیوب اور مضر ہوتا۔ تو بمبئی گورنمنٹ اپنے ہاں اسے رائج نہ کرتی۔ اگر یہ پالیسی ملکی مفاد کے خلاف ہوتی۔ تو بنگال گورنمنٹ اس پر عمل نہ کرتی، اگر یہ قوم پرستی اور دیش ہت کے خلاف ہوتی۔ تو پنجاب گورنمنٹ اسے نہ اپناتی۔ اور سیڈیمن کمیٹی بھی اسے جائز قرار دیتی؛

چونکہ یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ ہر ایک صوبجاتی حکومت کا اس پر عملدرآمد دکھایا جائے۔ اس لئے نمونۃً دو ایک صوبوں ہی کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

ہندوؤں کا مشہور روزانہ اخبار تیج دہلی لکھتا ہے :۔

بمبئی گورنمنٹ کے نزدیک فرقہ دارانہ ملازمتوں کا تناسب ضروری تھا

" دلت واچھوت جاتیوں کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے حکومت بمبئی نے دلیرانہ قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ حکومت ہذا نے اپنی اس پالیسی کو مزید وسعت دینے کے لئے کہ سرکاری ملازمتوں میں تمام فرقوں اور ذاتوں کی نمائندگی

حاصل کی جائے۔ حکومت مذکور نے یہ قرار دیا ہے۔ کہ احاطہ بمبئی کے تمام صیغہ جات کے کلرکوں کی آسامیوں میں پسماندہ و دلت جاتیوں کے نمائندوں کی بھرتی کے لئے کم از کم شرح فیصدی مختلف اضلاع میں ۳۳ فیصدی سے ۶۰ فیصدی تک ہے۔ مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ کہ خاص احاطہ بمبئی میں انہیں مناسب حصہ ملے گا۔ مگر سندھ میں پچاس فیصدی۔ اگرچہ یہ قدم بڑا دلیرانہ ہے۔ مگر اس سے ترقی یافتہ فرقوں میں آتش ناراضگی روشن نہیں ہوگی۔ کیونکہ گورنمنٹ مُصر ہے۔ کہ قابلیت کا معیار ویسا ہی رہے گا۔ اور قابلیت کے معیار پر ان جماعتوں کو اقل مخصوص شدہ شرح سے زیادہ اسامیاں بھی مل سکیں گی۔"[۱]

میڈیمن کمیٹی کا فرقہ دارانہ ملازمتوں کی سفارش کرنا

اصلاحات کی تحقیقاتی کمیٹی جو میڈیمن کے نام سے مشہور ہوئی اس نے بھی اپنی رپورٹ میں بقول ایڈیٹر تیج اسی اصول کی سفارش کی۔

"پبلک ملازمتوں کے متعلق بھی کثرت رائے نے سفارشات کی ہیں۔ اور لکھا ہے۔ کہ ملازمتوں کے منصبوں اور ان کے تسلیم کردہ حقوق و مراعات کی حفاظت کے لئے اگر کوئی کارروائی کرنی ناگزیر ہو تو کی جائے۔ اور صیغہ جات منتقلہ میں پبلک سروسز پر کنٹرول کمیشن یا کمیشنوں کے ہاتھ میں ہو۔ اور کہ بھرتی کے متعلق قواعد میں یہ درج ہو۔ کہ اہلیت و قابلیت کا مناسب لحاظ رکھتے ہوئے **تمام فرقوں کی ملازمت میں مناسب نمائندگی** ہو۔ اگر ضروری ہو۔ تو ہر ایک صیغہ میں ملازمتوں میں نامزدگیاں بھی کی جائیں جنھوں نے اہلیت کا امتحان پاس کر لیا ہو۔"[۲]

---

[۱] تیج دہلی ۲۲ فروری ۱۹۲۵ء ص۲۔ [۲] تیج دہلی ۱۱ مارچ ۱۹۲۵ء ص۵)

فرقہ دارانہ ملازمتوں کے متعلق پنجاب گورنمنٹ کا دستور العمل

۱۷ر مارچ ۱۹۳۲ء کو پنجاب کونسل کے اجلاس میں مسٹر گاربٹ چیف سکرٹری گورنمنٹ پنجاب نے بھی اس پالیسی کے متعلق بایں الفاظ اعلان کیا تھا۔ کہ :۔

"ہماری پالیسی یہ ہے۔ کہ اس بات کی کوشش کی جائے۔ کہ نئی بھرتی کے معاملہ میں حتی الوسع پچاس فیصدی ملازمتیں مسلمانوں کو دی جائیں۔ اور پچاس فیصدی غیر مسلموں کو۔ اور اس میں سے سترہ فیصدی سکھوں کو اور تینتیس فیصدی باقیوں کو" (انقلاب ۱۹ر مارچ ۱۹۳۲ء ص۱)

اسی طرح بنگال گورنمنٹ، مدراس گورنمنٹ اور دوسری صوبجاتی حکومتوں کے طرز عمل کے متعلق بھی اسی قسم شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر یہ بتلانے کے لئے کہ سرکاری ملازمتوں میں مختلف فرقوں کا تناسب مقرر کرنا سیاست، انصاف اور ملکی مفاد کے خلاف نہیں۔ بلکہ نہایت ضروری اور مفید ہے یہ چند مثالیں بھی بہت کافی ہیں۔ اور یہ طرز عمل ان حکومتوں کا ہے۔ جو دیسی ریاستوں سے کہیں زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ ہیں۔ پس جب انگریز مدبر ہندوستانیوں کو حکومت میں حصہ دار بنانے کے لئے ان کا تناسب مقرر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تو کیا اگر مسلمانان کشمیر بھی اسی قسم کی پالیسی کے حق میں آواز اٹھائیں۔ تو مہاسبھائیوں کا ان کی مخالفت کرنا جائز ہوگا، اور کیا اس قسم کے منصفانہ اور عادلانہ مطالبہ کے خلاف واویلا کرنا درست ہو سکتا ہے؟

ہندو مہاسبھائیوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مسلمانان کشمیر جس قسم کی فرقہ داری کے حق میں آواز بلند کرتے ہیں وہ قابل اعتراض نہیں۔ بلکہ

مہاسبھائیوں والی فرقہ داری بیشک قابل اعتراض ہے

مہاسبھائیوں والی فرقہ داری محل اعتراض ہے جو ایک ہی قوم اور ایک ہی جاتی کو ملکی نظام کا اجارد

بنانے کی مؤید اور حامی ہے۔ اور جو اس امر کی خواہشمند رہتی ہے۔ کہ ایک ہی قوم کو حکومت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا کر دوسروں کو غلامی کی بیڑیوں میں جکڑ کر رکھے،

ہم حیران ہیں۔ کہ یہ لوگ مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ پر فرقہ وارانہ ذہنیت کا اعتراض کس مُنہ سے کرتے ہیں۔ جبکہ ان کا طرز عمل بھی اسی کے حق میں نظر آتا ہے۔ اور خود یہ بھی قدم قدم پر اسی قسم کی ذہنیت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں؟ کیا ان کی طرف سے گورنمنٹ پر زور نہیں دیا جاتا۔ کہ فلاں صوبہ میں ہندوؤں کا ملازمتوں میں اتنا تناسب مقرر کیا جائے۔ فلاں صیغہ میں ہندوؤں کو اتنی اسامیاں دی جائیں؟ جب یہ لوگ خود بھی اس قسم کے مطالبات کرتے رہتے ہیں۔ تو اگر مسلمانان کشمیر نے بھی اس قسم کا مطالبہ کر دیا۔ تو اس پر اعتراض کیوں؟

ہندو سبھائی بھی فرقہ وارانہ تناسب کا مطالبہ کیا کرتے ہیں

اگر یقین نہ ہو۔ تو ذیل کے دو[۲] ثبوت ملاحظہ فرما لیجئے:۔

لالہ دُنی چند ایم اے صدر استقبالیہ پراونشل ہندو کانفرنس امرتسر نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا تھا کہ:۔

"پولیس میں رنگروٹ بھیا کرو۔ پنجاب کے محکمہ پولیس میں مسلمان عنصر کا زور ہے۔ کہیں کہیں ہندو افسر ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ ماتحت عملہ زیادہ تر مسلمان ہے۔ اس لئے ہندو افسر کو ہمیشہ مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے ہمیں گورنمنٹ کے پاس عرضداشت کرنی چاہیئے۔ کہ **پولیس سروس میں ہندوؤں کا تناسب مسلمانوں کے برابر ہونا چاہیئے۔** محکمہ پولیس میں مسلمانوں کی کثرت ہندو قوم کے لئے سخت خطرہ ہے اور اس کے لئے پریس اور پلیٹ فارم سے ایجی ٹیشن ہونی چاہیئے۔ اگر ضرورت پڑے۔ تو ہمیں ڈیپوٹیشن بھی لے جانے چاہئیں۔ اور اسوقت

تک دم نہ لینا چاہیئے۔ جب تک ہماری دادرسی نہ کیجائے"۔ (ملاپ یکم جون ۳۵ء)

کیا مہاسبھائیوں کا یہ بیان مسلمانان کشمیر کے مطالبہ کی زوردار طریق پر تائید نہیں کر رہا؟ کیا ہندو کانفرنس کے استقبالیہ صدر کے یہ الفاظ اس امر کے بدیہی ثبوت نہیں کہ کشمیریوں کے جس مطالبہ کو یہ آج قابل اعتراض بتلاتے ہیں۔ وہی مطالبہ یہ خود بھی کر چکے ہیں۔

مہاسبھائیوں کا فرقہ دارانہ مطالبہ اپنے تناسب سے بھی زیادہ کا ہوتا ہے

نہیں نہیں۔ یہ وہی مطالبہ نہیں۔ بلکہ اُس سے کہیں زیادہ سخت اور نامنصفانہ مطالبہ ہے۔ کیونکہ مسلمانان کشمیر تو صرف اتنا مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ سرکاری ملازمتوں میں انہیں ان کی آبادی کے تناسب سے لیا جائے۔ مگر ہندو مہاسبھائیوں کا یہ مطالبہ پنجاب کے ۲۴-۲۵ فیصدی ہندوؤں کو ۵۶ فیصدی اسامیاں دلوانا چاہتا ہے، جو نہ صرف غیر منصفانہ ہے۔ بلکہ شرمناک بھی ہے۔

اے ناظرین مہاسبھائیوں کے اس مطالبہ کو سامنے رکھ کر خود ہی فیصلہ فرمائیں۔ کہ یہ لوگ کس ذہنیت کے مالک ہیں۔ اور انہیں انصاف اور ایمانداری سے کہانتک لگاؤ ہے۔

کس قدر حیرت اور تعجب کی بات ہے۔ کہ اگر مسلمانان کشمیر یہ کہیں۔ کہ ہمیں سرکاری ملازمتوں میں صرف اتنا حصہ دیا جائے۔ جتنی ہماری آبادی ہے۔ تو یہ لوگ ان کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ جائیں، اور اس کے خلاف اتنا طوفان بے تمیزی اٹھائیں۔ کہ گلینسی صاحب کو بھی گھبرا کر ان کے اس منصفانہ مطالبہ کو معرض تعویق میں ڈالنا پڑے۔ مگر خود یہی لوگ سٹیج پر کھڑے ہو کر گورنمنٹ سے ۴۲ فیصدی ہوتے ہوئے بھی ۵۶ فیصدی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اس کے منوانے کے لئے "ایجی ٹیشن" اور "ڈیپوٹیشن لے جانا" بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اس وقت تک دم نہیں لینا چاہتے۔ جب تک کہ ان ۴۲ فیصدی آبادی رکھنے والوں کو ۵۶ فیصدی حق نہ مل جائے،

یہی کیوں اور سُنئے ۔ اسی ہندو کانفرنس میں ایک اور رزولیوشن پاس کیا جاتا ہے جس میں صوبہ سرحد کے دفاتر میں تین چار فیصدی ہندوؤں کے لئے تیس چالیس فیصدی تناسب مقرر کروانا چاہتے ہیں۔ ان کے رزولیوشن کے اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔ اور ان کی عجیب وغریب ذہنیت سے واقف ہو جئیے :۔

"اس کانفرنس کی رائے میں صوبہ سرحدی میں ہندو اس وقت تک امن وچین سے بود و باش اختیار نہیں کر سکتے ۔ جب تک ہندوؤں کی کافی نیابت جوڈیشل اور ایگزکٹو لائنوں میں اور بالخصوص محکمہ پولیس میں نہ ہو"

اور یہ مطالبہ اس صورت میں کیا جاتا ہے ۔ جبکہ وہاں کے تین چار فیصدی ہندو ۲۵ فیصدی ملازمتوں پر قابض بھی ہیں ۔ جیسا کہ ذیل کے بیان سے ظاہر ہے :۔

"سرحدی علاقہ میں ۲۸ لاکھ میں سے ۱ ۳/۴ لاکھ ہندو آباد ہیں ۔ . . . تقریباً ۲۵ فیصدی ہندو سرکاری ملازم ہیں" (ملاپ ۲ رجون ۱۹۲۵ء ص۲)

کس قدر عجیب بات ہے ۔ کہ جس صوبہ میں تین چار فیصدی ہندو ۲۵ فیصدی حقوق حاصل کئے بیٹھے ہیں ۔ انہیں ہندو مہا سبھائی اور بھی کافی نیابت دلانا چاہتے ہیں ۔ اور اس کے لئے رزولیوشن پاس کرتے ہیں اور گورنمنٹ پر دباؤ ڈالتے ہیں ۔ کہ وہ وہاں کے مسلمانوں کا حق مار کر انہیں کا دوزخ بھرے ،

اور تعجب پر تعجب یہ ہے ۔ کہ اس قسم کے نامنصفانہ بلکہ غاصبانہ مطالبات کرتے ہوئے بھی آج بڑی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری سے کہا جاتا ہے ۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کا یہ مطالبہ کہ سرکاری ملازمتوں میں ان کو آبادی کی بنا پر حصہ دیا جائے قطعاً قابل قبول نہیں ۔ کیونکہ یہ قوم پرستی ، دیش ہت اور ملکی مفاد کے خلاف ہے ،

ہم انہی بے اصولے لوگوں سے پوچھتے ہیں ۔ کہ جب تم ۲۴ فیصدی ہندوؤں کے لئے ۵۶ فیصدی ملازمتیں مانگتے ہو ، اور سرحد کے ۴ فیصدی ہندوؤں کے لئے ۲۵ فیصدی

سے بھی زیادہ کے طالب ہو۔ تو مسلمانان کشمیر کے اس جائز اور مبنی بر انصاف مطالبہ کے متعلق کس دلیل اور برہان کی بنا پر یہ کہنے کی جرأت کرتے ہو۔ کہ ان کا مطالبہ قوم پرستی اور دیش ہت کے خلاف ہے ؟

کیا تمہارا مطالبہ اس لئے دیش ہت کے خلاف نہیں کہ وہ اپنی آبادی سے زائد نیابت پر مبنی ہے اور کشمیریوں کا مطالبہ اس لئے دیش ہت کے خلاف ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق غصب کرنے کی بجائے صرف اپنی آبادی کی بنا پر ہی ملازمتیں مانگتے ہیں ؟ اگر یہ بات نہیں۔ تو پھر مسلمانانِ کشمیر کے اس منصفانہ مطالبہ کے خلاف تمہارا رونا پیٹنا۔ ماتم کرنا اور ریاست کے ذمہ وار ارکان کو دھمکیاں دینا کیوں کر حق بجانب ہو سکتا ہے ؟

جب تم اپنے حق سے زیادہ ملازمتیں مانگنے میں کسی قسم کا حجاب محسوس نہیں کرتے جب تم دوسروں کے حقوق بھی ہتیا لینا جائز سمجھتے ہو۔ تو پھر تمہارا مسلمانان کشمیر کے اس منصفانہ مطالبہ کے خلاف ژاژ خائی کرنا کیونکر درست اور بجا سمجھا جائے ؟

خدا تعالےٰ کے فضل و احسان سے ہم نے ان کے فرقہ وارانہ تناسب پر کئے گئے اعتراض کا ایسا مسکت جواب دے دیا ہے۔ کہ آئندہ یہ اس کے خلاف تو لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتے ۔

مسلمانانِ کشمیر کو احمق ثابت کرنے کے لئے الزام تراشیاں

مگر پبلک کو دھوکہ دینے اور کشمیریوں کو اس کی نظروں میں احمق ثابت کرنے کے لئے یہ ضرور کہیں گے۔ کہ کشمیری صرف آبادی کی بنا پر ہی نیابت نہیں مانگتے۔ بلکہ وہ یہ بھی چاہتے ہیں۔ کہ فی صدی پورا کرنے کے لئے غیر مسلم گرایجویٹوں پر ادنیٰ لیاقت کے مسلمانوں کو ترجیح دی جائے۔ اور مسلمانوں کو بھرتی کرنے کے لئے لیاقت کا مطلق خیال نہ کیا جائے ، جیسا کہ ایڈیٹر اخبار پارس کے مندرجہ ذیل لفظوں سے ظاہر ہے :-

"مسلمانوں کے بعض مطالبات مضحکہ خیز طور پر احمقانہ ہیں۔ مثلاً انٹرنس پاس مسلمانوں کو گریجوائٹ غیر مسلمانوں پر ترجیح دی جائے۔ یعنی ایک گریجوائٹ غیر مسلم پروفیسر کی جگہ ایک میٹریکولیٹ (انٹرنس پاس) مسلمان کو پروفیسر مقرر کیا جائے۔ جو ایف اے کو درس دے!!! محض اس لئے کہ وہ مسلمان ہے۔ ایک اور مطالبہ یہ ہے۔ کہ تمام ملازمتوں میں فرقہ دارانہ نیابت قائم کی جائے۔ یعنی ریاست میں مستقل عناد کا بیج بونے کے علاوہ یہ اصول قائم کر دیا جائے۔ کہ فیصدی پورا کرنے کے لئے قابل ترین غیر مسلموں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو بھرتی کیا جائے۔ خواہ ان کی لیاقت بالکل صفر ہو۔" (اخبار پارس لاہور ۳۱۔ اکتوبر ۳۱ء صفحہ ۳)

یہ جو کچھ کہا کھلا کھلا افترا ہے

مگر یہ جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ کھلا کھلا افترا ہے ہم اس کھلے کھلے افترا کا تفصیلی جواب بھی دے سکتے ہیں۔ مگر فی الحال ہم ان لوگوں سے یہی پوچھنا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ مسلمانان کشمیر نے کہاں اس قسم کا مطالبہ کیا ہے۔ اور کس جگہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ "ایک گریجوائٹ غیر مسلم پروفیسر کی جگہ ایک میٹریکولیٹ مسلمان کو پروفیسر مقرر کیا جائے۔ جو ایف اے کو درس دے۔"

ایڈیٹر پارس یا تو ہمیں کشمیریوں کے میمورنڈم سے یہ فقرہ دکھلائے یا تسلیم کرے کہ اس نے کشمیریوں کو پبلک کے سامنے احمق ثابت کرنے کے لئے کذب بیانی سے کام لیا ہے۔ مگر ہمیں یقین ہے۔ کہ وہ اگر باقی تمام مہاسبھائیوں کو بھی ساتھ ملالے۔ پھر بھی کشمیریوں کی کسی تحریر یا تقریر سے اس مفہوم کا کوئی مطالبہ نہیں دکھلا سکتا۔ اور اسی طرح وہ یہ بھی نہیں دکھلا سکتا کہ مسلمانوں نے مہاراجہ صاحب بہادر سے یہ مطالبہ کیا ہو۔ کہ:۔

"فیصدی پورا کرنے کے لئے قابل ترین غیر مسلموں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو بھرتی کیا جائے۔ خواہ ان کی لیاقت بالکل صفر ہو"

کیونکہ اس قسم کے مطالبات مسلمانان کشمیر کے وہم اور خیال میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔ چہ جائیکہ وہ انہیں مہاراجہ صاحب بہادر کے سامنے پیش بھی کرتے،

اس میں شک نہیں۔ کہ مسلمانان کشمیر اپنی آبادی کے تناسب سے ملازمتیں مانگتے ہیں مگر وہ یہ نہیں کہتے کہ فیصدی پورا کرنے کے لئے غیر مسلم گریجوائٹوں پر ایسے مسلمانوں کو ترجیح دی جائے۔ جو لیاقت میں صفر ہوں۔ بلکہ وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو آبادی کی نسبت سے اسی شرط پر ملازمتیں دی جائیں۔ کہ وہ جن عہدوں یا اسامیوں پر متعین کئے جائیں وہ اس عہدہ یا اسامی کی لیاقت بھی رکھتے ہوں۔ ہاں یہ ضروری ہے۔ کہ ہر ایک اسامی یا عہدہ کے لئے معیار لیاقت اتنا ہی مقرر کیا جائے۔ جو اس کے لئے کافی ہو۔ یہ نہیں کہ کلرکی کے لئے گریجوائٹ ہونا شرط ہو۔ بلکہ اسی مسلمان کو کلرک بنایا جائے۔ جو انٹرنس پاس ہو۔ اسی طرح وہی مسلمان پروفیسر بنایا جاوے۔ جو بی اے یا ایم اے پاس ہو۔ مگر یہ نہیں۔ کہ وہ لنڈن یا جرمنی سے ڈگریاں بھی حاصل کئے ہوئے ہو،

اور ان کا ہر ایک اسامی کے لئے مناسب معیار قابلیت کی شرط پر ہی مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے ملازمتوں میں لئے جانے کا مطالبہ کرنا کسی طرح بھی "احمقانہ" نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اگر ہمیں اجازت دی جائے۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ جو شخص ان کے اس منصفانہ اور عاقلانہ مشروط مطالبہ کو احمقانہ مطالبہ بتلاتا ہے۔ وہ خود اپنا دماغی توازن کھو چکا ہے،

فرقہ دارانہ تناسب مقرر کروانے کی وجہ

ہم یہ بھی کہہ دیں۔ کہ مسلمانان کشمیر اپنی آبادی کی بنا پر ملازمتیں طلب کرنے کا کبھی مطالبہ ہی نہ کرتے اگر وہاں کے بعض ہندو عہدہ دار "عزیز پروری" کو ہی معیار قابلیت نہ سمجھ لیتے

کشمیر میں ایسے مسلمان کافی تعداد میں موجود ہیں۔ جو ذمہ واری کے عہدوں پر کام کر سکتے ہیں۔ جو نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ نظام حکومت کو چلا سکتے ہیں، مگر چونکہ ان کا واسطہ ایسے لوگوں سے آپڑا ہے۔ جو لیاقت کی بجائے "رشتہ داری" پر ہی زیادہ نظر رکھتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو مجبور ہو کر یہ مطالبہ کرنا پڑا۔ کہ ان کی ملازمتوں کے لئے تناسب مقرر کیا جائے، کیونکہ اگر ان کے لئے تناسب مقرر نہ کیا جائے۔ تو وہ اعلیٰ سے اعلیٰ قابلیت پیدا کرنے کے بعد بھی ملازمتوں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ کیونکہ وہ وہاں کے ارباب بست وکشاد کے ہم مذہب نہیں۔ رشتہ دار نہیں۔ اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ وہ مسٹر کلینڈ آئی سی۔ ایس کے مندرجہ ذیل بیان سے ثابت ہے:۔

مسٹر کلینڈ کی گواہی کہ ہندو افسر عزیز پروری سے کام لیتے ہیں

"کشمیری پنڈت عام طور پر ریاست کی ملازمت کرتے ہیں۔ اور بالکل قدرتی طور پر ہر ایک سرکاری افسر یہی کوشش کر رہا ہے۔ کہ اسکے اپنے ہی رشتہ دار کو ملازمت ملے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ مسلمان جہاں بھی جاتا ہے۔ وہاں ہی اُسے ایک ہندو افسر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ دیہات کے سکولوں کے سکول ماسٹر ہندو ہی ہوتے ہیں اور عام طور پر برہمن ہوتے ہیں۔ ڈاک کے ہرکارے مسلمان ہوتے ہیں۔ لیکن پوسٹماسٹر ہندو ہوتا ہے۔ اور گورنمنٹ (کشمیر) کے ہر صیغہ میں یہی حالت ہے"۔ (اخبار دیر بھارت ۳۰ مارچ ۳۲ء)

اب جو لوگ مسلمانوں کے اس حق و انصاف پر مبنی مطالبہ کو بھی مسخ صورت میں پبلک کے سامنے پیش کر کے بدزبانی سے کام لیتے ہیں۔ کیا وہ اپنے ان ہم مذہبوں کے خلاف کوئی لفظ یا کلمہ زبان سے نکالنے کی جرأت کریں گے؟ کیا جہاں سرکاری ملازمتوں

میں "رشتہ داری" ہی معیار قابلیت ہو۔ وہاں قابل سے قابل مسلمانوں کو بھی حکومت کے کاموں میں حصہ لینے کا موقعہ مل سکتا ہے؟

چونکہ بقول مسٹر سٹر کلینڈ وہاں ملازمتوں میں رشتہ داری کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانان کشمیر مجبور ہیں۔ کہ اپنے لئے تناسب مقرر کروائیں،

کیونکہ اگر اس قسم کی ذہنیت سے انہیں دوچار نہ ہونا پڑتا۔ تو وہ کبھی بھی فرقہ وارانہ تناسب پر زور نہ دیتے، اور اپنی قابلیت اور لیاقت کے بل پر ہی بہت سی اسامیوں اور عہدوں پر قابض ہو جاتے۔ مگر چونکہ وہ ہندو افسروں کے رشتہ دار نہیں، عزیز اور قریبی نہیں۔ اس لئے وہ بغیر تناسب مقرر کروائے ملازمتوں میں حصہ لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اس قسم کے حالات پر نظر کرتے ہوئے ہر ایک انصاف پسند، مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کو جائز، درست اور ضروری ٹھہرائے گا۔ یہی کیوں بلکہ ریاست کے ارباب بست و کشاد پر زور بھی دیگا۔ کہ وہ سرکاری ملازمتوں میں حصہ لینے کے لئے ہر ایک فرقہ اور جماعت کا اس کی آبادی کی بنا پر تناسب مقرر کریں۔ تا کہ آئندہ کے لئے کسی قوم اور جماعت کے دل میں بھی بے چینی اور بے اطمینانی پیدا نہ ہو۔

یہ ثابت کر دینے پر کہ مسلمانان کشمیر کا آبادی کی بنا پر سرکاری ملازمتوں میں حصہ پانے کا مطالبہ انصافاً، قانوناً اور سیاستاً ہی جائز نہیں بلکہ برٹش گورنمنٹ اور ہندو مہاسبھائیوں کے طرز عمل سے بھی ثابت ہے۔ اب ہم ان کے اسمبلی قائم کئے جانیوالے مطالبہ کو لیتے ہیں۔ اور بتلاتے ہیں۔ کہ جس طرح مہاسبھائیوں کا مسلمانان کشمیر کے متذکرہ بالا مطالبہ کو دلیش ہت اور ملکی مفاد کے خلاف بتلانا غلط اور بے بنیاد ہے۔ اسی طرح اسمبلی کی مخالفت کرنا بھی کسی معقولیت پر مبنی نہیں۔

کیا ریاست میں اسمبلی قائم کئے جانے کا مطالبہ جائز نہیں؟

جب ہم مسلمانان کشمیر کے مطالبۂ اسمبلی پر دہا سبھائیوں اور کانگرسیوں کی مخالفانہ چیخ و پکار کو دیکھتے ہیں۔ تو ہمارے تعجب کی انتہا نہیں رہتی۔

کچھ عرصہ قبل خود دہا سبھائی بھی اسمبلی کے قیام کے حق میں تھی

کہ یہ لوگ؟ اسمبلی کی مخالفت کرتے ہیں جو آج سے کچھ عرصہ پہلے خود ہی والیان ریاست کو نیابتی حکومت قائم کرنیکے مشورے دیا کرتے تھے، جو ریاستی پرجا کو جمہوری نظامِ حکومت کی خوبیاں بتلایا کرتے تھے، جو مہاراجہ صاحب کشمیر کو بھی اپنے ہاں اسمبلی قائم کرنے کی ضرورت جتلایا کرتے تھے۔ اور زور دیا کرتے تھے۔ کہ ریاست کا اسی میں فائدہ ہے۔ کہ اس کا نظام حکومت جدید طرز پر قائم کیا جائے[۱]

ہم حیران ہیں۔ کہ آج انہی لوگوں کی طرف سے ریاست کشمیر میں اسمبلی قائم کی جانے کی مخالفت ہوتی ہے۔ جو شخصی حکومت پر جمہوری حکومت کو ترجیح دیا کرتے تھے، جو نیابتی طرز کے نظام حکومت ہی کو ملک کے لئے مفید اور بہتر قرار دیا کرتے تھے؟ کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے۔ کہ جو لوگ یہ کہہ کہہ کر ہمارا دماغ چاٹتے رہے۔ کہ آج تہذب دنیا نے جس قسم کے نیابتی نظام حکومت کو باقی ہر قسم کے نظام ہا حکومت سے زیادہ مفید اور بہتر قرار دیا ہے۔ اس کے بانی اور موجد ہمارے ہی رشی۔ منی اور نیتی دان تھے۔ آج وہی لوگ اس قسم کے نظام حکومت کو کشمیر میں رائج کرنے میں روک بن رہے ہیں؟

اگر ان کا یہ کہنا اور اس پر اترانا کسی حقیقت پر مبنی ہے۔ کہ دنیا میں جمہوری

نظام حکومت کے بانی ہندو ہی تھے۔ اور ان کے وید، ان کے شاستر، ان کی سمرتیاں، ان کے نیتی گرنتھ اسی قسم کے نظام حکومت کی تائید کرتے ہیں۔ اور اسی کو قوم اور ملک کے لئے باعث فلاح بتلاتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ آج ان کتابوں کو ماننے والے، ان کی تعلیم کو سر آنکھوں پر رکھنے والے، یہ کہنے میں قطعاً حجاب محسوس نہیں کرتے۔ کہ ریاست جموں و کشمیر میں اسمبلی قائم کرنے کی ضرورت نہیں؟

جب بقول ان کے وید اور شاستر نیابتی حکومت ہی کو بہتر اور مفید بتلاتے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ان کتابوں کو ایشوری واک اور رشیوں کی بانی ماننے والے آج مسلمانان کشمیر کے اس ضروری، جائز اور مفید مطالبہ کی مخالفت کرتے ہیں؟

یا تو یہ لوگ اعلان کریں۔ کہ ان کے مصنفوں، مضمون نگاروں، اور تاریخ دانوں نے ویدوں، شاستروں، اتہاسوں اور نیتی گرنتھوں کے حوالے دے دے کر جو یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ نیابتی طرز کی حکومت کے بانی اور مخترع ہندو ہی تھے۔ وہ غلط اور سر تا پا غلط اور نری نابیں تابیں تھی۔ اور اگر وہ ایسا کہنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ تو پھر مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ کہ ہماری ریاست میں بھی نیابتی طرز کی حکومت قائم کی جائے۔ اور رعایا کے منتخب نمائندے ایک جگہ جمع ہو کر اپنے ملک کی ترقی و فلاح کے لئے تجویزیں سوچیں اور اپنے والی اور حکمران کو ایسے مشورے دیں۔ جو ملک و ملت کے لئے مفید اور باعث ترقی ہوں؟

اگر کشمیر میں نیابتی حکومت جائز نہیں تو برطانوی ہند کیلئے کیوں ضروری ہے؟

اگر مسلمانان کشمیر کا یہ مطالبہ جائز نہیں تو پھر مہا سبھائی اور کانگرسی ہندو پنجاب میں کیوں اس قسم کی حکومت جائز سمجھتے ہیں، ملک کے باقی صوبوں میں کیوں اس طور کا نظام حکومت ضروری سمجھتے ہیں۔ مرکزی حکومت میں کیوں اسمبلی کا وجود لابدی خیال کرتے ہیں۔ اگر اس قسم کا نظام حکومت اپنے

لئے اپنے ملک کے لئے اپنی قوم کے لئے جائز، ضروری اور لابدی سمجھتے ہو۔ تو اگر کشمیر میں بھی اس قسم کی نیابتی حکومت قائم کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔ تو کس بنا پر اسے ناجائز ٹھہراتے ہو؟ جب تم خود ہی یہ کہا کرتے ہو۔ کہ برطانوی ہند کے علاوہ ریاستوں میں بھی اس قسم کا نظام حکومت قائم ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ دیوان بہادر شری رام چندر راؤ صدر دیشی راجیہ پریشد (بمبئی) کے مندرجہ ذیل لفظوں سے ظاہر ہے کہ:۔

دیوان بہادر رام چندر کے نزدیک ریاستوں میں نیابتی حکومت کے بغیر اصلاح ناممکن

"جب تک (ریاستوں کے) نظام حکومت میں رعایا کو زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ اس وقت تک اصلاح ناممکن ہے۔ اور اس کا اصل الاصول یہ ہے۔ کہ دھارا سبھا (نمائندہ کونسل) رعایا کے سامنے ذمہ دار ہو۔ جب تک یہ نہ ہو گا۔ حالات کی اصلاح مشکل ہے۔"

(رسالہ تیاگ بھومی اجمیر جلد ۱ ص ۳۶۱)

تو پھر کس منہ سے یہ کہتے ہو کہ مسلمانان کشمیر کا یہ مطالبہ دلش ہت اور ملکی مفاد کے خلاف ہے؟

ویدک زمانہ سے مہا بھارت تک نیابتی حکومت کا رواج

جب تمہارے ہی بزرگ اور آچاریہ وید اور شاستروں کی بنا پر ہمیں بتلاتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں ویدک کال سے لیکر مہا بھارت کے زمانہ تک نیابتی حکومت ہی کا رواج رہا۔ جیسا کہ سوامی دیانند کے مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے۔ تو پھر آج کس دلیل کی بنا پر کشمیر میں اس قسم کے نظام حکومت کی مذمت کرتے ہو؟

"حکومت کے لئے ایک شخص کو کبھی راجہ نہیں ماننا چاہیئے۔ کیونکہ جہاں ایک

کوراجہ مانتے ہیں۔ وہاں ساری رعایا دکھی اور اس کے پدارتھوں (اسامان خوشحالی) کی تباہی ہوتی ہے۔ اس لئے کسی کی بھی ترقی نہیں ہوتی۔ اسی طرح سبھا کر کے (اسمبلی قائم کر کے) سلطنت کا کام چلانا آریوں میں شرمن مہاراجہ یدھشٹر تک برابر چلا آیا ہے۔ کہ جس کی گواہی مہابھارت کے راج دہرم وغیرہ گرنتھ اور منوسمرتی وغیرہ شاستروں سے ملتی ہے۔"

(گویدآدی بھاش بھومکا ہندی ص۲۴۶)

ویدوں کی رو سے نیابتی حکومت ہی خوشحالی کا موجب ہے

جب تمہارے ہی نامی گرامی پنڈت وید منتروں کے حوالے نقل کر کر کے ہمیں بتلاتے ہیں کہ:۔

"جس حکومت میں لوک سبھا (نمائندہ اسمبلی) ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ وہاں کا نظام حکومت چلایا جاتا ہے۔ وہاں راجہ کو اور رعایا کو یعنی کسی کو بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔"

(بحوالہ اتھروید کانڈ ۷ سوکت ۱۲ منتر ۱ از ویدامرت ص۲۹۹ مصنفہ پنڈت دامودر ساتولیکر)

تو پھر اس قسم کی طرز حکومت اگر کشمیر میں بھی قائم ہو جائے۔ تو ویدوں کو ایشوری گیان ماننے والے کیوں اس کی مخالفت کرتے ہیں؟

جب اس قسم کا نظام حکومت بقول ہندو پنڈتوں کے ویدوں اور شاستروں ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ تو ایسی حالت میں مہاسبھائیوں کو خوش ہونا چاہیئے۔ کہ مسلمانان کشمیر بھی ایسے ہی نظام حکومت کو پسند کرتے ہیں۔ جس کی ویدوں اور شاستروں نے تعلیم دی۔ نہ کہ وہ اس پر ناک بھوں چڑھائیں؟

کشمیریوں کے مطالبہ کی ویدک لٹریچر اور مہذب حکومتیں بھی تائید کرتی ہیں

جب مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی وید تائید کرتے ہیں، شاستر تائید کرتے ہیں،

سمرتیاں تائید کرتی ہیں، نیتی گرنتھ تائید کرتے ہیں، ویداتہاس تائید کرتا ہے از مانہ حال کے پنڈت تائید کرتے ہیں، دور حاضرہ کی مہذب حکومتوں کا طرز عمل تائید کرتا ہے۔ تو پھر کس طرح ہم سمجھ لیں۔ کہ مہا سبھائیوں کا اس مطالبہ کو دیش ہت، قوم پرستی اور ملکی مفاد کے خلاف بتلانا درست اور بجا ہے؟

آخر ہندو مہا سبھائی ہمیں بتلائیں تو سہی۔ کہ مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی مخالفت کس دلیل اور برہان کی بنا پر کی جاتی ہے، کیا کشمیری انسان نہیں ہیں؟ اگر انسان ہیں اور یقیناً ان سے بہتر انسان ہیں تو کیا وجہ ہے۔ کہ ان کے اس مطالبہ کی مخالفت کی جائے؟

اسمبلی کیخلاف مہا سبھائیوں کی ایک لغو دلیل اور اس کا جواب

اگر کہا جائے۔ کہ ہم ان کے اس مطالبہ کی اس لئے مخالفت کرتے ہیں۔ کہ وہ ابھی اس قسم کے نظام حکومت کو چلانے کے اہل نہیں تو ایسی تھوتھی اور پوچ دلیلیں دینے والے اس بات کا بھی جواب دیں۔ کہ کیا ہندوستان

کے ۲۴ کروڑ باشندے نیابتی حکومت کے اہل ہیں؟ اگر کہا جائے۔ کہ کشمیریوں کی تعلیمی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ تو کیا برطانوی ہند کے باشندوں کی تعلیمی حالت اجازت دیتی ہے؟ اگر کشمیری تعلیمی پسماندگی کی وجہ سے نیابتی حکومت کے اہل نہیں سمجھے جاسکتے تو برطانوی ہند کے باشندے کس طرح اس کے اہل اور یوگیہ سمجھے جاسکتے ہیں؟ جب کہ تم خود مانتے ہو۔ کہ:۔

"آجتک صرف دس فیصدی ہندوستانی لکھناپڑھنا جانتے ہیں"

(مسٹر ستیہ مورتی کا مضمون۔ اخبار پرتاپ ۱۱ ستمبر ۱۹۲۵ء ص ۹)

کیوں صاحب! جس ملک کی ۹۰ فیصدی آبادی نراکھشر اور بے علم ہو۔ اُسے تو نیابتی حکومت کا اہل سمجھ لیا جائے۔ مگر کشمیریوں کو اس کا اہل نہ سمجھا جائے۔ جو اپنی ذہانت و ذکاوت میں ان سے بھی پیش پیش ہیں۔

یہ اس قسم کی لغو دلیلیں دے کر ہندوستانی مفاد کو نقصان پہنچاتے ہیں

ہم جس وقت ان لکھے پڑھے لوگوں کو اس قسم کی لغو اور بیہودہ باتیں زبان سے نکالتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ تو بے اختیار سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ کہ یہ لوگ مسلمانان کشمیر کی مخالفت میں ایسی باتیں بھی کہنے سے باز نہیں رہتے جو خود ہندوستان کے مفاد کے بھی خلاف ہیں۔ اور جن کو بدنیتی لوگ ہندوستانیوں کے خلاف بطور دلیل کے استعمال کر سکتے ہیں۔

کیونکہ یہ اس قسم کی لچر اور پوچ باتوں سے غیر ملکیوں پر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ہندوستانی ابھی سوراج کے اہل نہیں۔ کیونکہ جب ان کے نزدیک سیلف گورنمنٹ یا نیابتی حکومت کے وہی اہل ہو سکتے ہیں۔ جو تعلیم سے مالا مال، مہذب اور ترقی یافتہ ہوں۔ تو اس کی رُو سے ہندوستانی کئی صدیوں تک بھی سوراج یا نیابتی حکومت کے اہل نہیں قرار دئے جاسکتے۔ کیونکہ ابھی ان کی ۹۰ فیصدی آبادی تعلیم سے محروم ہے۔ ما

ہمیں یاد ہے۔ کہ جس وقت ملک کی طرف سے اصلاحات کا مطالبہ ہو رہا تھا۔
اور گورنمنٹ پر نیابتی حکومت کے لئے زور دیا جا رہا تھا۔ اس وقت ہندوستانیوں کے
خلاف اسی قسم کی دلیلوں سے کام لیا جاتا تھا۔ اور بیرونی دنیا کو باور کرایا جاتا تھا۔ کہ
ہندوستانیوں کا یہ مطالبہ درست نہیں۔ کیونکہ یہ بوجہ کمی تعلیم اس کے ابھی اہل نہیں۔

لکھنؤ کانگرس کے ہندو صدر کا جواب کہ تعلیم نیابتی حکومت کیلئے لازمی شرط نہیں

مگر ساتھ ہی ہمیں ۱۹۱۶ء کی لکھنؤ کانگرس کے ہندو صدر کا وہ فقرہ بھی یاد ہے۔ جو اس قسم کے فضول گو معترضوں کی تردید میں اس نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا تھا۔ کہ :-

"سیلف گورنمنٹ کی قابلیت کے لئے تعلیم کا عام ہونا لازمی نہیں ہے۔ پس جو لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ یہاں تعلیم کی قلت ہے۔ اس لئے سیلف گورنمنٹ نہیں ملنی چاہیئے۔ غلطی پر ہیں"

پھر اس کی تائید میں تاریخی شہادت بھی دلائی تھی کہ :-

"چارلس اوّل کے عہد میں انگلستان کی تعلیمی حالت کیا تھی۔ کیا میگنا کارٹا (نیابتی حکومت کا پروانہ) ان لوگوں نے حاصل نہیں کیا۔ جو اپنے دستخط صرف لکیریں کھینچ کر یا نشان بنا کر کرتے تھے .... پس تعلیم سیلف گورنمنٹ کو مدد دیتی ہے۔ **لیکن وہ اس کے لئے لازمی شرط نہیں ہے۔**" (اخبار مسافر آگرہ ۵ جنوری ۱۹۱۷ء صہ)

محولہ فوق اقتباس پڑھ لینے کے بعد مہا سبھائی اور کانگرسی معترض بتلائیں۔ کہ ان کے نزدیک یہ بشی معترض ہندوستانیوں کے خلاف اس قسم کا اعتراض کرنے میں حق بجانب تھے؟ اگر کہئے نہیں، تو پھر انہی کاپس خوردہ کشمیریوں کے خلاف کیوں اگلتے ہو؟

اور اگر کہا جائے۔ کہ ان کا اعتراض درست اور بجا تھا۔ تو پھر تم خود برٹش گورنمنٹ سے سوراج یا نیابتی حکومت کا مطالبہ کیوں کرتے ہو؟ اور اگر ۱۹۱۶ء کی لکھنؤ کانگرس کے ہندو صدر کا جواب ہی درست ہے۔ اور یقیناً یقیناً درست اور بجا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ مسلمانانِ کشمیر کی طرف سے بھی یہی جواب کافی نہ سمجھا جائے؟

ہندو دھا بھائی مسلمانان کشمیر کے اس جائز اور واجبی مطالبہ کے خلاف جو چاہیں کہیں۔ مگر ابھی ان کی قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اس قسم کی اندھی مخالفت کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اور یہ کہہ کہہ کر اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑا مارنے کیلئے تیار نہیں۔ کہ چونکہ کشمیری تعلیم میں پسماندہ ہیں۔ اس لئے وہ نیابتی حکومت کے اہل نہیں اور ہمیں علم ہے۔ کہ ایسے ہی سمجھدار اور مآل اندیش اصحاب نے ہندوستانی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کشمیریوں کے اس مطالبہ کی تائید بھی کی تھی۔ جیساکہ ذیل کے اقتباسات سے ظاہر ہے:۔

ایڈیٹر تیاگ بھومی کا تائیدی نوٹ

"ہم پہلے آدمی ہیں جو چاہتے ہیں۔ کہ کاشمیر میں جلد سے جلد ذمہ دار حکومت قائم کی جائے"

(تیاگ بھومی اجمیر ۲۳ر اکتوبر ۱۹۳۱ء صہ)

ایڈیٹر ویر بھارت کی تائیدی شہادت

"مسلمانان کشمیر کا یہ مطالبہ بہت حد تک وزن دار ہے۔ کہ ریاست میں رعایا کے منتخب نمائندوں کی ایک اسمبلی قائم کی جائے۔ اور وزارت کو اسمبلی کے سامنے ذمہ دار بنایا جائے"[۱]

یہی نہیں بلکہ جو لوگ سمجھتے تھے۔ کہ اگر مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی تائید نہ کی گئی۔ تو اس قسم کی دلیلوں سے ہندوستانیوں کے خلاف بھی کام لیا جائے گا۔ اس لئے

[۱] ویر بھارت ۲۳ر اکتوبر ۱۹۳۱ء صہ

انہوں نے ان لوگوں کو جھاڑا بھی۔ جیسا کہ اخبار مشیر لاہور کے ہندو ایڈیٹر کی مندرجہ ذیل معقول ڈانٹ ڈپٹ سے ظاہر ہے:۔

لالہ بسوا ناتھ وڈہیرہ ایڈیٹر مشیر کی ہندو مہاسبھائیوں کو ڈانٹ اور مطالبہ اسمبلی کی تائید

"آج کے اخبار میں کسی دوسری جگہ ہندو یووک سبھا جموں کی وہ قرار دادیں درج ہیں۔ جو اس کے زیر اہتمام ہندوؤں کے ایک عام اجلاس منعقدہ مندر دیوان جوالا سہائے بتاریخ ۵ رہاڑ سمت ۸۸ زیر صدارت لالہ رام ناتھ پاس کی گئیں۔ ان میں ایک قرار داد اس مطلب کی ہے۔ کہ ریاست میں اسمبلی ہرگز نہ بنائی جائے۔ اس ریزولیوشن میں ہندو نوجوانوں نے جس پوشیدہ اور عجیب وغریب ذہنیت کا اظہار کیا ہے۔ اسے دیکھ کر ہر باسمجھ ہندو کو جو رفتار زمانہ سے ذرہ بھی واقفیت رکھتا ہے۔ شرم (دائیگی) اور تعجب ہوگا۔ فی زمانہ یہ ایک مسلّم الثبوت حقیقت ہے۔ کہ وہی افراد اپنے لئے بہترین قوانین بنانے کا حق رکھتے ہیں۔ جن پر ان قوانین کا اطلاق ہوتا ہے۔ محض کسی ایک شخص کو خواہ وہ کتنا ہی عاقل کیوں نہ ہو۔ یہ حق ہرگز نہیں۔ کہ وہ ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کے لئے ان سے بلا پوچھے محض اپنی مرضی کے مطابق قانون بنادے اس اصول کی بنا پر ہر مہذب و متمدن ممالک میں حکومت کو رعایا کی مرضی اور ضروریات کے مطابق چلانے کے لئے اسمبلیاں اور پارلیمنٹ قائم ہیں۔ جن میں رعایا کے نمائندے رعایا کی حسب خواہش قانون بناتے ہیں۔ لیکن وائے بر حال۔ ہمارے نوجوان اس مفید اور صحت افزا

اصول کا نام سُن کر بھی گھبرا اٹھتے ہیں۔ ان کی قدامت پسندی نہیں۔ بلکہ رجعت پسندی ہے۔ جو ان کی حالات زمانہ سے عدم واقفیت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔

ہو سکتا ہے۔ کہ موجودہ فرقہ وارانہ کشیدگی نے ان کے دلوں میں یہ خیال جاگزیں کر دیا ہو۔ کہ اگر ریاست میں اسمبلی قائم کی گئی تو مسلمان نمائندگان کی اکثریت اس پر غالب ہو جائیگی۔ جس سے ہندو مفاد کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہوگا۔ لیکن اس کا حل تو کئی اور طریقوں سے ہو سکتا تھا۔ نہ کہ اسمبلی ہی کو سرے سے اڑا دینے میں۔ اگر ہندوؤں کو مسلمان اکثریت کا اندیشہ ہے۔ تو اس کے لئے مناسب تحفظات تجویز کئے جا سکتے ہیں نمائندگان کی قابلیت کا معیار قائم کیا جا سکتا ہے۔ اور مخلوط انتخاب کا طریقہ آزمایا جا سکتا ہے۔ سر جیفور سٹر ٹیفکیشن کے اختیارات برت سکتے ہیں لیکن یہ کس قدر متضاد باتیں ہیں۔ کہ ایک طرف تو وہ ان قوانین سے نالاں ہیں۔ جو انہوں نے خود وضع نہیں کئے ہیں۔ اور جب ان کو اپنے لئے قوانین بنانے کے اختیارات دئے جاتے ہیں۔ تو وہ اپنے ہمسائیوں کی خود غرضیوں (۹) سے ڈر کر اسے لینے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم ہندو یووک سبھا کی اس منطق کو سمجھنے سے معذور ہیں۔"

(اخبار شیر ۲۲ جون ۱۳۳۱ء ص۷)

یہی نہیں ہم اس مطالبہ کی تائید میں اور بھی بہت سی دلائل اور تائیدی شہادتیں پیش کر سکتے ہیں۔ مگر چونکہ اس مختصر سے رسالہ میں زیادہ کی گنجائش نہیں۔ اس لئے مجبوراً انہی پر اکتفار کی جاتی ہے اور ہمارے نزدیک تو مسلمانان کشمیر کے اس جائز مطالبہ کی تائید میں یہ بھی بجائے خود بہت کافی ہیں۔ اور ان کا مطالعہ کرنے والا ہر ایک شخص معلوم کر سکتا ہے۔ کہ مسلمانان کشمیر کے مطالبات کتنے معتدل، معقول، منصفانہ اور ملک و قوم کیلئے

مفید اور ضروری ہیں۔ اور ہندو مہا سبھائیوں کا ان کے خلاف طوفان مخالفت بپا کرنا کس قدر نامعقول اور غیر مستحسن فعل ہے۔ اور ہم خوش ہیں۔ کہ گلینسی کمیشن اور خود مہاراجہ صاحب بہادر نے بھی مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی معقولیت اور ضرورت پر مُہر تصدیق ثبت فرمائی۔ اور ہمیں امید ہے۔ کہ یہ اس وقت جس شکل و صورت میں منظور کیا گیا ہے۔ اس میں جلد ہی اور بھی وسعت پیدا کر دی جائے گی جس کے کہ مسلمانان کشمیر خواہاں ہیں۔

اب اس کے بعد ہم مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ کہ ریاست کے ہر ایک باشندے کو مذہب اور ضمیر کی پوری پوری آزادی حاصل ہونی چاہیئے۔ اور تبدیل مذہب پر اُسے جدی جائداد سے محروم نہ کیا جائے۔

آزادیٔ مذہب اور تبدیلِ مذہب پر

ضبطی جائداد کے قانون کی تنسیخ کا مطالبہ

مطالبہ ہذا کی پانچ شقیں مذہب اور ضمیر کی آزادی کے متعلق جو مطالبہ مسلمانانِ کشمیر نے کیا تھا۔ اسکے پانچ حصے ہیں:۔

اوّل۔ یہ کہ ریاست کے بعض ہندو عہدہ دار اشاعت اسلام کے راستہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔ انہیں باز رکھنا چاہیئے۔ **دوم**۔ بعض اوقات مسلمانوں کے شعائر اسلامی کی توہین کر کے ان کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگاتے ہیں۔ آئندہ اُن کو منع کیا جائے۔ **سوم**۔ مسلمانان کشمیر کے کئی معابد اور مقابر پر ریاست نے قبضہ کر رکھا ہے۔ وہ واپس کئے جائیں۔ **چہارم**۔ جن جانوروں کے گوشت کو ان کے مذہب نے حلال قرار

دیا ہے۔ چونکہ ان کا فیصلہ کرنا ریاست نے قابل تعزیر ٹھیرایا ہوا ہے۔ اس لئے آئندہ وہ قابل تعزیر نہ رہیں۔ **پنجم** ۔ اگر کوئی شخص مذہب تبدیل کرے تو اسے جدی جائداد سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ آئندہ اُسے اس قسم کی سزا سے بچایا جائے، کیونکہ یہ پانچ باتیں ضمیر اور مذہب کی آزادی کے سخت منافی ہیں۔

اس میں سے پہلی شق کے متعلق تو مہاراجہ صاحب بہادر نے اعلان فرمایا ہے کہ:۔

پہلی شق منظور "اگر پولیس یا اور کوئی سرکاری عہدیدار یا رعایا میں سے کوئی شخص تبدیل مذہب کرنے والوں یا تبدیل کا ارادہ رکھنے والوں کو خوفزدہ کرے۔ تو ان کی سختی سے گوشمالی کی جائے۔ اور ان کو سخت سزا دی جائے۔" (ترجمہ گلینسی رپورٹ ص۱۳۸)

دوسری شق کے متعلق بھی آپ نے یہی فرمایا ہے۔ کہ

دوسری شق منظور "تمام افسران متعلقہ کا فرض ہوگا۔ کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں۔ کہ اس نوعیت کے ہر اشتعال انگیز فعل کا بلالحاظ مذہب و ملت سختی کے ساتھ نوٹس لیا جائے۔ ہائیکورٹ کو اپنی ماتحت عدالتوں کے نام یہ ہدایات صادر کرنا چاہئیں۔ کہ ان تمام مقدمات میں جن میں توہین مذہب کے ارتکاب کا ثبوت مہیا کیا جائے۔ مجرمین کو ایسی سزائیں دی جائیں۔ جن سے مجرمین کو یقین ہو جائے۔ کہ انہوں نے کس قدر سنگین جُرم کا ارتکاب کیا ہے۔" (۔۔ ص۱۳۸)

تیسری شق منظور تیسری شق کے متعلق بھی مہاراجہ صاحب بہادر نے یہی فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ:۔

"کمیشن نے معابد و مقابر کی واپسی کے متعلق جو سفارشات کی ہیں۔ ان کی پوری پوری تعمیل کی جائے۔"

چوتھی شق ملتوی چوتھی شق کے متعلق چونکہ خود مسلمانانِ کشمیر نے ہی رواداری کے خیال سے زیادہ زور نہیں دیا۔ اس لئے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔

پانچویں شق نامنظور رہی پانچویں شق کہ تبدیل مذہب پر کسی کو جدی جائداد سے محروم نہ کیا جائے۔ سو چونکہ زیادہ تر اسی کے خلاف ہندو مہا سبھائیوں نے طوفان بے تمیزی کھڑا کیا تھا۔ اور ریاست کو طرح طرح کی دھمکیاں دی تھیں؛ اس لئے مسلمانانِ کشمیر کے اس معقول مطالبہ کی پانچویں شق منظور نہ ہو سکی۔

پانچویں شق کی منظوری سبھی قوموں کیلئے مفید تھی حالانکہ جس طرح باقی شقیں معقولیت پر مبنی تھیں اسی طرح یہ بھی حق و انصاف پر مبنی تھی، اور اس کا فائدہ صرف مسلمانوں ہی کو نہیں۔ بلکہ ریاست کے ہر فرقہ اور جماعت کو پہنچتا تھا۔ مگر افسوس کہ ہندو مہا سبھائیوں نے تنگ نظری سے کام لیتے ہوئے بغیر کسی معقول وجہ کے اس کی مخالفت کرنا ضروری سمجھا۔ اور مخالفت میں اتنی شدت اختیار کی کہ الامان و الحفیظ!

مہاسبھائی پہلے اس قانون سے ہی انکار کرتے رہے پہلے تو یہ لوگ پبلک کو یہی یقین دلاتے رہے۔ کہ ریاست میں ایسا کوئی قانون نہیں جو تبدیلیٔ مذہب پر ضبطی جائداد کی سزا دیتا ہو جیسا کہ لالہ گلاب چند ایم اے ایڈووکیٹ دہلی کے مندرجہ ذیل الفاظ سے عیاں ہے۔ جو انہوں نے ہندو سبھا کے جلسہ منعقدہ دہلی میں کہے۔ کہ

"گورنمنٹ کے حامی مسلمانوں نے شملہ میں سر ذوالفقار علی خاں کی کوٹھی میں میٹنگ کر کے یہ شرارت پھیلائی ہے۔ اور ناجائز مطالبات پیش

کر کے گورنمنٹ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً کشمیر کے مسلمانوں کے ضمیر کو کچل دیا گیا ہے۔ اگر وہاں کوئی ہندو مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کی جائداد ضبط کر لی جاتی ہے۔ وغیرہ۔ **لیکن ایسا کوئی قانون کشمیر میں نہیں ہے۔"**

(ملاپ ۱۲؍اگست ۳۱ئہ صد ۶)

حالانکہ یہ نرا پروپیگنڈا تھا جو صداقت اور حقیقت سے کوسوں دور تھا۔ کیونکہ ریاست میں کئی ایسے واقعات ظہور میں آچکے تھے۔ کہ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کی جائداد ضبط کر لی گئی۔ مگر چونکہ ان لوگوں کا مقصد اصل حقائق سے پبلک کو ناواقف رکھنا تھا۔ اس لئے اس قسم کا پروپیگنڈا کرتے رہے۔

جب مسلمانوں نے تبدیل مذہب پر ضبطی جائداد کی تنسیخ کا مطالبہ کیا تو مہاسبھائی چلا اُٹھے

مگر چونکہ یہ حقیقت تھی اور امر واقع اس لئے جب یہ معاملہ گلینسی کمیشن کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو ہندو مہاسبھائی بلبلا اُٹھے۔ اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اگر گلینسی کمیشن نے اس معاملہ کے متعلق غور بھی کیا۔ تو ہم اس کمیشن ہی کا بائیکاٹ کر دیں گے، حالانکہ اگر ایسا کوئی قانون ہی نہ تھا۔ تو ان کا گلینسی کمیشن کو یہ دھمکی دینا کیا معنی رکھتا تھا۔ کہ اگر اس نے زیر تحقیق معاملات میں اسے بھی رکھا تو ہم اس کا بائیکاٹ کر دیں گے۔ پس شروع شروع میں ان کا یہ کہنا قطعاً درست نہ تھا۔ کہ ریاست میں اس قسم کا کوئی قانون نہیں۔ اور مسلمان محض شرارت پھیلانے کے لئے اس قسم کی باتیں ریاست کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔

چونکہ ہم اس مطالبہ کی ضرورت اور معقولیت پر اپنے دوسرے رسالہ میں بحث کر چکے ہیں اس لئے یہاں صرف ان کی اس پیش کردہ وجہ پر ہی بحث کریں گے۔ جو مہاسبھائیوں کی طرف سے اس کی منسوخی کی مخالفت میں پیش کی جاتی رہی ہے۔ ان لوگوں کو اس معقول

اور منصفانہ مطالبہ کے خلاف کوئی معقول دلیل تو سوجھی نہیں۔ صرف اسی ٹوٹے لنگڑے عذر پر مخالفت شروع کر دی۔ کہ

مہاسبھائیوں کا عذر لنگ

چونکہ ہندو دھرم کا حکم ہے۔ کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے۔ وہ جدی جائداد کا وارث نہیں رہتا۔ اس لئے اس کو منسوخ کرنا ہندو دھرم میں مداخلت کرنا ہے۔ اور ہم اس قسم کی مداخلت قطعاً برداشت نہیں کر سکتے، حالانکہ یہ کوئی معقول وجہ نہ تھی۔ کیونکہ

وید میں ایسا حکم نہیں

اوّل تو یہ بات ویدوں سے ثابت نہیں۔ اور ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ ویدوں میں کہیں بھی اس امر کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اسے جدّی جائداد سے محروم کر دیا جائے

منوسمرتی میں بھی اسکی صراحت نہیں

پھر منوسمرتی میں بھی اس کی صراحت نہیں کی گئی، اور صراحت ہوتی بھی کیسے۔ جبکہ اس وقت ہندوستان میں اور کوئی مذہب ہی نہ تھا۔

کیونکہ جس حالت میں ویدک دھرمی خود کہتے ہیں۔ کہ منوسمرتی دنیا کی ابتدا میں تصنیف ہوئی۔ (ستیارتھ پرکاش)

عقلی استدلال

جس وقت کے سوائے آریوں کے اور کسی مذہب کا پیروہی اس ملک میں نہ تھا۔ تو ایسی حالت میں منوسمرتی یہ دیوستھا یا فتویٰ کس طرح دے سکتی تھی۔ کہ ہندو دھرم کے ترک کرنیوالے کو جدّی جائداد سے محروم کر دیا جائے؟ کیونکہ حکم اسی پر لگایا جاتا ہے۔ جس کا خارج میں وجود بھی ہو لیکن جب اس وقت کسی ایسی چیز کا وجود ہی نہ تھا۔ تو اس کے متعلق کوئی فتویٰ دینا کس طرح ممکن تھا؟ اور اگر ہمارے اس عقلی استدلال کو غلط کہا جائے تو

اس عقلی استدلال کی تصدیق ایک براہمن ایڈیٹر کی قلم سے

تو ہم اس کی تائید میں ایک مشہور براہمن ایڈیٹر کی گواہی پیش کئے دیتے ہیں۔ جس نے قدیم شاستروں کے متعلق اس قسم کا استدلال کیا ہے۔

کچھ عرصہ گذرا۔ اخبار "براہمن مہا سمیلن" کے ایڈیٹر نے اعلان کیا تھا۔ کہ جو شخص بدیشی کپڑے کو ناقابل استعمال ثابت کرنے کے لئے پرانے لٹریچر سے ثبوت بہم پہنچائے گا۔ اسکو انعام دیا جائیگا۔ جس پر رسالہ براہمن سروسو (اٹاوہ) کے ایڈیٹر نے لکھا۔ کہ:۔

"ہماری رائے میں (اس قسم کا اعلان) غیر مناسب ہے۔ کیونکہ جب پہلے وقتوں میں غیر ملکی کپڑے یہاں تھے ہی نہیں۔ تو ان کے امتناع کا ثبوت کہاں سے ملیگا . . . جب دیوار کا وجود ہی نہیں تو اس پر نقاشی کیسی؟ اسی طرح جب بدیشی کپڑوں کا یہاں رواج ہی نہ تھا۔ تو اُن کے استعمال کی مخالفت کے پرمان (ثبوت) کہاں سے ملینگے"۔ (رسالہ براہمن سروسو اٹاوہ ماہ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۶)

پس جب ایڈیٹر براہمن سروسو کے نزدیک بھی اس قسم کا استدلال درست اور معقول ہے۔ تو ہمارا یہ عقلی استدلال کس طرح غلط کہا جا سکتا ہے؟ لہذا جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ منوسمرتی میں یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ جو شخص ہندو مذہب کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرلے۔ اسے جدی جائداد سے محروم کر دیا جائے، غلطی پر ہیں۔ کیونکہ منوسمرتی کا جو زمانہ تصنیف بتایا جاتا ہے۔ اُس میں اس قسم کے احکام وفتادیٰ کا امکان ہی نہ تھا۔

منوسمرتی چونکہ محرف مبدل ہے اسلئے کسی قانون کی بنیاد اُسپر رکھنا درست نہیں

اور اگر تھوڑی دیر کیلئے تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ منوسمرتی میں کوئی ایسا حکم موجود ہے تو اس امر کا کیا ثبوت کہ وہ حکم منو مہاراج ہی کا فرمودہ ہے؟ جب سناتنی۔ آریہ سماجی، ہندوستانی

محقق اور یورپین فاضل متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ منوسمرتی میں بہت کچھ ردّ و بدل کیا جاتا رہا ہے۔ اور مختلف زمانوں میں مختلف نامعلوم لوگوں کی طرف سے اس میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ تو ایسی حالت میں کس طرح یقین کر لیا جائے۔ کہ آج جس حکم کو منو مہاراج کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ واقعی وہ انہی کا ہے؟ کیونکہ جب ایک کتاب میں سینکڑوں شلوک ملائے گئے اور سینکڑوں ہی نکالے گئے۔ تو ان حقائق کی موجودگی میں کس طرح یہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ کہ آج منوسمرتی کا جو شلوک نومسلموں کو وراثت سے محروم کرنے کیلئے پیش کیا جاتا ہے۔ وہ منو مہاراج ہی کا بیان کردہ ہے؟

جس حالت میں کہ ویدک دھرمی خود ہی اقراری ہیں۔ کہ منوسمرتی وہ اصل منوسمرتی نہیں جو منو مہاراج نے تصنیف فرمائی۔ کیونکہ اس میں مختلف وقتوں میں بہت سا ردّ و بدل ہوتا رہا ہے۔ جیسا کہ ذیل کے چند نامی گرامی پنڈتوں کی گواہی سے ظاہر ہے۔ تو ایسی حالت میں اس کتاب کی بنا پر کسی خاص حکم پر زور دینا اور ریاست کے نومسلموں کو ان کی جدّی جائداد سے محروم کرنا مناسب ہے؟

منوسمرتی کی بے اعتباری پر پروفیسر رام دیو صاحب کی گواہی

"شنکر دگوجے۔ متاکھشرا۔ نرنے سندھو۔ سمرتی رتناکر۔ پراشر مادھو۔ سمرتی چندرکا۔ وواد بھنگ ارنو۔ پرائسچت میوکھ۔ وغیرہ کئی کتابوں میں منو کے نام سے پچاسوں اقوال منقول ہیں۔ مگر موجودہ منوسمرتی میں ان کا پتہ نہیں لگتا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ منوسمرتی میں پہلے بہت سے شلوک ایسے بھی تھے۔ جنہیں و جن کے مطالب کو دیگر مصنفوں نے (اپنی کتابوں میں) نقل کیا تھا۔ مگر کسی وجہ سے وہ شلوک (منوسمرتی سے) نکل گئے۔ ممکن ہے۔ کہ ملاوٹ کرنے والوں نے ہی منوسمرتی سے ان شلوکوں کو نکال ڈالا ہو۔ اور انکی

جگہ جعلی شلوک رکھ دیئے ہوں جس سے شلوکوں کی اصل تعداد کی گنتی میں فرق نہ آنے پاوے۔ مگر پاپ ایک نہ ایک دن ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ اس لئے ان کی یہ کارروائی دن بدن زیادہ سے زیادہ ظاہر ہوتی جا رہی ہے۔ منو کے اقوال جو دوسری کتابوں میں ملتے ہیں۔ مگر موجودہ منوسمرتی میں نہیں ہیں۔ ان کی تعداد اس وقت تک تین سو معلوم کی گئی ہے۔ اور جو شلوک منوسمرتی میں از راہِ ملاوٹ وام مارگیوں کے زمانہ سے کچھ عرصہ قبل یا بعد میں ملائے گئے ہیں۔ ان کی تعداد چار سو تک ہے۔"

(بھارت ورش کا اتہاس جلد اول (ہندی) مصنفہ پروفیسر رام دیو صاحب بی اے ص۲۱۶)

پنڈت راجا رام جی کی گواہی

"سب سے پہلا دھرم شاستر بھگوان منو کا بنایا ہوا ہے۔ مگر وہ یہ منوسمرتی نہیں (وہ) مانو دھرم سوتر تھے جواب نہیں ملتے۔ (منو کے بنائے ہوئے) مانو دھرم سوتروں کی بناء پر بہت بعد میں یہ موجودہ منوسمرتی بنی ہے۔"

(بھومکا منوسمرتی ص۱ مترجمہ پنڈت راجا رام صاحب)

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ دھرم سنہتا (منوسمرتی) دو بار تیار ہوئی ہے پہلی بار جو سنہتا تیار ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کی پھر درستگی کی گئی۔ (موجودہ منوسمرتی میں) ورِدھ (بزرگ) منو کے نام سے جو حوالے ملتے ہیں۔ وہ اس پہلی سنہتا کے ہو سکتے ہیں۔" (" ص۷)

"پہلے کہہ چکے ہیں۔ کہ منو کا تصنیف کردہ مانو دھرم سوتر ہے۔ جب ان کو شلوکوں (نظم) کا جامہ پہنایا گیا۔ تو ضرور ہی ضرورت کے ماتحت کئی نئی مریادائیں (احکام) بھی اس میں ملائی گئی ہوں۔ پھر ان شلوکوں والی کتاب میں بعد ازاں اور بھی ضرور ردّ و بدل ہوا ہے۔" (" ص۱۱)

پنڈت تلسی رام سوامی کی گواہی

پنڈت تلسی رام سوامی نے بھی منوسمرتی کے ترجمہ کا دیباچہ لکھتے ہوئے اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اور جعلی شلوکوں کی تعداد بہت زیادہ بتلائی ہے۔ اور اس کے متعلق بحث کرتے ہوئے وہ آخر میں اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ :-

"کئی وجوہات کی بنا پر اس (موجودہ) کتاب کو ٹھیک منو کی تصنیف ماننا یقیناً شکی امر ہے" (دیباچہ منوسمرتی مترجمہ پنڈت تلسی رام صد ۳۲)

پنڈت آریہ منی کی گواہی

"مغربی اور ہندوستانی فاضل اس بات میں متفق ہیں۔ کہ جو منوسمرتی اس وقت موجود ہے۔ اس میں حالات کے مطابق بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں"[1]

اب ناظرین کرام محولہ بالا گواہیوں کو ملاحظہ فرماتے ہوئے خود ہی فیصلہ کریں۔ کہ جس کتاب میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہیں، جو مختلف زمانوں اور وقتوں میں از سرِ نو ترتیب اور تالیف کی جاتی رہی۔ جس میں سینکڑوں ہی جعلی شلوک ملائے گئے۔ اور اس میں نامعلوم لوگوں نے بہت سی من مانی باتیں ملا دیں، بلکہ جو بقول پنڈت راجہ رام صاحب منو مہاراج کی تصنیف ہی نہیں۔ بلکہ بعد میں اس کی بنیاد رکھی گئی، اور پھر اس میں بھی پیچھے اور بہت سا تغیر و تبدل کیا گیا۔ کیا ایسی کتاب اس قابل ہو سکتی ہے۔ کہ اس میں بیان کئے گئے تمام احکام قابل تسلیم ہوں؟ کیا جس کتاب کو قدم قدم پر حوادث زمانہ سے دوچار ہونا پڑا، اور جو خود مطلب ہاتھوں کی تختۂ مشق بنی رہی، جس میں خود غرضوں نے من مانی تبدیلیاں کیں۔ کیا اس کے کسی خاص حکم کے متعلق کوئی یقین اور وثوق کیساتھ کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ منو مہاراج ہی کا فرمودہ ہے؟ جب ایسی بات زبان پر لانے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا۔ تو پھر کس طرح ہم مان لیں۔ کہ آج ریاست جموں و کشمیر کے مسلمانوں کو ان کی جدی جائداد سے محروم رکھنے کے لئے جس شلوک کو بطور ہتھیار کے استعمال کیا جا

[1] دیباچہ منوسمرتی صد مترجمہ پنڈت آریہ منی۔

رہا ہے۔ وہ منو مہاراج ہی کا ارشاد ہے؟

ہمیں امید ہے بلکہ یقین ہے۔ کہ قارئین کرام موجودہ منوسمرتی کی اصل حقیقت معلوم کر لینے کے بعد یہی فیصلہ فرمائیں گے۔ کہ بے شک ایسی بے اعتبار کتاب کی بنا پر ریاست کے نومسلموں کو ان کی جدی جائداد سے محروم کرنا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں،

اور اگر ان تمام نامی گرامی ہندو فاضلوں کی شہادتوں کو تھوڑی دیر کے لئے غلط اور بے بنیاد بھی سمجھ لیں (حالانکہ یہ ناممکن ہے) اور تسلیم کرلیں۔ کہ مندرجہ ذیل شلوک

منوسمرتی کا متنازعہ فیہ شلوک

"نپُونسک۔ پَتِت۔ پیدائش سے اندھا۔ بہرا۔ پاگل۔ جڑھ۔ گونگا۔ اور ناقص الاعضاء (لولا۔ لنگڑا وغیرہ) ہے۔ وہ اپنے باپ کی جائداد کا حصہ نہیں پاتا ہے۔" (منوسمرتی ادھیائے ۹ شلوک ۲۰۱)

جس سے ریاست کے نومسلموں کو ان کی جدی جائداد سے محروم کیا جا رہا ہے۔ منوجی مہاراج کا ہے (حالانکہ یہ تسلیم کرنا کسی یقینی اور قطعی دلیل کی بنا پر نہیں ہو سکتا)

شلوک ہذا کے معنی غلط کئے جاتے ہیں،

تو پھر بھی ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ محولہ بالا شلوک کے جو معنی کئے جاتے ہیں۔ وہ قطعاً درست نہیں کیونکہ اس شلوک میں جس شخص کو جدی جائداد سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ وہ ویدک دھرم کے بعض احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب ہے نہ کہ ہندو دھرم کو تیاگ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے والا؟

لفظ پَتِت کے اصل معنی

کیونکہ اصل شلوک میں لفظ پَتِت ہے جس کے معنی مذہب تبدیل کرنے والا نہیں۔ بلکہ اپنے مذہبی احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کے ہیں جسے بالفاظ دیگر۔ پاپی اور گنہگار کہا جا سکتا ہے۔ نہ کہ ودھرمی اور غیر مذہب کا ماننے والا؛

پس جو لوگ اس شلوک میں بیان کردہ لفظ پَتِت سے مراد مرتد لیتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔

پَتِت کے معنی فاسق ہے۔ نہ کہ مُرتدّ ما

بلکہ اس سے مراد پاپی ہے۔ جسے اسلامی اصطلاح میں فاسق یا فاجر کہا جاتا ہے۔ نہ کہ مُرتدّ؟ اور اگر کوئی شخص ہمارے اس لُغوی استدلال کو غلط سمجھتا ہے۔ تو اس پر لازم ہے۔ کہ خود منوسمرتی سے ہی پَتِت کے معنی مُرتد نکال کر دکھلائے، مگر ہم بآوازِ بلند للکار کر کہتے ہیں۔ کہ اس مطالبہ کو پُورا کرنا قطعی محال اور ناممکن ہے،

مگر اس کے مقابل خدا کے فضل و کرم سے ہم اسی منوسمرتی سے بہت سے ایسے حوالجات پیش کر سکتے ہیں۔ جو اس امر کا یقینی اور قطعی ثبوت ہیں۔ کہ منو مہاراج کے نزدیک پَتِت سے مراد مرتد نہیں بلکہ فاسق فاجر ہے۔ یعنی ایسا شخص جو اپنے آپ کو ہندو تو کہتا ہے۔ اور ہندو مذہب کو سچا بھی سمجھتا ہے۔ مگر اپنی بے راہ روی کے باعث اس کے بعض احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو جاتا ہے،

منو مہاراج کے نزدیک پَتِت سے مُراد فاسق ہے یا مُرتد؟

پہلا حوالہ "براہمن۔ کشتری۔ ویش میں سے اگر کوئی) کُکرمتّا۔ گاؤں کے رہنے والے سور۔ لہسن۔ گاؤں کے مُرغا۔ پیاز۔ گاجر ان سب کو جان بوجھ کر کھلائے۔ تو وہ کھانے والا پَتِت ہو جاتا ہے"[1]

چونکہ منو مہاراج کے نزدیک مذکورہ بالا چیزوں کا استعمال براہمنوں کشتریوں اور ویشوں کے لئے ممنوع ہے۔ اس لئے فرمایا۔ کہ ان میں سے اگر کوئی ان چیزوں کا بھوجن

[1] منوسمرتی ادھیائے ۵ شلوک ۱۹۔

کرنا ہے۔ تو پتیت یعنی پاپی اور گنہگار رہے، نہ کہ مرتد؟ اور دیکھئے لکھا ہے کہ:۔

دُوسرا حوالہ ''چانڈال، حیض والی عورت۔ پَتِت عورت جس نے (ناجائز طریق پر) بیٹا یا بیٹی جنی ہو۔ مُردہ کے چُھونیوالے ان سب کو چُھو کر سنان کرنیسے پاک ہو جاتا ہے۔'' (منو $\frac{5}{85}$)

یہاں پَتِت عورت سے مراد مرتدہ نہیں بلکہ زانیہ ہے

تیسرا حوالہ ''وقت مصیبت نہ ہو۔ اور والد وغیرہ کا حکم بھی۔ لیکن بڑے بھائی کی زوجہ سے چھوٹا بھائی۔ اور چھوٹے بھائی کی زوجہ سے بڑا بھائی جماع (زنا) کرے۔ تو دونوں (مرد و عورت) پَتِت ہوتے ہیں۔'' (منو $\frac{9}{58}$)

یہ حوالہ صاف بتلا رہا ہے۔ کہ پَتِت وہ ہے۔ جو خلاف حکم زنا کا مرتکب ہوتا ہے،

چوتھا حوالہ ''(اونچی ذات والا) گوشت اور نمک اور لاکھ بیچنے سے جلد پَتِت ہو جاتا ہے۔ اور دُودھ بیچنے سے تین دن میں شودر سبھاؤ کو پراپت ہوتا ہے۔'' (منو $\frac{10}{92}$)

چونکہ منُو کے نزدیک ان چیزوں کا فروخت کرنا اعلیٰ ذات کے ہندوں کو جائز نہیں اس لئے فرمایا۔ کہ جو اس حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ وہ مرتد نہیں بلکہ پاپی یعنی پَتِت ہے،

پانچواں حوالہ ''براہمن اگیان (ناواقفی) سے چانڈال اور ملیچھ (غلیظ) کی عورت سے دان لے کر پَتِت ہوتا ہے۔ اور جان (بُوجھ کرلے توان کے برابر چنڈال یا ملیچھ ہو جاتا ہے۔'' (منو $\frac{11}{175}$)

چھٹا حوالہ ''جن براہمنوں کو منُوجی نے شرادھ میں بھوجن کرانے کے لائق نہیں کہا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ چور۔ مہاپاپی۔ نامرد۔ (ناستک)'' (منوسمرتی $\frac{3}{150}$ مترجمہ سوامی درشنانند)

اس شلوک میں جس لفظ کا ترجمہ سوامی درشنانند نے مہاپاپی کیا ہے وہ پتت ہی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس لفظ کے معنی مُرتد نہیں۔ بلکہ فاسق اور پاپی ہیں کیونکہ اگر یہاں پتت براہمن سے مراد مرتد ہوتا۔ تو اس کو چور برہمن اور نام دبرہمن کے زمرہ میں شریک کرکے شرادھ سے دُور رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیونکہ جو شخص شرادھ کی تعلیم دینے والے مذہب ہی کو چھوڑ بیٹھا اور شرادھ کو جائز ہی نہیں سمجھتا۔ اسے شرادھ میں شامل ہونے کی ضرورت ہی کیا؟ اور اس کے متعلق منو مہاراج کا منع کرنا چہ معنی؟ اس شلوک میں تو انہی براہمنوں کو شرادھ سے محروم کیا گیا ہے۔ جو ہیں تو ویدک دہرم کے انویائی (معتقد) مگر اپنی غلط کاریوں کے باعث ویدک دہرم کے نزدیک شرادھ ایسی پوتر تقریب میں شامل نہیں ہو سکتے،

ساتواں حوالہ

"پتت لوگوں کے ساتھ جو کوئی ایک سال تک ایک سواری یا ایک آسن پر بیٹھے۔ یا ایک سنگت (صف) میں بھوجن کرے۔ تو اس کے برابر (پتت) ہوتا ہے۔ اور (جو) پتت لوگوں کو یگیہ کرا دے یا جنیو کرائے گائیتری سناوے۔ یا وواہ وغیرہ رشتہ داری کرے۔ تو جلد اس کے برابر ہوتا ہے"۔ (منو ۱۸۱/۱۱)

اس حوالہ سے بھی ظاہر ہے۔ کہ منو مہاراج پتت اس کو ٹھہرا رہے ہیں۔ جو کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ ورنہ یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ کہ جو شخص اس پتت کو یگیہ کرا دے۔ یا جنیو پہنا کر گائیتری سناوے وہ بھی پاپی ہے۔ کیونکہ اگر ایک شخص ہندو دہرم کے دائرہ سے ہی نکل گیا ہے۔ اور وہ یگیہ جنیو اور گائیتری پر اعتقاد ہی نہیں رکھتا۔ تو اسکے متعلق یہ کسطرح خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ ان چیزوں کی خواہش کریگا۔ اس قسم کی خواہش تو وہی شخص کریگا جو ہے تو ہندو۔ مگر کسی بدعملی کی وجہ سے ذات برادری سے بطور سزا اخراج ہو چکا ہے مگر چاہتا ہے کہ ہندوؤں میں شامل رہے۔

آٹھواں حوالہ

"سب بھائی علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے حصہ سے

چوتھا حصہ ہمشیرہ کو دیویں۔ نہ دیں تو وہ پتت ہوتے ہیں" (منو ۹/۱۱۸)

اب کیا اس شلوک کی موجودگی میں ہم یہ سمجھیں۔ کہ جو بھائی اپنی بہن کو وراثت میں سے حصہ نہیں دیتے وہ مرتد ہیں۔ نہیں بلکہ وہ ہندو دہرم کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے صرف پاپی ہیں۔ گنہگار ہیں اور مجرم ہیں،

نواں حوالہ

اب ہم ایک شلوک ایسا پیش کرتے ہیں جو دہا سبھائیوں کے شلوک کے اگلے ہی نمبر پر آتا ہے۔

" شلوک ۹/۲۰۱ (جو پتت کو محروم الارث قرار دیتا ہے) میں بیان کئے ہرایک (مخنث۔ پتت۔ گونگے۔ بہرے وغیرہ) کو (پدری) حصہ لینے والا کھانا کپڑا زندگی بھر دیوے۔ اگر نہ دیوے تو بالکل پاپی ہوتا ہے" (منو ۹/۲۰۲)

اس شلوک میں جس لفظ کا ترجمہ سوامی درشنانند نے پاپی کیا ہے عجیب بات ہے۔ کہ وہاں اصل لفظ پتت ہی ہے۔ اب ناظرین خود ہی غور فرمالیں۔ کہ اگر پتت سے مراد مرتد ہے۔ تو کیا وہ ہندو بھی مرتد ہی سمجھے جائیں گے۔ جو مرتدوں کو کھانا کپڑا نہیں دیتے؟ مگر جہاں تک ہم سمجھتے ہیں۔ کوئی ہندو انہیں مرتد نہ کہیگا۔ ہاں پاپی کہیگا۔ گنہگار بتلائے گا۔ بس یہ شلوک اس لفظ کے معنوں کو ہر قسم کی الجھنوں سے نکال کر فیصلہ دے رہا ہے۔ کہ منوسمرتی میں پتت سے مراد مرتد نہیں بلکہ پاپی ہیں،

اب منو مہاراج کے علاوہ **اترے۔ اتھیہ۔ شونک اور بھرگو رشی** کا فتوی بھی سُن لیں۔ جو پتت سے مراد مرتد نہیں بلکہ پاپی لیتے ہیں،

دسواں حوالہ

منوسمرتی میں لکھا ہے۔ کہ

" اترے اور اتھیہ رشی کا یہ مت ہے۔ کہ شودر کی کنیا (لڑکی) سے وواہ کرنے سے تینوں ورن (برہمن کشتری ویش) **پتت** ہوجاتے ہیں۔ اور شونک رشی کا یہ مت ہے۔ کہ شودر کی

اسی طرح اور بھی جہاں جہاں منوسمرتی میں پَتِت کا لفظ استعمال ہُوا ہے۔
وہاں اس سے مراد ہندو دھرم کے دائرہ سے نکل جانے والا نہیں۔ بلکہ صرف پاپی اور فاسق ہے۔ اور ہم پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ منوسمرتی سے کوئی ایک شخص بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا۔ کہ اس میں کسی ایک جگہ بھی پَتِت مرتد کے معنوں میں استعمال ہُوا ہو۔ کیونکہ اس میں جس جگہ بھی اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں پَتِت سے وہ شخص مراد لیا گیا ہے۔ جو اعتقاداً تو ہندو ہے۔ مگر اپنے کسی خاص عمل کے باعث مستوجب سزا ٹھہرا ہے،

پس اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ منوسمرتی بوجہ محرف مبدّل ہو جانے کے کسی قانون یا حکم کے لئے کوئی معتبر سند نہیں۔ پھر بھی ہم نے اس کی اندرونی شہادتوں سے ہندو مہاسبھائیوں کی غلطی واضح کر دی ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں تو قطعاً بے جا نہ ہوگا کہ جو لوگ منوسمرتی کی بناء پر تبدیلِ مذہب کرنے والوں کو اُن کی جدّی جائداد سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ راستی پر نہیں ہیں۔ کیونکہ منوسمرتی نے تبدیلئ مذہب کے متعلق کسی قسم کا بھی فتویٰ نہیں دیا۔ چہ جائیکہ ایسے لوگوں کیلئے ضبطی جائداد کا حکم دیا ہو۔

کوئی اتفاق کرے یا نہ کرے۔ مگر ہم کہیں گے۔ کہ جس شلوک کو اس مقصد کیلئے پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں جس پَتِت کو جائداد سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ وہ ایسا شخص ہے جس کی پیدائش جائز طریق پر نہیں ہوئی، اور ہمارا یہ خیال اسی کتاب کے اسی باب کے ۴۴ شلوک کی بناء پر ہے۔ جس میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ کہ یہاں کون ورثہ کا مستحق نہیں،

"نیوگن کے پیٹ سے جو شخص مقررہ طریق کے خلاف پیدا ہوتا ہے۔ وہ جدّی جائداد کا وارث نہیں۔ کیونکہ وہ پتت کے نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے۔" (منو ۹/۱۴۴)

اس شلوک کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس لاولد عورت کو خاندان والوں سے نیوگ کروانے کی اجازت مل گئی اور اس نے کسی دوسرے سے نیوگ کروا کر بیٹا بھی جن لیا مگر چونکہ بیرج داتا نے شاستری طریق پر اس عورت سے مجامعت نہیں کی۔ اس لئے وہ مولود۔ باپ کے ورثہ کا مستحق نہیں۔ کیونکہ وہ پتت سے پیدا ہوا ہے۔

اور یہ ظاہر ہے۔ کہ جس کا باپ پتت ہے۔ اس کا بیٹا بھی پتت ہوگا۔ کیونکہ اس کی پیدائش بھی ناجائز طریق پر ہوئی۔ جس سے وہ حرامی کہلایا۔

اور اگر دُور از کار تاویلوں سے کام لیتے ہوئے من ملنے نتائج نکال کر یہی کہا جائے جیسا کہ زمانہ مابعد کے لوگوں نے خود ہی ایسا نتیجہ نکال لیا۔ کہ پتت سے مراد ہندو مذہب کو چھوڑنے والا بھی ہے۔ (حالانکہ منوسمرتی اس خیال کی قطعاً مؤید نہیں) تو ایسی حالت میں ہندو مہا سبھائی ہمیں بتلائیں تو سہی۔ کہ

منوسمرتی کے باقی پتتوں کو محروم الارث کیوں نہیں قرار دیا جاتا ہے

منوسمرتی کے ادھیائے ۹ کا ۱۰۱ اشلوک صرف تبدیل مذہب کرنے والوں تک ہی کیوں محدود رکھا جاتا؟ جب منو مہاراج ککر مُتّا کھانے والے کو بھی پتت بتلاتے ہیں۔ جنگلی سور اور دیہاتی مُرغ کھانے والے کو بھی پتت بتاتے ہیں۔ جب لہسن، پیاز اور گاجر کھانے والے کو بھی پتت کہتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ایسے ہندوؤں کو محروم الارث قرار نہیں دیا جاتا؟ جب اونچی ذات والے ہندو گوشت۔ نمک اور لاکھ کا بیوپار کرنے کے باعث پتت ہیں۔ تو انہیں بھی کیوں

ورثہ سے محروم نہیں کیا جاتا؟ جو براہمن ناواقفی سے چنڈالنی کو چھو لینے کے باعث پتت ہو جاتا ہے۔ تو اسے بھی محروم الارث کیوں نہیں قرار دیا جاتا؟ جو ہندو اپنی بہن کو ورثہ نہیں دیتے کیا وہ پتت نہیں، اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو انہیں بھی کیوں وراثت سے محروم نہیں سمجھا جاتا؟ جو شخص اپنی بھاوجہ سے بدفعلی کرنے کے باعث پتت ہے۔ تو کیا اُسے وراثت سے محروم نہیں کرنا چاہیئے؟ جو میت کے وارث اپنے پتت بھائی کی خوراک پوشاک کا بندوبست نہیں کرتے۔ جو ورثا اپنے پتت بھائی کی اولاد کو اس پتت کا حصہ نہیں دیتے۔ جب وہ بھی اپنے اس فعل کے باعث پتت ہیں۔ تو ریاست جموں وکشمیر ان کو بھی جائداد سے محروم کیوں نہیں کرتی؟ جب منوسمرتی صاف لفظوں میں کہتی ہے۔ کہ جو اونچی ذات والا شودر کی لڑکی سے شادی کرتا ہے۔ وہ پتت ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ایسے پتت کو بھی محروم الارث نہ قرار دیا جائے؟

اگر منوسمرتی ادھیائے ۹ شلوک ۱۰۱ میں جو حکم دیا گیا ہے۔ وہ منو مہاراج ہی کا حکم ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ان تمام پاپیوں، بدکاروں، بدمعاشوں اور پتتوں کو تو ورثہ سے محروم نہ کیا جائے، مگر ان لوگوں کو محروم الارث بنا دیا جائے۔ جو مسلمان بن کر زیادہ مہذب، زیادہ شائستہ، زیادہ نیک اور زیادہ پاکیزہ بن جاتے ہیں؟

اگر ریاست ہندو قانون کے خلاف نہیں کر سکتی اور اس نے اپنے اُوپر لازم قرار دے رکھا ہے۔ کہ وہ شاستر کے ہر ایک حکم پر عامل ہوگی۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ وہ ان ہندؤں کو بھی جائداد سے محروم نہیں کرتی۔ جو اپنی نابالغ لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے

بیاس سمرتی کا حکم کہ جو ہندو نابالغ لڑکی کی شادی نہیں کرتا وہ پتت ہے

جب بیاس سمرتی صاف لفظوں میں حکم دیتی ہے۔ کہ جو ہندو اپنی لڑکی کا نابالغی کی حالت میں بیاہ نہیں کرتا۔ وہ پتت ہے۔ جیسا کہ ذیل کے شلوک سے ظاہر ہے۔ تو ریاست ایسے لوگوں کو بھی

کیوں محروم الارث قرار نہیں دیتی ؟

" بدی سا داتری وشی کلیاد رجہ پشئیت کمار یکا
بھرون ہتیا پتیا یادت یہ پتتہ سیاتٔ تذپرَ دَ (دیاس سمرتی)

ترجمہ :۔ اگر وہ (لڑکی) باپ کی لاپرواہی کے باعث حائضہ ہو جائے۔ تو جتنی بار اسے حیض آئے گویا اتنی ہی بار اس کا باپ اسقاط حمل کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور ایسی حالت میں اس لڑکی کی شادی بھی نہ کرے۔ کیونکہ وہ ایسی حالت میں اس کی شادی کرنے سے پتت ہو جاتا ہے۔"

پس جب سمرتی کار صاف لفظوں میں کہتے ہیں۔ کہ جو ہندو بالغ اور حائضہ لڑکی کی شادی کر دیتا ہے وہ پتت ہے۔ تو ایسی حالت میں ریاست کا فرض نہیں۔ کہ ان تمام ہندوؤں کو بھی پتت ہونے کے باعث جائداد سے محروم کرے؟ اور ہمارے نزدیک اگر ریاست دھرم شاستروں کے اس حکم کو عملی جامہ پہنائے۔ تو ریاست کا ایک ہندو بھی محروم الارث ہوئے بغیر نہ رہیگا۔ کیونکہ چند سال سے ریاست نے یہ قانون پاس کر رکھا ہے۔ کہ کوئی ہندو یا مسلمان اپنی لڑکی کی بالغ ہونے سے پہلے شادی نہ کرے۔ اور چونکہ ریاست کا ہر ایک ہندو اس ریاستی حکم کے ماتحت بالغ لڑکی ہی کی شادی کرنے پر مجبور ہے۔ اس لئے وہ پتت ہے۔ اور پتت ہونے کی وجہ سے جائداد سے محروم۔ پس اگر ریاست ہندو قانون کو منسوخ کرنے کی خواہاں نہیں۔ تو سب سے پہلے وہ ان تمام ہندوؤں کو جائداد سے محروم کرے۔ جو اپنی لڑکیوں کو نابالغی کی حالت میں نہیں بیاہتے۔ اس کے بعد دوسرے پتتوں کو بھی محروم الارث قرار دے۔ اور اس کے بعد وہ نومسلموں کی طرف متوجہ ہو۔

لیکن جب تک وہ ایسے ہندو والدین کو جائداد سے محروم نہیں کرتی۔ جو لڑکیوں کی شادی بالغ ہونے کے بعد کرتے ہیں اور دوسرے پتتوں کو بھی محروم الارث قرار نہیں دیتی اس وقت تک اس کا صرف نومسلموں ہی کو جائداد سے محروم کرنا قطعاً مبنی بر انصاف نہیں،

پس اگر ریاست جموں وکشمیر میں متذکرہ بالا ہر قسم کے پنیتوں کو محروم الارث قرار دیا جاتا ہے۔ اگر ان تمام گنہگاروں اور پاپیوں کو بیاس اور منو مہاراج کی فرمودہ سزا دی جاتی ہے۔ اگر ان تمام دُشٹوں سے ریاست یکساں سلوک کرتی ہے۔ تب تو خیر۔ لیکن اگر تبدیل مذہب کرنے والوں کے سوا اور کسی پر یہ حد جاری نہیں کی جاتی۔ اور یقیناً جاری نہیں کی جاتی۔ تو کیا اس کا یہی مطلب نہیں۔ کہ ریاست ہندؤں اور مسلمانوں سے مساوی سلوک کرنا نہیں چاہتی۔ اور نو مسلموں کو جدی جائداد سے محروم کر کے اشاعت اسلام کو بالواسطہ روکنا چاہتی ہے؟

ریاست کی وکالت کرنیوالوں کی حیلہ جوئی کا جواب

اور اگر اس کی یہ نیت نہیں تو پھر کیوں نہیں وہ بھی برطانوی ہند کے اس قانون کو ریاست میں جاری کرتی جو "کاسٹ ڈس اے بیلٹیز ریموول ایکٹ" کے نام سے مشہور ہے،

مگر ہم جانتے ہیں۔ کہ اس موقعہ پر ریاست کی وکالت کرتے ہوئے کہا جائے گا۔ کہ جب ہندو دھرم کی طرح اسلام بھی تبدیل مذہب کرنے والے کو محروم الارث قرار دیتا ہے۔ تو ایسی حالت میں اگر ریاست اس قانون کو منسوخ کر دے۔ تو کیا وہ دھرم شاستر اور اسلامی شرع کی خلاف ورزی کرنے کی مرتکب نہ ہوگی؟ حالانکہ اس کا ضابطہ قانون دھرم شاستر اور اسلامی شرع پر مبنی ہے۔ جیسا کہ مسٹر گلینسی نے بھی اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:۔

> "اگر ریاست جموں وکشمیر میں کاسٹ ڈس اے بیلٹیز ریموول ایکٹ کی طرح کا کوئی قانون جاری کیا جائے۔ تو ہز ہائینس گورنمنٹ تبدیل مذہب کے نتائج کے متعلق نہ صرف ہندو قانون بلکہ اسلامی شرع کی خلاف ورزی کریگی۔ حالانکہ اس وقت اس کا ضابطہ قانون انہی دو قوانین دھرم شاستر اور اسلامی شرع پر مبنی ہے"

مگر یہ جو کچھ کہا جاتا ہے محض حیلہ جوئی ہے۔ نہ کہ کسی حقیقت پر مبنی،
کیونکہ ریاست جموں وکشمیر کا مروجہ قانون نہ تو خالصتہً دہرم شاستر پر مبنی ہے۔
اور نہ ہی اسلامی شرع پر۔ اور ایسی حالت میں اس کی وکالت کرتے ہوئے خلاف ورزی کا اندیشہ ظاہر کرنا کسی معقولیت پر مبنی نہیں، کیونکہ اس کے موجودہ قوانین میں سے اکثر ایسے قانون نظر آتے ہیں۔ جو دہرم شاستر اور اسلامی شرع کے صریح خلاف ہیں۔ اور اس نے مروّجہ قوانین کو وضع کرتے وقت قدم قدم پر دہرم شاستر اور اسلامی شرع کی خلاف ورزی کی ہے،

ہاں اگر "اس کا ضابطہ قانون انہی دو قوانین دہرم شاستر اور اسلامی شرع پر مبنی" ہوتا۔ تو پھر کوئی ایک مسلمان بھی اس قسم کا مطالبہ کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ ان کی طرف سے اگر یہ مطالبہ ہو رہا ہے۔ تو اسی حالت میں جبکہ ریاست کا "ضابطہ قانون انہی دو قوانین دہرم شاستر اور اسلامی شرع پر مبنی" نہیں ہے،

اور ہمارے نزدیک مسلمانان کشمیر کے نمائندوں کا مسٹر گلینسی کے جواب میں یہ لکھنا نہایت معقول ہے۔ کہ:۔

مسٹر گلینسی کی توجیہہ کا جواب مسلم نمائندوں کی طرف سے

"اگر مسلمان سے اس کے اپنے مذہب کے مطابق سلوک کیا جائے تو اسے ذرا بھی گلہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہمارا خیال ہے۔ کہ معاملہ کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ فی الحقیقت امر متنازعہ تو یہ ہے۔ کہ کیا کوئی حکومت مسلمانوں کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور کر سکتی ہے۔ کہ وہ اپنے مذہب کے دیگر احکام کو پس پشت ڈال کر اپنے کسی خاص مذہبی قانون پر عمل پیرا ہوں"

اگر ریاست کے قوانین کا انحصار اسلامی اصول پر ہوتا۔ تو یہ ممکن ہی نہ تھا

کہ کوئی مسلمان بحیثیت مسلمان ان کے خلاف اعتراض کرتا۔ اگر چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔ اگر زانی کو زنا کی پاداش میں سنگسار کر دیا جاتا۔ اگر زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا جاتا۔ اگر کسی کے خلاف غلط الزام اور اتہام لگانے والے کو ۸۰ کوڑے لگائے جاتے۔ (خلع کے قانون پر عمل ہوتا۔ گئوکشی کی اجازت ہوتی۔ اکادشی وغیرہ دنوں میں حلال گوشت کو بھی حرام نہ قرار دیا جاتا۔ لڑکیوں کے شادی بیاہ پر خاص عمر کی قید نہ لگائی جاتی۔ قرضہ سود پر نہ دیا جاتا۔ وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔ ناقل) وراثت کے متعلق قوانین اسلامی کی کماحقہ تعمیل کی جاتی۔ تو کم از کم ایک راسخ العقیدہ مسلمان کو تبدیل مذہب پر آبائی جائداد کی ضبطی کے خلاف کبھی کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ لیکن ایک مسلمان کو کسی خاص معاملہ میں اسلام کی پیروی کرنے اور دوسرے معاملات میں اسلام کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کرنا یقیناً خلاف انصاف ہے"

ریاست دھرم شاستر پر بھی پوری طرح عامل نہیں

یہی نہیں کہ بہت سے امور میں ریاست اسلامی شرع کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ بلکہ وہ دھرم شاستر کے احکام پر بھی پوری پوری عامل نہیں۔ اور اس کے اکثر اور بیشتر قوانین دھرم شاستر کے خلاف ہیں۔ اور تو اور آج جس قانون کو منوسمرتی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ خود اس قانون کو بھی مع اس کی ضروری شرائط کے قبول نہیں کیا گیا۔

پتت کو نان و نفقہ نہیں دلاتی

کیونکہ اگر فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ منو مہاراج نے دھرم تیاگ دینے والوں کو بھی پتت نام دیتے ہوئے محروم الارث قرار دیا ہے۔ تو ساتھ ہی اس کے انھوں نے یہ بھی تو تاکید فرما

دی ہے۔ کہ پدری جائداد سے حصہ پانے والے اس پتِت کو زندگی بھر خوراک پوشاک دینے کے ذمہ دار ہیں۔ اور اگر نہ دیں گے تو وہ بھی پتِت ٹھہریں گے، مگر کیا ریاست جموں و کشمیر میں جن نومسلموں کو منو کے اس شلوک کے ماتحت محروم الارث قرار دیا گیا، کیا ان کی خوراک پوشاک کا ذمہ دار باقی وارثوں کو ٹھہرایا ہے؟ اگر کہئے۔ ہاں! تو اس کا ثبوت چاہیئے۔ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیا ریاست کی یہ روش قابلِ اعتراض نہیں؟

پتِت کی اولاد کو ورثہ نہیں دلاتی

پھر یہی نہیں۔ بلکہ متنازعہ فیہ شلوک سے اگلا شلوک یہ بھی بتلاتا ہے۔ کہ اگر وہ محروم الارث شخص شادی کرلے۔ اور شادی کے بعد اس کے اولاد ہو۔ تو جس پدری ترکہ سے اس "پتِت" کو محروم رکھا گیا تھا۔ وہ اس کی اولاد کو ملنا چاہیئے۔ جیسا کہ ذیل کے الفاظ سے ظاہر ہے:۔

"مخنث کو چھوڑ کر اگر دوسرے پتِت وغیرہ کو شادی کی خواہش ہو اور وہ شادی کرلیں۔ اور ان سے جو اولاد پیدا ہو۔ وہ اس ترکہ کی مستحق ہے"۔ (منو ۹/۲۰۳)

مگر کیا ریاست کا قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ جن نومسلموں کو محروم الارث قرار دیا گیا ہے۔ ان کی اولاد اس ورثہ کو حاصل کرسکتی ہے؟ اگر کہئے نہیں۔ تو کیا یہ دہرم شاستر کے احکام سے تجاوز نہیں؟ اور اگر ریاست کا منوسمرتی کے مذکورہ بالا قانون پر بھی عملدرآمد ہے۔ تو ہمیں اس کا ثبوت دیا جائے۔ کہ آج تک ریاست نے کتنے ایسے محروم الارث نومسلموں کو ان کے رشتہ داروں سے خوراک پوشاک دلائی۔ اور وہ کتنے اور کون کون سے نومسلم ہیں۔ جن کی اولاد کو وہ ورثہ دلا دیا۔ جس سے وہ "پتِت" ہونے کے باعث محروم قرار دئے گئے تھے؟

پھر یہی نہیں۔ کہ ریاست کا موجودہ طرزِ عمل تبدیل مذہب کرنے والوں کو مذکورہ بالا ہر دو رعائتوں سے مستفید ہونے نہیں دیتا۔ بلکہ انہیں ایک اور بہت بڑی رعائت

سے بھی محروم رکھتا ہے۔

از روئے دہرم شاستر تبدیل مذہب سے قبل جو جائداد نومسلم کے قبضہ میں ہے وہ ضبط نہیں ہوسکتی

ہندوں میں متاکھشر ابھی ایک مشہور قانون دان گذرا ہے۔ وہ منو ۹ ۲۰۱ میں بیان کردہ قانون کی شرح کرتا ہوا لکھتا ہے۔

کہ اس قانون میں جن اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اسی حالت میں محروم الارث قرار دئے جائیں گے۔ جبکہ ابھی جائداد تقسیم نہ ہوئی ہو اور اگر جائداد تقسیم ہونے کے بعد کسی وارث میں لولا لنگڑا پن۔ مخنث یا پیت پن ظاہر ہو۔ تو اس وقت انہیں تقسیم شدہ جائداد سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ (متاکھشر ۲/۱)

اسی طرح زمانہ حال کا بھی ایک مشہور ہندو قانوندان سر ہری سنگھ گور لکھتا ہے کہ:۔

"ہندو قانون کا اصول یہ ہے۔ کہ جب ایک دفعہ کسی کو جائداد دیدی جائے تو مابعد کے کسی واقعہ کی بنا پر وہ واپس نہیں لی جاسکتی۔ اس لئے اگرچہ بیوی اپنی بے وفائی (یا بے عفتی) کی وجہ سے ترکہ کی نااہل قرار دی جاسکتی ہے۔ لیکن بیوہ عورت کو اپنے خاوند کی وفات پر جائداد ملی ہو۔ اس سے وہ جائداد مابعد کی بے وفائی (بے عفتی) کی بنا پر نہیں واپس لی جاسکتی۔ اسی وجہ کی بنا پر تبدیل مذہب کرنے والے جانشین سے اس کی جائداد نہیں چھینی جاسکتی۔ البتہ تبدیل مذہب جائداد کے حصول کی راہ میں روڑا اٹکا سکتا ہے۔" (ہندو کوڈ مصنفہ سر ہری سنگھ گور مطبوعہ ۱۹۲۹ء پیرگراف ۷۵۹ صفحہ ۲۷۲)

ریاست نومسلموں کو یہ رعایت بھی نہیں دیتی

مگر ریاست کا قانون اپنے ہاں کے نومسلموں کو اس ضروری رعایت سے بھی فائدہ اٹھانے سے محروم رکھتا ہے۔

حالانکہ یہ بھی ہندو لا رکی ایک ضروری شرط ہے، اور ہر ایک وہ شخص جو ورثہ میں کسی جائداد کو حاصل کر لینے کے بعد اس پر قابض ہے۔ وہ اگر بعد ازاں دھرم تبدیل کرے۔ تو اُسے اس مقبوضہ جائداد سے محروم کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں، مگر کس قدر تعجب ناک بات ہے۔ کہ جو رعایت ہندو لاء دیتا ہے۔ ریاست اس سے بھی مستفید ہونے کی روادار نہیں، حالانکہ اگر فرض کر لیا جائے۔ کہ منو سمرتی قابل اعتبار ہے۔ اور اس میں پتت سے مراد مذہب تبدیل کرنے والا بھی ہیں، تو ایسی حالت میں بھی تو مسلم کو یہ تین رعائتیں تو حاصل ہونی چاہئیں،

(۱) اس کے بھائی بند جو ورثہ کے حقدار ٹھہریں اسے تاحیات نان و نفقہ دیں۔

(۲) اگر وہ صاحب اولاد ہو جائے۔ تو اس کا حصہ اس کی اولاد کو دیا جائے۔

(۳) اگر تبدیل مذہب سے پہلے وہ ورثہ پا چکا ہے۔ تو وہ اس پر قابض رہے۔

مگر ریاست جموں وکشمیر کا نو مسلموں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں۔ اس کے نزدیک کسی کا تبدیل مذہب کر لینا ہی اُسے ہر قسم کے ورثہ سے محروم کر دینے کے لئے کافی ہے۔ خواہ منو سمرتی یا گیہ ولکیہ اور متاکھشرا اس کے لئے کتنی بھی رعائتوں کا اعلان کریں،

اب ہندو دوست خود ہی غور فرمائیں جب ریاست جموں وکشمیر خود بھی دھرم شاستر کے ہر ایک حکم پر عامل ہونا ضروری نہیں سمجھتی۔ تو کیا ان حالات میں مسلمانان کشمیر کا اس قانون ہی کو منسوخ کروانے کے لئے آواز اٹھانا بے جا ہے؟

ہم نہیں سمجھتے۔ کہ جب منو سمرتی قابلِ سند ہی نہیں۔ پھر اس کے لفظ پتت کے وہ معنی ہی نہیں۔ اور پھر اس کے بیان کردہ دوسرے پتتوں کو محروم الارث قرار ہی نہیں دیا جاتا۔ تو ایسی حالت میں ریاست کے نو مسلموں ہی کو آلام و مصائب کا نشانہ بنانا کہاں تک مناسب ہے؟

متحدہ خاندان اور مشترکہ جائداد کا عذر اور اس کا جواب

بعض مہا بھائی یہ بھی کہیں گے۔ کہ چونکہ ہندوؤں میں مشترکہ جائداد اور متحدہ خاندانی نظام کا دستور ہے۔ اس لئے جو شخص مذہب تبدیل کرے۔ وہ چونکہ عملاً اس خاندان سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس مشترکہ جائداد میں سے اُسے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ مگر جو لوگ اس قسم کی توجیہوں سے کام لیتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ مشترکہ جائداد اور متحدہ خاندان کا دستور تمام ہندوؤں میں نہیں۔ اور جن میں ہے وہ بھی تقسیم جائداد کے مجاز ہیں۔ اور ان میں سے جو ممبر چاہے جائداد کے وارث اور رقابض کے مرنے پر اپنا حصہ الگ کروا سکتا ہے۔

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے۔ کہ مشترکہ جائداد کے سسٹم پر ہندوؤں کا ہر ایک خاندان عامل ہے۔ (حالانکہ یہ قطعی طور پر غلط ہے) تو پھر بھی یہ دستور کوئی ایسا نہیں۔ جسے بدلا نہ جا سکے۔ کیونکہ نہ تو وید اس کا حکم دیتے ہیں۔ اور نہ ہی شاستروں نے اس کو قطعی ٹھہرایا ہے۔

اس دستور کو زمانہ حال کے ہندو بھی مٹانا چاہتے ہیں

بلکہ اگر ہم یہ کہیں تو قطعاً بے جا نہ ہوگا۔ کہ خود زمانہ حال کے سمجھدار ہندو بھی اس دستور کی تباہ کاریوں سے نالاں ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ اس دستور نے ہندوؤں کو شدید ترین نقصان پہنچایا ہے۔ اس لئے جتنی بھی جلدی ممکن ہو اس سے گلوخلاصی کروانی چاہیئے،

جیسا کہ ڈاکٹر دھنی رام ایڈیٹر رسالہ چاند (ہندی) الہ آباد نے اپنے ایک مضمون میں اس کے نقصانات پر روشنی ڈالتے ہوئے آخر میں لکھا ہے۔ کہ:۔

"حالات اور زمانہ کے خلاف ہونے پر بھی یہ تباہ کن رسم ہندوؤں میں پائی جاتی ہے۔ اور وہ پرانے رواج سے لگاؤ رکھنے کے باعث اس سے اپنا

پنڈ نہیں چھڑا سکتے۔ مگر اب وقت آگیا ہے۔ کہ لوگ آنکھیں کھول کر اس کے متعلق غور کریں۔ اور ایسی تجویزیں سوچیں۔ جن سے اس میں اصلاح ہو۔ اور لوگوں کی مصائب دُور ہوں اور سماج کا بھی کلیان ہو"

پھر ہندو لیڈروں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ

"ان سب باتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہندو سماج کے لیڈروں کا فرض ہے۔ کہ وہ اس رواج کو مٹانے کی کوشش کریں" (رسالہ چاند الہ آباد جون ۳۲ء صہ ۱۸۱)

پس جو لوگ اس رواج کو آڑ بنا کر تبدیل مذہب کرنیوالوں کو محروم الارث کرنا چاہتے وہ حق بجانب نہیں۔ کیونکہ یہ دستور نہ صرف نو مسلموں سے بے انصافی کرنے والا ہے۔ بلکہ ہندو جاتی کو بھی تباہی کی طرف لے جانے والا ہے۔ اس لئے اگر ریاست کے ہندوؤں میں ایسا کوئی نظام موجود ہو۔ تو اُسے بھی توڑ دینا چاہیئے۔ جیسا کہ قبل ازیں ریاست شاستروں کے کسی ایک مُضر قانون منسوخ کر چکی ہے۔

قانون ہذا بدلا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ کوئی ایشوری گیان نہیں

اور اگر مذکورہ بالا ہر قسم کے معقولی و منقولی دلائل کو یکسر نظر انداز بھی کر دیا جائے (حالانکہ یہ کسی صورت میں ممکن نہیں) اور تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیا جائے۔ کہ منوسمرتی محرف مبدل نہیں، اس کے لفظ پتت کے وہی معنی ہیں۔ جو بعد کے ہندوؤں نے (غلطی کے باعث) کئے۔ اور ہندو لا نو مسلموں کو مذکورہ بالا ہر سہ رعائتیں بھی نہیں دیتا۔ تو کیا ان حالات کے ہوتے ہوئے بھی اس قانون کو (جس پر خود ریاست بھی صحیح طریق پر عامل نہیں) منسوخ نہیں کیا جا سکتا؟ کیونکہ جب ریاست بہت سے اسلامی قوانین کو منسوخ کر کے ان کی جگہ من ملنے قانون رائج کر سکتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ وہ دھرم شاستر کے اس قانون کو منسوخ نہ

کر سکے۔ اگر کہا جائے۔ کہ یہ ناممکن ہے، تو ہم پوچھیں گے کہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ سمرتیوں کے احکام پتھر کی لکیر، اٹل اور الشوری آگیا ہیں؟ اگر یہ بات نہیں پھر ان میں تغیر و تبدل کیوں ممکن نہیں؟ جب آریہ سماجی، ہندو مہا سبھائی اور کانگرسی خود کہا کرتے ہیں۔ کہ ان کتابوں کی تصنیف وقتی ضروریات کے ماتحت ہوئی اور اب بھی حالات کی تبدیلی پر ان میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ تو ایسی حالت میں کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ کہ چونکہ فلاں حکم کسی سمرتی میں موجود ہے۔ اس لئے اس کا منسوخ کرنا گویا ہندو دھرم میں مداخلت کرنا ہے۔

ہندو پنڈتوں اور لیڈروں کی رائے ہیں کہ سمرتیوں کے قانون وقتی ہیں

اور ان میں تبدیلی کی جاسکتی ہے

پنڈت مدن گوپال کا اقرار دیکھیے پنڈت مدن گوپال صغر سنی کے بیاہ کی مخالفت کرتے ہوئے صاف لفظوں میں لکھتے ہیں کہ:-

"بہت سے لوگ سمرتیوں کا بھی سہارا لیتے ہیں۔ انہیں بھی سمجھ لینا چاہیے کہ سمرتیاں صرف ملک اور سماج کا اس زمانہ کا وقتی قانون سمجھی جاتی ہیں وقت اور موقع دیکھ کر ہی رشیوں نے کئی ایک سمرتیاں تصنیف کی تھیں۔ جس سے ثابت ہے۔ کہ جیسا وقت اور موقعہ ہو اس کے مطابق ہی سمرتی بنانے کی ضرورت ہے۔ . . . پس دہر موقعہ پر) سمرتیوں کا سہارا لینا غیر ضروری ہے۔" (رسالہ تیاگ بھومی اجمیر کھنڈ ۲ صفحہ ۶۵)

اخبار "تیج" کی رائے اسی طرح اخبار تیج میں بھی ہندوؤں کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا گیا تھا۔ کہ:-

"اب وقت آگیا ہے۔ کہ دہرم شاستر اور شریعت کے ان قوانین کو بالائے طاق رکھ دیا جائے جو ممکن ہے۔ کہ کسی زمانہ میں مفید اور سود مند ثابت ہوں۔ مگر تبدیل شدہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے قطعی ناکارہ اور مجلسی و قومی ترقی کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں" (تیج دہلی ۱۴ ستمبر ۲۹ء)

بھائی پرمانند کا خیال ہندو مہا سبھائیوں کے مشہور لیڈر بھائی پرمانند کو بھی کہنا پڑا ہے۔ کہ:-

"شاستروں کی میرے دل میں کسی سے کم عزت نہیں لیکن ان کے کرتاؤں (مصنفوں) نے جو نیم (قانون) بنائے۔ انہیں آج حسب ضرورت بدل سکتے ہیں۔ اگر ہم ان نیموں (قوانین) میں پریورتن (تبدیلی) نہیں کر سکے۔ تو ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ حالات کے مطابق انہیں بدلنا ہمارا حق ہے" (پرکاش لاہور ۸ دسمبر ۲۹ء)

اور تو اور کانگرسیوں اور مہاسبھائیوں کے مسلّمہ لیڈر گاندھی جی بھی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے۔ کہ:-

گاندھی جی کا فیصلہ "اگر ہم شاستروں کی ہر ایک تفصیل کے مطابق یا ان میں جو کیر یکٹر بیان کئے گئے ہیں ان کے مطابق اپنے چلن کو ڈھالیں۔ تو پھر شاستر ہمارے لئے موت کا جال ہو جائیں گے" (تیج دہلی ۷ اگست ۲۶ء)

آریہ گزٹ کی طرف سے حالات کے مطابق نئی سمرتی بنانے کی تحریک اور یہی وجہ ہے۔ کہ وقتاً فوقتاً ہندو دنیا میں یہ صدا بلند ہوتی رہتی ہے۔ کہ

زمانۂ حال کے مطابق نئی سمرتی بنانی چاہیئے جیساکہ آریہ گزٹ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے :-

"واقعی آج کل اس امر کی اشد ضرورت ہے۔ کہ ایک ایسی سمرتی بنائی جائے۔ جس میں شدھ شدہ لوگوں کے ویوہار (تعلقات) کا ورنن (ذکر) ہو۔ بدھوا دواہ اور دوسرے ایسے کاموں کا جن سے جاتی کا اُتھان (ترقی) ہو سکتا ہے۔ ودھان (بیان) ہو۔ مدت سے ایسی سمرتی کی ضرورت محسوس کیجا رہی ہے۔ اور اگر سناتن دھرمی ہی اس ضرورت کو پورا کر دیں تو بہت اچھا ہے؟" (آریہ گزٹ لاہور۔ ۲ جیٹھ سمت ۱۹۸۴)

چنانچہ پونا میں بعض ذمہ وار اور مقتدر ہندوؤں نے اس کا آغاز بھی کر دیا جیساکہ ذیل کی خبر سے ظاہر ہے ،

شنکر آچاریہ اور دوسرے معزز ہندو نئی سمرتی بنانے لگ پڑے

"پونا ۱۱ مئی۔ شنکر اچاریہ ڈاکٹر کورٹ کوٹی نے کمیٹیاں مقرر کی ہیں۔ جو ہندو دھرم کے لئے جدید آئین اور ایک نئی سمرتی کا مسودہ مرتب کرینگی" (تیج دہلی ۱۷ مئی ۱۹۲۷ء)

ان تمام حوالہ جات سے ظاہر ہے۔ کہ ہندوؤں کے نزدیک سمرتیاں ایسی چیز نہیں کہ ان کے احکام میں ردّ و بدل نہ ہو سکے۔ یا ان کو منسوخ اور معطل کرنیکا کسی کو یارا نہ ہو، کیونکہ اگر ان کے احکام لا تغیر اور لا تبدل ہوتے۔ تو نامی گرامی پنڈت، ایڈیٹر اور لیڈر اس قسم کی رائے نہ دیتے۔ کہ ان میں وقتی قانون درج ہیں۔ اور یہ کہ اب بھی حالات کی تبدیلی سے ان میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔

چونکہ ان کے نزدیک ان کتابوں میں تبدیلیاں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے وہ نئی سمرتی بنانے کے بھی ارادے کر رہے ہیں۔ جو اس امر کی روشن دلیل ہے۔ کہ ان کتابوں

کے احکام ایسے نہیں۔ کہ ان کی منسوخی ہندو مذہب میں مداخلت کی مترادف ہو۔ یا اس سے ہندو دھرم پر کسی قسم کی زد پڑتی ہو۔

پس اگر مان بھی لیا جائے۔ کہ کسی سمرتی میں ایسا قانون موجود ہے۔ کہ جو تبدیل مذہب پر ضبطی جائداد کا حکم دیتا ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ اٹل اور لاتبدیل بھی ہے کیونکہ یہ حکم وید کا نہیں۔ بلکہ سمرتیوں کا ہے۔ اور جب سمرتیوں میں حالات اور واقعات کے مطابق تبدیلی جائز ہے۔ تو ایسی حالت میں کس طرح یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ کہ سمرتی کا یہ قانون قابل تنسیخ نہیں؟

خود ہندوؤں نے بھی سمرتیوں کے بہت سے قانون منسوخ کر دئیے ہیں

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے۔ کہ سمرتیوں کا قانون بھی وید کے قانون کی طرح لاتغیر اور لاتبدل ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ خود ہندوؤں نے ہی کئی قانون اپنے ہاتھوں منسوخ کئے، اور کئی اور قوانین کو بھی منسوخ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ کیا ودھوا وواہ (نکاح بیوگان) کا قانون انھوں نے اپنے ہی طرز عمل سے منسوخ نہیں کر دیا؟ کیا صغر سنی کی شادی کا قانون انہوں نے اپنے طرز عمل سے منسوخ نہیں کر دیا؟ کیا سمندر یاترا کا قانون انھوں نے اپنے طرز عمل سے منسوخ نہیں کر دیا، کیا انھوں نے چھوت کا قانون منسوخ نہیں کر دیا۔ کیا شودروں کو وید پڑھنے کا مستحق قرار دیکر سمرتیوں کے یقینی اور واضح قانون کو پامال نہیں کیا۔ غیر مذاہب والوں کو شدھ کر لینے کی تحریک چلا کر اپنے مذہب میں مداخلت نہیں کی؟ ذات پات کی قیود کو توڑ کر بیاہ شادی کے نئے نئے ایکٹ نہیں بنوائے؟ کیا اب طلاق کا دستور رائج کرنے کے ارادے نہیں ہو رہے؟ کیا لڑکیوں کو حق وراثت دلانے کے لئے سمرتیوں کے قانون کو نظر انداز کرنے کی نہیں ٹھانی گئی؟ کیا ہندوؤں کے متحدہ خاندانی نظام کو توڑنے کی کوششیں نہیں ہو رہیں،

جب خود ہندو ہی سمرتیوں کے اہم اور ضروری قوانین کو معطل اور بیکار بنا رہے ہیں۔ ان کو منسوخ اور ناقابل عمل قرار دے رہے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ اس قانون کو ناقابل تنسیخ سمجھیں؟ ہم حیران ہیں۔ کہ خود تو یہ لوگ قدم قدم پر اپنی سمرتیوں کے مختلف قوانین اور احکام کو ٹھکراتے، پامال کرتے اور منسوخ کرتے ہیں۔ مگر جب مسلمانوں کی طرف سے ایک واجبی اور منصفانہ مطالبہ کیا جاتا ہے۔

کیا ہندو اس قانون کی منسوخی برداشت نہیں کر سکتے؟

تو اس وقت گلا پھاڑ پھاڑ کر یہ چلانے لگ جاتے ہیں۔ کہ ہندو ہرگز ہرگز شاستر کی مریادا کا اولنگھن (شرعی حدود کو توڑنا) برداشت نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ اخبار عام کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے:-

"قانون وراثت کو اسلامی مطالبات میں محض اس لئے شامل کیا گیا ہے تاکہ **قادیانی لوگ آسانی سے مشن میں کامیاب ہو سکیں** گویا اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ جو ہندو ایسے قانون کی حمایت کرتا ہے۔ وہ ہندوؤں کا بہی خواہ نہیں ہو سکتا۔ **ہندو قوم کے افراد شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں کر سکتے**۔ اس لئے کیا ہی اچھا ہو۔ اگر حکومت اس قانون وراثت کے مطالبہ کو قطعاً رد کر دے۔" (اخبار عام لاہور ۱۹ دسمبر ۱۹۳۱ء)

اگر اس قانون کی منسوخی برداشت نہیں تو خود کیوں بہت سے قانون منسوخ کر دیئے؟

اگر "ہندو قوم کے افراد شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں کر سکتے"۔ تو پھر کیوں انہوں نے ودواہ وواہ، بال وواہ کا قانون منسوخ کر دیا، رسم ستی اور سمندر یاترا کو منسوخ کر دیا؟ کیا یہ شاستر کی مریادا کا اولنگھن نہیں؟ کیا اس کی منسوخی کو انہوں نے برداشت نہیں کیا؟ جب خود سمرتیوں اور شاستروں کی کئی مریاداؤں اور حکموں کی منسوخی برداشت

گی۔ تو اس ضروری اور مفید تبدیلی کو برداشت کیوں نہیں کیا جا سکتا؟
اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ جن لوگوں کی طرف سے بار بار یہ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ "شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں کر سکتے"

اس قانون کی منسوخی برداشت نکرنیوالوں نے برطانوی ہند میں اسکی منسوخی کیوں برداشت کی؟

خود وہی لوگ برطانوی ہند میں قریباً ۸۰ سال سے "شاستر کی (اس) مریادا کا اولنگھن برداشت کر" رہے ہیں، اور اس طول طویل زمانہ میں ان کی طرف سے کبھی ایک دفعہ بھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا۔ کہ برٹش گورنمنٹ نے ہمارے مذہب میں مداخلت کی یا ہمارے شاستر مریادا کا اولنگھن کیا؟ اگر تبدیل مذہب پر ضبطی جائداد کے حکم کی تنسیخ ریاست کشمیر میں شاستر مریادا کے اولنگھن کی مترادف ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ برطانوی ہند میں بھی اسی شاستر مریادا کا اولنگھن نہ سمجھا جائے؟ کیا برطانوی ہند میں ۸۰ سال سے ان کی یہ شاستر مریادا اولنگھت نہیں ہو رہی؟ کیا ایکٹ ۲۱ ۱۸۵۰ء کے ان لفظوں نے منو ۹/۲۰۱ کو منسوخ نہیں کر دیا کہ:

برطانوی ہند کا قانون آزادیٔ مذہب

"ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے ماتحت علاقوں میں اگر نافذ العمل قانون یا ضابطہ کے کسی جزو کی وجہ سے کسی مرد یا عورت کے اپنا دہرم ترک کرنے یا مذہب کے دائرہ سے خارج کئے جانے یا برادری سے نکالے جانے پر حقوق یا جائداد ضبط ہوتی ہو۔ یا کسی طرح سے اس کے حق وراثت پر ضرب لگتی ہو۔ تو آئندہ ان علاقوں میں اس قانون کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی عدالتوں اور رائل چارٹر کی رُو سے قائم کردہ عدالتوں میں تسلیم نہیں کیا جائیگا۔ اور نہ اس پر عملدرآمد کیا جائیگا"

کیا اس لمبے عرصہ میں سینکڑوں نہیں ہزاروں بار شاستر کی اس مریادا کا اولنگھن

کرتے ہوئے تبدیل مذہب کرنیوالوں کو مذکورہ بالا قانون کی رُو سے ان کی جدی جائداد کا وارث قرار نہیں دیا گیا ؟

اگر یہ قانون ناقابل برداشت تھا تو ہندوؤں نے اسکے خلاف آواز کیوں نہ اٹھائی ؟

جب یہ سب کچھ صحیح ادرست اور حقیقت پر مبنی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ۸۰ سال تک تو ان کی طرف سے یہ آواز نہ اُٹھی۔ کہ :-

"ہندو قوم کے افراد شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں کر سکتے"

مگر آج جبکہ مسلمانان کشمیر نے اس سوال کو اٹھایا۔ تو اس وقت یہ اولنگھن ناقابل برداشت بن گیا ؟

جب برطانوی علاقے کے ہندو اسے برداشت کر رہے ہیں تو ریاستی ہندو بھی برداشت کر سکتے ہیں

جب برطانوی علاقہ کے ۲۴ کروڑ ہندو اس اولنگھن کو برداشت کر رہے ہیں۔ اور خوشی سے برداشت کر رہے ہیں۔ تو ریاست کشمیر کے چند لاکھ ہندؤں کے لئے اس کا برداشت کرنا کس طرح ممکن نہیں ؟

اگر اس قانون کی منسوخی ہندو دہرم کی رُو سے واقعی ناقابل برداشت ہوتی ۔ تو برطانوی ہند کے ۲۴ کروڑ ہندو اسے ہرگز برداشت نہ کرتے ۔ مگر چونکہ انہوں نے برداشت کیا۔ اور خوشی سے برداشت کیا۔ اس لئے ہم کہیں گے۔ کہ یہ قانون کوئی ایسا قانون نہیں کہ جس کی تنسیخ۔ سے ہندو مذہب کا کوئی بنیادی اصول ٹوٹتا ہے۔ یا اس کی کسی ضروری اور بنیادی مریادا کا اولنگھن ہوتا ہے،

ایک تھوتھا عذر اور اس کی تردید

اگر کہا جائے۔ کہ یہاں برطانوی ہند کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ انگریزوں کے

ماتحت ہے۔ اور ریاست کا والی ہندو ہے۔ اس لئے اس ہندو ریاست میں ہندو قوانین کی منسوخی ناقابلِ برداشت ہے۔ تو یہ بھی کوئی معقول عذر نہیں۔ کیونکہ جس قسم کے ہندو ریاست میں بستے ہیں۔ اسی قسم کے ہندو برطانوی ہند میں بھی رہتے ہیں۔ جب ان کا مذہب ایک، ان کے وید ایک، ان کے شاستر ایک، ان کی سمرتیاں ایک ہیں۔ تو پھر کس طرح مان لیا جائے۔ کہ برطانوی ہند اور ریاستی علاقہ کا معاملہ الگ الگ ہے؛

یہ بھی کوئی دلیل ہے۔ کہ برطانوی ہند چونکہ ایک غیر قوم کے تحت میں ہے۔ اسلئے وہاں یہ منسوخی قابل برداشت ہے۔ اور ریاست میں ناقابلِ برداشت؟

جب اس قانون کی تنسیخ ہندو دہرم کی رُو سے ناقابل برداشت ہے۔ تو وہ ہر جگہ ہی ناقابلِ برداشت ہوگی۔ خواہ وہ برطانوی ہند میں ہو یا ریاست کشمیر میں لیکن چونکہ برطانوی ہند کے ۲۴ کروڑ ہندو اسے ۸۰ - ۸۲ سال سے برداشت کر رہے ہیں۔ اس لئے ریاست کے چند لاکھ ہندو بھی آسانی کے ساتھ اسے برداشت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جب ریاستی ہندوؤں کے مشیر کار، حامی اور پشت پناہ اسے برداشت کر رہے ہیں۔ تو اُن کے پٹھو برداشت نہیں کر سکتے؟

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ریاست جموں و کشمیر چونکہ ایک ہندو ریاست ہے۔ اس لئے وہاں ہندو قانون کی کسی مریادا یا حد کو توڑنا مذہبًا جائز نہیں۔

کیا ریاست جموں و کشمیر نے کسی ہندو قانون کو منسوخ نہیں کیا؟

تو کیا اس قسم کی ژٹیل اور بودی دلیلوں سے کام لینے والے ہمیں بتلائیں گے۔ کہ اس ہندو ریاست نے ہندو دہرم کی باقی تمام مریاداؤں کو قائم رکھا ہے؟ کیا اس نے ہندو دہرم کے ہر ایک قانون کو قائم رکھا ہے؟ کیا اس کے موجودہ قوانین ہندو دہرم کے قوانین سے تطابق رکھتے ہیں؟ اگر نفی میں جواب دیا جائے۔ تو ایسی حالت میں معترض خود ہی بتلائیں۔ کہ جب ریاست میں اور بھی کئی

ہندو قانون منسوخ ہو چکے ہیں۔ تو پھر دوسرے بہت سے قوانین کی طرح اس قانون کی منسوخی بھی کیوں نہ وہاں قابل برداشت سمجھی جائے؟

اور اگر جواب مثبت میں ہو۔ تو وہ غلط ہوگا۔ کیونکہ آج جس ریاست کو ہندو ریاست بتلایا جارہا ہے۔ اور وہاں کسی ایک ہندو قانون کی منسوخی بھی ناقابل برداشت قرار دی جا رہی ہے۔ خود اسی ریاست میں ایک نہیں دو نہیں بیسیوں قانون معطل اور بیکار ٹھہرائے جا چکے ہیں۔

اگر واقعی ریاست جموں وکشمیر کا دیوانی اور فوجداری قانون ہندو سمرتیوں پر مبنی ہوتا اگر وہاں ہندو لا اور قانون ہی کا رواج ہوتا۔ تو ایسی حالت میں ہم مان سکتے تھے کہ ریاست کشمیر میں اس قانون کی منسوخی ناقابل برداشت ہوگی۔ لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہو۔ تو ایسی حالت میں کس طرح ہم تسلیم کرلیں کہ وہاں اس قسم کے قوانین کو منسوخ کروانا شاستر مریادا کا اُلنگھن ہے جسے ہندو برداشت نہیں کرسکتے؟

اگر ریاست میں اس قانون کی منسوخی ناقابل برداشت ہے۔ تو دوسرے بہت سے قوانین کی منسوخی کیوں برداشت کرلی گئی ہے؟

اگر ریاست جموں وکشمیر میں شاستر مریادا کا اُلنگھن اور سمرتیوں کے فرمودہ احکام کو معطل قرار دینا ناقابل برداشت نہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ریاست نے سمرتیوں کی بہت سی مریاداؤں کا اُلنگھن کیا۔ اور ان کو منسوخ یا معطل قرار دیکر حسب ضرورت اور قانون وضع کئے،

اگر ریاست جموں وکشمیر میں ہندو شاستروں کے قوانین کا منسوخ کیا جانا ناقابل برداشت ہے۔ تو ہندو مہاسبھائیوں نے اس وقت جبکہ ریاست نے ہندو سمرتیوں کے بیسیوں احکام اور قوانین کو نظر انداز کردیا تھا۔ کیوں نہ واویلا کیا؟

ریاست نے جن ہندو قوانین کو منسوخ کیا انمیں سے چند ایک کا ذکر

کیا انہیں معلوم نہیں۔ کہ منو سمرتی کا یہ صاف اور واضح قانون ہے۔ کہ جو راجہ کسی ملک کو فتح کرے۔ اس پر خود قبضہ نہ کرے۔ بلکہ وہاں کے مفتوح والی کے کسی عزیز رشتہ دار کو گدی پر بٹھا کر اس جگہ اپنے قوانین نافذ کرے جیسا کہ منو سمرتی کے اصل الفاظ سے ظاہر ہے:-

(۱) "راجہ کو چاہیئے۔ کہ پراجت (مفتوح) ہوئے لوگوں کی سمتی (رائے) لے کر پراجت راجہ (مفتوح راجہ) کے سمبندھی (رشتہ دار) کو راج گدی پر بٹھا دے۔ اور اپنے نیم (قانون) پرچلت (رائج) کرے" (منو $\frac{۷}{۲۰۲-۲۰۳}$)

مگر کیا ریاست جموں و کشمیر کے بانی نے اس شاستر مریادا کا اولنگھن نہیں کیا۔ کیا پونچھ، راجوری، مظفرآباد وغیرہ کئی آزاد ریاستوں کو فتح کرنے کے بعد وہاں پر اپنا تسلط نہیں جمایا، حالانکہ اس پر شاستری احکام کی رُو سے فرض تھا۔ کہ جن علاقوں کو زیر کیا تھا۔ وہاں انہیں کے سابق حکمرانوں کے رشتہ داروں کو ان کا جانشین بناتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ کیا یہ شاستر مریادا کا اولنگھن نہیں؟ کیا ہندو مہاسبھائیوں نے اُن کے اس فعل کی کبھی بھول کر بھی مذمت کی؟

پھر شاستروں کا یہ بھی حکم ہے کہ:-

(۲) "وہ جرمانہ کا روپیہ (راجہ) آپ نہ رکھے۔ ودوان اور دھرم آتما براہمنوں کو دے دیوے" (منو $\frac{۹}{۲۴۴}$)

مگر کیا ریاست کشمیر میں اس پر عمل ہوتا ہے؟ پھر یہ بھی گوتم سمرتی کا حکم ہے۔ کہ:-

(۳) "جو راتی ہوئی بستو (مال مسروقہ) نہ ملے۔ تو راجہ کو چاہیئے۔ کہ اس کا مول دھنی (صاحب مال) کو اپنے خزانہ سے دے" (گوتم سمرتی $\frac{۱}{۱۰}$)

مگر کیا ریاست جموں وکشمیر میں اس دستور پر عمل ہوتا ہے؟ کیا جن لوگوں کا مال چوری ہو جائے اور پولیس کے تلاش کرنے پر بھی نہ ملے۔ انہیں ریاست کے خزانہ سے معاوضہ ملتا ہے؟

(۴) "(لاوارث) پڑی ہوئی چیز ملے۔ تو اس کی حفاظت (راجہ) اچھے لوگوں سے کرا کے رکھے۔ اور راجہ اس کے چرانے والوں کو ہاتھی سے مروا دے" (منو ۸/۳۴)

کیا شاستر کے اس حکم کی تعمیل آج کل بھی کی جاتی ہے؟ کیا آج تک کسی چور کو ہاتھی سے مروایا گیا؟

(۵) "راجہ مرتا بھی ہو۔ تو بھی وید پڑھنے والے برہمن سے محصول نہ لیوے" (منو ۷/۱۳۳)

کیا اس واضح حکم پر آج کل عمل ہوتا ہے۔ کیا امرناتھ وغیرہ ہندو تیرتھوں پر جانے والے وید پاٹھی براہمنوں سے محصول نہیں لیا جاتا؟ کیا آریہ سماجی پنڈت بھی جو پرچار کیلئے وہاں جاتے ہیں۔ کیا ان سے بھی محصول نہیں دہرا لیا جاتا؟

(۶) "گورو کی عورت سے جماع کرنے والا، شراب پینے والا، برہمن کا سولہ ماشہ سونا چرانے والا، براہمن کو مارنے والا۔ ان چاروں کی پیشانی پر حسب سلسلہ نشانات مرقومہ ذیل کرنا چاہیئے، یعنی فرج کی صورت۔ شراب و گلاس کی صورت کتے کے پاؤں کی صورت بے سر کے آدمی کی صورت" (منو ۹/۲۳۷)

کیا ریاست جموں وکشمیر میں اس قسم کے پاپیوں کے ماتھے پر اس قسم کے نشان آج کل داغے جاتے ہیں؟

(۷) (عدالت) قسم اس طریق سے کراوے۔ کہ یا تو (گواہ سے) آگ اٹھوا کر یا پانی میں کھڑا کر کے۔ یا بیٹے کے سر پہ ہاتھ رکھوا کر جس کو آگ نہ جلاوے یا پانی نہ ڈباوے۔ یا جو جلدی دکھ نہ پاوے۔ اس کو قسم میں پاک (سچا) جاننا چاہیئے" (منو ۸/۱۱۴-۱۱۵)

کیا ریاست کی عدالتیں گواہوں سے اسی طریق پر گواہی لیتی ہیں؟ اگر کہیئے نہیں تو کیا یہ شاستر مریادا کا اولنگھن نہیں ہے؟

(۸) "دوسرے کی عورت مرقومہ بالا سے جماع کرنے والے آدمی کو لوہے کے گرم پلنگ پر سلا کر چاروں طرف لکڑی رکھ کر آگ لگا دے۔ جس سے وہ پاپی مرجائے۔" (منو ۸/۳۷۲)

کیا ریاست کی فوجداری تعزیرات میں ایسے پاپیوں کے لئے یہی سزا مقرر ہے؟ اگر کہیئے نہیں۔ تو کیا یہ ہندو لا کے خلاف نہیں؟

(۹) "شودر اگر کسی اونچ جاتی (براہمن۔ کشتری۔ ویش) کو توہین آمیز کلمات کہے اور غصہ کی حالت میں حملہ کرے۔ تب اس نے جس عضو سے حملہ کیا ہو۔ راجہ اس کے اسی عضو کو کٹوا دے۔ اور اگر (شودر) اپنے سے بڑوں کی عورتوں سے زنا کرے تو اس کا لنگ کٹوا دے۔ اور اگر وہ خود ہی مرجائے۔ یا اپنی کسی طریق سے حفاظت کرے۔ تو اس کی مزید سزا یہ ہے۔ کہ راجہ اُسے مار ڈالے۔"

کیا ریاست جموں و کشمیر میں ہندو سمرتیوں کا یہ قانون رائج ہے؟ اگر کہیئے نہیں۔ تو کیا یہ شاستر مریادا کو منسوخ کرنا نہیں ہے؟

(۱۰) "شودر اگر وید کو سن لے۔ تو راجہ (پگھلتے ہوئے) سیسے اور لاکھ سے اس کے کان بھر دے (اگر شودر) وید منتر کا اُچارن (تلفظ) کرے۔ تو اس کی زبان کٹوا دے، اگر وہ وید کو پڑھے۔ تو اس کو قتل کر دے۔" (گوتم سمرتی ادھیائے ۱۲)

اگر ریاست جموں و کشمیر میں سمرتیوں پر عمل کیا جاتا، اگر شاستر مریادا کا اولمبھن کیا جاتا۔ ان کے قوانین وہاں رائج کئے جاتے۔ تو کیا یہ ممکن تھا۔ کہ آریہ سماج نے ریاست کے جن ہزارہا شودروں کو وید منتر سنائے اور ان کی زبان پر جاری کئے۔ وہ قتل

ہونے سے بچ جاتے ؟

یہی کیوں اور بھی درجنوں اور بیسیوں شاستری قانون آج ریاست میں معطل اور منسوخ قرار دئے جا چکے ہیں اور ان کی جگہ اور قسم کے قوانین نفاذ پذیر ہیں

اب مہا سبھائی بتلائیں تو سہی۔ کہ جب ہندو شاستروں کے متعدد احکام اور قانون ریاست نے منسوخ کر چھوڑے ہیں۔ اور ان کی منسوخی ریاست اور برطانوی ہند کے ہندوؤں نے خاموشی سے برداشت کر لی۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ایک ایسے قانون کی منسوخی برداشت نہ کی جائے جو ۸۰ - ۸۲ سال سے خود برطانوی ہند کے ہندوؤں نے بھی خوشی سے برداشت کی ہوئی ہے ؟

ریاست میں ہندو قانون کی منسوخی کی تازہ مثال

یہ تو پرانی باتیں ہیں۔ ہم ایک تازہ مثال بھی سناتے ہیں۔ ہندو سمرتیوں میں صغیر سنی کی شادی کا قطعی اور واضح قانون موجود ہے۔ اور صاف اور صریح لفظوں میں اس قسم کے احکام پائے جاتے ہیں۔ کہ دس سال تک کی لڑکی کا ضرور ہی بیاہ کر دینا چاہیئے۔ اور جو ہندو اس پر عمل نہ کرے گا۔ وہ دوزخی سزا کا مستوجب ہوگا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل بیانوں اور حوالوں سے ظاہر ہے :-

بالغ لڑکیوں کی شادی ہر شاستر میں ممنوع ہے

شیگربودھ کا حکم

" اَشٹ وَرشا بھویدگوری نَو ورشا چہ رودہنی
دش ورشا بھویت کنیا تت اُدہرم رجسوَلا
ماتا چیو پتا تسیا جنشیٹھ وبھراتا تتھیوْ چہ
تریستے نرکم یانتی درِشٹوا کنیام رجسو لا "

ترجمہ۔ آٹھ برس کی لڑکی کا نام گوری اور نو۹ برس کا ردہنی اور دس برس کی لڑکی کا نام کنیا ہوتا ہے۔ دس برس کے بعد حائضہ ہو جاتی ہے۔ اگر لڑکی کے ماں۔ باپ اور بڑا بھائی حائضہ ہونے سے قبل اس کی شادی نہیں کرتے تو وہ تینوں دوزخ میں جاتے ہیں۔"

سنورت سمرتی کا حکم

سنورت سمرتی میں بھی یہی دو شلوک لکھے ہیں۔ جو انگیرہ بودھ کے حوالہ سے ہم نے اوپر درج کئے جس سے ظاہر ہے کہ سنورت رشی کے نزدیک بھی نابالغ لڑکی کی شادی کرنا ہی ضروری ہے۔ کیونکہ بالغ لڑکی کا بیاہ کرنا اس کے ماں باپ اور بڑے بھائی کو دوزخی بنا دیتا ہے۔ اور اسی لئے سنورت سمرتی نے ان کے بعد یہ بھی لکھا ہے۔ کہ

"اس لئے لڑکی کے حائضہ ہونے سے پہلے ہی اس کو بیاہ دینا چاہیئے اور آٹھ برس کی عمر والی کی شادی تو بہت ہی بہتر ہے۔"

(سنورت سمرتی ادھیائے ۱ شلوک ۶۶-۶۷-۶۸)

پاراشر سمرتی کا حکم

پراشر رشی نے بھی اپنی سمرتی میں یہی شلوک درج کرتے ہوئے نابالغ لڑکی کا بیاہ ضروری ٹھہرایا ہے۔ اور بصورت دیگر بالغہ کے ماں باپ اور بڑے بھائی کو جہنمی ٹھہرایا ہے۔ (دیکھئے پراشر سمرتی ادھیائے ۷ شلوک ۵-۶) بلکہ چھٹے شلوک میں کہا ہے۔ کہ

"اگر کنیا ۱۲ برس کی ہو جائے۔ اور اس پر بھی اس کی شادی نہ کی جائے تو اس آدمی کے پتر (مردہ بزرگ) گویا اس لڑکی کا ہر مہینہ حیض پیتے ہیں۔"

اسی طرح بیاس سمرتی (جس کا حوالہ گذشتہ صفحات میں دیا جا چکا ہے) وغیرہ کئی سمرتیاں یہی حکم دیتی ہیں کہ لڑکی کی شادی بلوغت سے قبل ہی کر دینی چاہیئے۔ ورنہ اس کی ماں کو اس کے باپ کو اور اس کے بڑے بھائی کو نرک میں جانا پڑے گا،

ہندو پنڈتوں کا متفقہ فیصلہ کہ بالغ لڑکی کی شادی

ہندو دھرم کے خلاف ہے

اور یہی وجہ ہے۔ کہ اکثر چوٹی کے ہندو پنڈت یہ اعلان کر چکے ہیں۔ جیسا کہ ایڈیٹر رسالہ براہمن سروسو کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے:۔

"یہ یقینی اور قطعی بات ہے۔ کہ سناتن دھرمیوں کے مسلمہ گرنتھوں نے یک آواز بالغ لڑکی کا بیاہ ممنوع بتایا ہے" (رسالہ براہمن سروسو ماہ ستمبر ۲۹ء ص ۳۹۵)

"شاردا ایکٹ دھرم شاستروں اور قدیم دستور کے صریح خلاف ہے جس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہو سکتا" (ر ر ماہ اگست ۲۹ء ص ۳۶۲)

اسی طرح ہندوستان کے نامی گرامی اور چیدہ پنڈتوں نے ۲ر نومبر ۲۹ء کو دہلی میں جمع ہو کر باتفاق رائے یہ ریزولیوشن پاس کیا تھا۔ کہ

"آل انڈیا سناتن دھرمیوں کا یہ خاص اجتماع ضروری سمجھتا ہے کہ آخری اطلاع قیصر ہند۔ وزیر ہند اور وائسرائے کے پاس بھیجدی جائے۔ کہ

ساردا ایکٹ سناتن دھرم کے قطعی مخالف ہے ۔۔۔۔ جسے سناتن دھرمی کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتے" (براہمن سروسو ماہ ستمبر ۲۹ء ص ۱۶۲)

اب ایک طرف ہندو سمرتیوں اور پنڈتوں کے پرمان رکھئے اور دوسری طرف جموں و کشمیر کا وہ قانون ملاحظہ فرمائیے۔ جو شاردا ایکٹ کی نقل کرتے ہوئے پاس کیا گیا آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ خود اسی ریاست نے کس طرح ایک صاف اور واضح ہندو

قانون کو خود اپنے ہاتھوں بیکار اور منسوخ کر دیا۔ نہ صرف منسوخ کر دیا۔ بلکہ ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا۔ کہ جو شخص شاستروں کے ان صریح احکام پر عمل کرتے ہوئے چھوٹی عمر میں لڑکی کی شادی کرے گا۔ وہ مستوجب سزا ہوگا،

پس جب خود ریاست نے ضرورت کے ماتحت ہندو شاستروں کے صاف اور واضح قوانین کو پس پشت ڈال دیا۔ اور اپنے حکم سے ان پر خط نسخ کھینچ دیا۔ تو کیا ایسی حالت میں مہاسبھائیوں کا یہ کہنا کسی حقیقت پر مبنی ہو سکتا ہے۔ کہ ہندو ریاست میں کسی ہندو قانون کا منسوخ کیا جانا ہندو دہرم میں کھلی کھلی مداخلت ہے۔ جو ہندو افراد کے لئے قطعاً ناقابل برداشت ہے؟

اگر ہندو ریاست میں کسی ہندو قانون کا منسوخ کیا جانا برداشت سے باہر ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ جن دنوں ریاست نے شاردا ایکٹ کی طرز کا قانون پاس کیا۔ اُس وقت ریاست اور برطانوی ہند کے ہندوؤں نے اس کے خلاف واویلا نہ کیا؟ جلسے نہ کئے، جلوس نہ نکالے۔ مظاہرے نہ کئے۔ ریزولیوشن پاس نہ کئے، اخباروں میں مضمون نہ لکھے اور ریاست کو دہمکیاں نہ دیں؟

اگر اُس وقت اس قانون کی منسوخی کو دیکھ کر انہوں نے کسی قسم کا مخالفانہ مظاہرہ نہیں کیا۔ تو آج کیوں یہ انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں اور بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے اور دہمکیاں دیتے ہیں۔ کیا اس کا یہی مطلب تو نہیں۔ کہ وہ اس قانون کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کو روکنا چاہتے ہیں؟ اور وہاں کے مسلمانوں کو شدھ کرنے کی جو سکیم مہاراجہ رنبیر سنگھ آنجہانی نے تیار کی تھی۔ اس کو اس قسم کے قوانین کی مدد سے عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں۔

جب کبھی ہندو ریاست قبل ازیں کئی ایک شاستری قوانین منسوخ کر چکی۔ اور دہرم شاستر کی بہت سی مریاداؤں کو باطل قرار دے چکی۔ تو کیا ایسی حالت میں وہ قانون

وراثت میں مناسب ترمیم کر کے تبدیل مذہب کرنے والوں کو (خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان سکھ ہو یا بودھ) ان کی جدی جائداد کا حقدار نہیں بنا سکتی؟ بنا سکتی ہے اور ضرور بنا سکتی ہے۔

کیا مذکورہ بالا دلائل ریاست کے ہندؤں کیلئے حجت نہیں؟

اگر اس تمام بحث کو پڑھتے ہوئے یہ کہا جائے کہ تمہاری دلائل بیشک معقول اور پیش کردہ حوالجات درست ہیں۔ مگر یہ ریاست اور برطانوی علاقہ کے ہندؤں پر ہی حجت ہو سکتے ہیں جنھوں نے خود بہت سے ہندو قوانین کو منسوخ کر دیا، مگر چونکہ ریاست کے ہندو بھی مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کے خلاف ہیں۔ اسلئے برطانوی علاقہ کے ہندو اور مہاراجہ صاحب بہادر کی گورنمنٹ کس طرح ان کی مخالفت کو نظر انداز کر سکتی ہے؟

مگر جو شخص اس قسم کی رکیک باتوں سے مسلمانانِ کشمیر کو ان کے اس جائز اور معقول مطالبہ میں ناکام رکھنا چاہتا ہے۔ اسے کان کھول کر سن لینا چاہیئے۔ کہ جب

ریاستی ہندو خود بھی کئی شاستری قوانین عملی طور پر منسوخ کروانے کے درپے ہیں

خود کشمیر کے ہندو بھی ریاست کے سامنے ایسے مطالبات رکھ رہے ہیں جو ہندو دھرم، ہندو شاستروں، ہندو سمرتیوں اور ہندو قانون کے صریح خلاف ہیں۔ تو ایسی حالت میں یہ کہنا کس طرح بجا اور درست ہو سکتا ہے۔ کہ وہ مسلمانانِ کشمیر کے اس مطالبہ کی اس لئے مخالفت کر رہے ہیں کہ اس سے ہندو سمرتیوں کے کسی مفروضہ قانون پر زد پڑتی ہے۔

اگر ان کی مخالفت صرف اسی وجہ سے ہے۔ کہ اس سے ہندو شاستروں کا ایک غیر یقینی قانون معطل ہوتا ہے۔ تو پھر وہ خود کیوں ایسے مطالبات منوانے کے درپے ہیں۔ جو ہندو شاستروں کے واضح اور صریح احکام کے خلاف ہیں۔

کشمیری پنڈتوں کے مطالبات شاستری تعلیم کے صریح خلاف ہیں | کیا انکا کشمیر گورنمنٹ

سے یہ مطالبہ کرنا کہ ہمیں بھی زراعت کیلئے اراضی دی جائے۔ ہندو سمرتیوں، ہندو شاستروں اور ہندو روایات کے صریح خلاف نہیں؟ کیا ان کا حکومت کشمیر سے یہ کہنا اور اس پر زور دینا کہ وہ ہمیں صنعت و حرفت سکھلائے اور اس کام کے لئے وظائف دے۔ ہندو سمرتیوں، ہندو شاستروں اور ہندو قوانین کے صریح منافی نہیں؟ کیا اِن کا ریاست کشمیر پر اس امر کے لئے دباؤ ڈالنا کہ ہمیں کشمیر کے دیہات میں دُکانداری اور ساہوکارہ کرنے کے لئے قانونی رعائتیں دی جائیں۔ ہندو شاستروں، ہندو سمرتیوں اور ہندو دھرم کے صریح مخالف نہیں؟

کیا کشمیر کی براہمن آبادی کا زراعت کے لئے زمینیں طلب کرنا اور صنعت و حرفت کے لئے وظائف چاہنا منو سمرتی اور دیگر بہت سی سمرتیوں اور شاستروں کے واضح اور بیّن احکام سے بغاوت کرنے کے مترادف نہیں؟ کیا منو سمرتی نے براہمنوں کیلئے صنعت و حرفت اور دُوکانداری ممنوع نہیں ٹھہرائی؟ اگر کہئے نہیں تو یہ غلط ہے۔ اور اگر مُثبت میں جواب ملے۔ تو پھر خود ہی بتلائیے۔ کہ کشمیر کے ہندوؤں کا مسلمانوں کو زراعت اور صنعت وحرفت کے کاموں سے بھی محروم کرنے کیلئے اس قسم کے مطالبات کرنا علاوہ بے انصافی کے ہندو دھرم پر بھی کُلھاڑا مارنا نہیں ہے؟

جو لوگ اس قسم کے کچے عذرات پیش کر کے مسلمانانِ کشمیر کے ایک جائز اور معقول مطالبہ کو مشتبہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بتلائیں تو سہی۔ کیا کشمیری ہندوؤں کے وفد نے ریاست کے وزیر اعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ مطالبہ نہیں کیا۔ کہ

"کشمیری پنڈتوں کو فراخدلی سے کاشتکاری کیلئے اراضی دی جائے"

کیا یہ درخواست نہیں کی۔ کہ:۔

"ٹیکنیکل (حرفتی) تعلیم کے لئے کشمیری پنڈتوں کو خاص وظائف دئے جائیں"

کیا کشمیری پنڈتوں کے وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے پنڈت جیالال کیلم نے

مسٹر کالون ہوزیر اعظم سے یہ نہیں کہا۔ کہ :۔

"زمیندارہ ریلیف ریگولیشن کی وجہ سے ہنڈت کاشتکاروں کو روپیہ قرض نہیں دے سکتے۔ اور دیہات میں معمولی دکانداری نہیں کر سکتے ؛"

جس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ اگر یہ ریگولیشن منسوخ کر دیا جائے۔ تو وہاں کے پنڈت دیہات میں ساہوکارہ اور دکانداری کر سکتے ہیں، پھر کیا اسی نمائندے نے یہ مطالبہ نہیں کیا "سرکاری ٹھیکے دیتے وقت بھی پنڈتوں کو ترجیح دی جائے" (اخبار ویر بھارت ۲۲ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۳)

اور پھر ان مطالبات کو منوانے کے لئے وہاں کے پنڈتوں نے جلسے نہیں کئے؟ جلوس نہیں نکالے، سول نافرمانی نہیں کی، ستیہ آگرہ اور قانون شکنی نہیں کی؟ اخباروں میں پروپیگنڈا نہیں کیا۔ مہاراجہ صاحب بہادر اور وزیر اعظم کی خدمت میں جا جا کر بھی کچھ نہیں مانگا؟ جب یہ سب کچھ درست اور صحیح ہے۔ تو کیا جو لوگ اس قسم کے مطالبات کرتے ہیں اور ان کو منوانے کے لئے سول نافرمانی تک کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ کیا وہ براہمن کہلا کر بھی ہندو دھرم اور ہندو شاستروں سے کھلی کھلی بغاوت نہیں کر رہے ہیں؟ کیا ان کا مسلمانوں کے رہے سہے پیشوں پر بھی قابض ہونے کے لئے اس قسم کے مطالبات کرنا ہندو سمرتیوں اور ہندو شاستروں کی صریح نافرمانی نہیں ؟

کیا منوسمرتی میں بغیر کسی ایچ پیچ کے یہ حکم نہیں دیا گیا۔ کہ :۔

کھیتی باڑی براہمنوں کیلئے حرام جو ایسا کرتا ہے۔ وہ نیچ اور برادری سے خارج

"آچار (عمدہ چال چلن) نہ رکھنے والا۔ ہر روز مانگنے والا۔ کھیتی سے اوقات بسر کرنے والا۔ ۔ ۔ ۔ بھیڑ بکریوں سے زندگی بسر کرنے والا۔ ۔ ۔ ۔ یہ سب نندک آچار (قابل مذمت چلن) والے ہیں (یہ کام کرنیوالے براہمن اچھے) براہمنوں میں ادھم (نیچ)

ہیں۔ پنگت (مجلس یا صف) میں بٹھانے کے لائق نہیں ہیں۔ ان سب کو دیوتا یا پتری کرم میں بھوجن نہ کراوے۔"

(منوسمرتی ادھیائے ۳ شلوک ۱۶۵ تا ۱۶۷)

جب منو مہاراج صاف لفظوں میں فرما رہے ہیں۔ کہ جو براہمن کھیتی باڑی کر کے اوقات بسر کرتا ہے، وہ نیچ ہے۔ براہمنوں کی برادری سے خارج کئے جانے کے قابل ہے۔ اور دیوتا پتری کرم سے بھی ورجت (خارج)۔ تو کیا اس واضح حکم کی موجودگی میں کشمیر کے پنڈتوں کا ریاست سے یہ مطالبہ کرنا۔ کہ:-

"کشمیری پنڈتوں کو فراخدلی سے کاشتکاری کے لئے اراضی دی جائے"

اپنے ہی مانیہ دھرم شاستر کو اپنے ہی پاؤں سے ٹھکرانا نہیں؟ [لہ]

ے

لہ۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ بعض لوگ اس موقعہ پر یہ بھی کہیں گے۔ کہ شاستروں نے براہمنوں کو اس قسم کے کاموں کی اجازت دی ہے۔ مگر ایسا کہنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ کہ ہم ان کے دھوکہ میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ ہم اس کے متعلق ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اور ہمیں پتہ ہے۔ کہ کب اور کس حالت میں براہمنوں کو اس قسم کے نیچ کاموں سے پیٹ پالنے کی اجازت دی گئی ہے، اگر کہو تو بتلا دیں۔ کہ وہ ہے "وقت مصیبت"۔ اور یہ اجازت بعینہٖ ایسی ہی ہے۔ جیسے قرآن کریم نے مسلمانوں کو سور کھانے کی اجازت دی ہے۔ کب اور کس حالت میں؟ جبکہ جان بچانے کے لئے اور کوئی حلال چیز میسر نہ ہو۔ ورنہ قرآن کریم کا صاف اور صریح حکم ہے۔ کہ خنزیر حرام مطلق ہے۔ اسی طرح براہمنوں کے لئے یہ کام حرام مطلق ہیں۔ مگر چونکہ شاستروں نے مصیبت اور اضطرار کی حالت کو مد نظر رکھا ہے۔ اس لئے یہ اصول بنا دیا۔ کہ "آپت کالے مریادا ناستی"۔ یعنی اگر مصیبت آپڑے۔ اور براہمنوں کو جان بچانے کا اور کوئی ذریعہ نہ ہو۔ تو اس حالت اضطرار میں وہ کھیتی باڑی کا کام کر کے پیٹ بھر لیں۔ پس جو لوگ اس وقتی اور استثنائی حکم کو عام معنوں میں لیتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ شاستروں کا صریح حکم ہے۔ کہ براہمنوں کے لئے کھیتی حرام مطلق ہے۔ ہاں اگر مصیبت اور اضطرار کی حالت آجائے۔ تو اتنی دیر کے لئے اس کام سے ہی قوت لایموت کا سامان کر لیں، مگر کشمیری پنڈتوں پر اس وقت کوئی مصیبت کا وقت نہیں۔ وہ اپنے مذہبی پیشہ کے ذریعہ اپنا گذارہ بخوبی کر سکتے ہیں۔ اگر کشمیر میں زیادہ کے لئے گنجائش نہ ہو تو برطانوی ہند میں آکر پروہتائی کر سکتے ہیں۔ اور کشمیر میں بھی ان کی حالت باقی سب قوموں سے اچھی ہے۔ کیونکہ حکومت کے چھوٹے بڑے عہدوں پر وہی قابض ہیں۔ احمدی مہاجر

جو براہمن ساہوکارہ اور دستکاری کرتا ہے اس کا خاندان تباہ ہو جاتا ہے

جب منوجی مہاراج بغیر کسی اُلجھن کے صاف لفظوں میں فرما چکے ہیں کہ :-

"شلپ وِدیا (ٹیکنیکل تعلیم یا صنعت و حرفت) یعنی دستکاری۔ سُودی روپیہ کا لینا دینا وغیرہ۔ شودر کی لڑکی سے شادی کر کے لڑکا پیدا کرنا۔ گئو وغیرہ جانوروں کی خرید و فروخت کرنے سے براہمن کا خاندان تباہ ہو جاتا ہے"۔[1]

تو کیا دھرم شاستر کے اس بیّن اور صاف حکم کے ہوتے ہوئے کشمیری پنڈتوں کا ریاست کشمیر سے یہ مطالبہ کرنا۔ کہ

"ٹیکنیکل تعلیم کے لئے کشمیری پنڈتوں کو خاص وظائف دئے جائیں"

اور انہیں دکانداری اور سُودی کاروبار کے لئے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں اپنے ہی مقدس شاستروں کی تعلیم کو پسِ پُشت ڈالنا نہیں؟ جب ہندوؤں کے دھارمک گرنتھ اور مذہبی کتابیں پوری وضاحت کے ساتھ یہ اعلان کرتی ہیں۔ کہ

"براہمنوں کے چھ کام ہیں۔ ان (چھ) میں یگیہ کرنا۔ دان۔ اور پڑھنا یہ تین ریاضتیں ہیں۔ اور دان لینا۔ پڑھانا اور یگیہ کرانا یہ تین گذر اوقات کے ذریعہ ہیں" اور جو

"مذکورہ بالا اپنے اپنے فرائض کو چھوڑ کر دوسروں (کھشتری۔ ویش۔ شودر) کے کاموں کا آسرا لیتا ہے۔ راجہ ان کو سزا دے کر سورگ کا بھاگی (جنّت کا مستحق) بنے" (اتری سمرتی ادھیائے ۱ شلوک ۱۳-۱۷)

اور پھر جب یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ

"براہمن نمک تیل۔ دُودھ بیچنے سے پتت ہو جاتا ہے" (اتری سمرتی ۱/۲)

تو کیا ان روشن اور صاف حکموں کی موجودگی میں کشمیری پنڈتوں کا زراعت صنعت تجارت

[1] منوسمرتی ادھیائے ۳ شلوک ۶۴۔

اور سرکاری ٹھیکوں کے لئے مطالبہ کرنا۔ بلکہ ان کے منوانے کے لئے ریاست پر ناواجب دباؤ ڈالنا۔ اپنے دہرم کی مریاداؤں کا اونگھن نہیں؟ کیا جن برہمنوں کا کام صرف یگیہ کرنا کرانا۔ دان دینا اور لینا۔ اور وید پڑھنا پڑھانا ہو۔ ان کا آج مسلمانان کشمیر کو زرعی اور صنعتی میدان سے بھی نکال باہر کرنے کے لئے ریاست سے اس قسم کے مطالبات کرنا علاوہ ہندو دہرم کی توہین اور بغاوت کے راجہ کے ڈنڈ (سزا) کا بھاگی (مستحق) بننا نہیں ؟

جب سمرتی کار صاف لفظوں میں فرما رہے ہیں۔ کہ جو برہمن سوداسلف بیچے وہ پتت ہوجاتا ہے۔ تو کیا آج کشمیری پنڈتوں کا تجارت کے لئے للچانا اور ریاست سے خاص مراعات کا طالب ہونا۔ انہیں اپنے مذہب سے سرکشی کرنے کے علاوہ (پتت ہوجانے کے باعث) جدی جائداد سے محروم کر دینے والا فعل نہیں ؟

یہی نہیں ہم خدا کے فضل و کرم سے اور بھی اسی قسم کے بہت سے حوالہ جات درج کر سکتے ہیں۔ مگر دہا سبھائیوں کے اس بیہودہ عذر کو توڑنے کے لئے یہ بھی بہت کافی ہیں اور ان کی موجودگی میں اب یہ کہنے کی کسی کو گنجائش نہیں رہ جاتی۔ کہ چونکہ ریاست کے ہندو اپنے مذہب کے بڑے دلدادہ ہیں۔ اس لئے وہ اپنے دہرم شاستر کے کسی حکم کی منسوخی برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ محولہ بالا حوالہ جات اور کشمیری پنڈتوں کے مطالبات اس امر کے منہ بولتے گواہ ہیں۔ کہ جس طرح برطانوی علاقہ کے ہندو شاستری احکام کو پس پشت ڈالتے رہے۔ جس طرح ریاست بہت سے شاستری قوانین کو منسوخ کرتی رہی۔ اسی طرح کشمیر کے ہندو بھی اپنے شاستروں کے اتنے پابند نہیں۔ کہ وہ کسی شاستر کے معمولی اور خود ساختہ حکم کی منسوخی کو برداشت نہ کر سکیں۔ جبکہ وہ خود اپنے عجیب و غریب مطالبات کے ذریعہ دہرم شاستروں کے صریح اور واضح قوانین کو بے معنی بنا رہے ہیں،

لہذا جو شخص مسلمانانِ کشمیر کے اس جائز مطالبہ کے خلاف ریاستی ہندوؤں کی مخالفت کا خوف پیش کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ کیونکہ ہم نے انہی کے دہرم شاستروں کے احکام نقل

کرتے ہوئے بتلا دیا ہے۔ کہ وہ (ریاستی ہندو) خود بھی زراعت، دستکاری، ساہوکارہ اور ٹھیکہ داری کی خاطر اپنے دہرم گرنتھوں کے بہت سے کھلے کھلے حکموں کو اپنے عمل سے باطل اور منسوخ کروانا چاہتے ہیں۔

پس جس حالت میں خود کشمیر کے ہندو کئی دہارمک مریاداؤں کو توڑنے پر بُری طرح آمادہ ہیں۔ تو کیا ان کی طرف سے مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی مخالفت عقلمندوں کے نزدیک کسی حالت میں بھی جائز اور معقول ہو سکتی ہے ؟

کس قدر عجیب اور غریب بات ہے۔ کہ وہ مہا سبھائی جو مسلمانانِ کشمیر کے اس مطالبہ پر کہ مذہب تبدیل کرنے پر کسی کو پدری ورثہ سے محروم نہ کیا جائے۔ یہ کہہ کہہ کر ریاست کے ارباب بست وکشاد کی نیند حرام کئے دیتے تھے کہ "جو ہندو ایسے قانون کی حمائت کرتا ہے۔ وہ ہندؤں کا بہی خواہ نہیں۔ ہندو قوم کے افراد شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں کر سکتے"۔ وہ آج پنڈتانِ کشمیر کے ان مطالبات کو سُن کر بھی خاموش ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ ان کے منوانے کے لئے خود بھی ریاست پر زور دے رہے ہیں۔ حالانکہ اگر ان کے دل میں اپنے مذہب کا احترام ہوتا، اس کی عزت ہوتی اور یہ ان کا دلی عقیدہ ہوتا۔ کہ "شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں" کیا جا سکتا۔ تو آج ان کی طرف سے پہلے سے کہیں زیادہ ان مطالبات کے خلاف مظاہرے ہوتے۔ اور پنڈتان کشمیر کے خلاف انتہائی شور مچاتے۔ اور انہیں مجبور کرتے۔ کہ وہ اپنے مطالبات واپس لیں۔ کیونکہ ان سے شاستر کی مریادا کا اولنگھن ہوتا ہے۔ اور خود ریاست کو بھی مجبور کرتے۔ بلکہ اس سے وعدہ لیتے۔ کہ وہ پنڈتوں کے ان مطالبات کو منظور کرنا تو کجا ان پر غور تک نہ کرے۔ کیونکہ "ہندو قوم کے افراد شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں کر سکتے"۔ مگر کتنی حیرت میں ڈالنے والی بات ہے۔ کہ کل جو مہا سبھائی شاستر کی مریادا کا خوف دلا دلا کر ریاست کو مسلمانوں کے ایک واجبی اور معقول مطالبہ کے پورا نہ کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ وہ آج شاستروں کی بدیہی اور واضح مریادا کا اولنگھن ہوتے دیکھ رہے

ہیں۔ اور اس کے خلاف زبان سے ایک حرف تک نہیں نکالتے ہیں اور تعجب پر تعجب یہ ہے کہ پنڈتانِ کشمیر کے ان مطالبات کو سُن کر مہاراجہ صاحب بہادر اور وزیراعظم بھی ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ ان پر ہمدردانہ غور کیا جائیگا۔ حالانکہ شاستر راجہ کو حکم دیتے ہیں۔ کہ جو براہمن ایسے کاموں کے مرتکب ہوں۔ وہ پتت ہیں، نیچ ہیں، برادری سے خارج ہیں۔ اور راجہ انہیں سزا دیکر ثواب اُخروی حاصل کرے، مگر مسلمانانِ کشمیر اگر ایک معقول مطالبہ کرتے ہیں۔ تو انہیں صاف جواب دیدیا جاتا ہے،

مگر ہمیں امید ہے کہ اگر مسلمانانِ کشمیر صبر سے کام لیں۔ اور پنڈتانِ کشمیر کی اس تازہ مہم پر نگاہ رکھیں تو آگے چل کر انہیں خاطرخواہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ جس وقت بھی پنڈتان کشمیر کے مطالبات منظور کرلئے گئے۔ اسی وقت وہ بھی اپنا مطالبہ منوا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت تو اس مطالبہ کو یہ کہہ کر نامنظور کیا گیا ہے کہ یہ شاستری حکم کے خلاف ہے۔ مگر جب پنڈتان کشمیر کے مخالف از شاستر مطالبات کو منظور کرلیا گیا۔ تو اس وقت ریاست کا یہ عُذر خود بخود ٹوٹ جائے گا۔ اور اس وقت مسلمان اس تازہ نظیر کو پیش کرکے انشاءاللہ ضرور کامیاب ہوں گے۔

کیونکہ اب معاملات نے ایسی صورت اختیار کرلی ہے۔ کہ یا تو ریاست کشمیری ہندوؤں کے مطالبات پورا کرنے کے لئے شاستری مریادا توڑیگی۔ یا انہیں بھی وہی دلیل دیکر جواب دیدیگی۔ جو مسلمانوں کو دی۔ اور اگر ان کے مطالبات منظور کرلئے گئے۔ تو لازماً اسے مسلمانان کشمیر کا بھی مطالبہ منظور کرنا پڑیگا۔ کیونکہ جس طرح بقول ریاست مسلمانوں کا مطالبہ شاستر مریادا کے خلاف ہے اسی طرح پنڈتان کشمیر کے مطالبات بھی شاستر مریادا کے خلاف ہیں،

مسلمانانِ کشمیر کے مطالبہ ہٰذا کے حق میں بہت سے امور ہیں،

اب اس ساری بحث کا مطالعہ کرتے ہوئے انصاف پسند اور شریف الطبع ہندو خود ہی فیصلہ کریں۔ کہ جب ہمارا عقلی استدلال مسلمانانِ کشمیر کے اس مطالبہ کے حق میں ہو، منوسمرتی کی بے اعتباری پر ہندو پنڈتوں کی شہادتیں

اس کے حق میں ہوں، خود منو مہاراج کا پرتت کے معنوں کو اپنے مختلف شلوکوں میں محدود کر دینا اس کے حق میں ہو، پھر مترجموں میں تبدیلی کے جواز پر ہندو لیڈروں کی رائیں اس کے حق میں ہوں، برٹش حکومت کا قانون مجریہ ۱۸۵۰ء اس کے حق میں ہو، اس پر برطانوی علاقہ کے ہندوؤں کی منظوری اس کے حق میں ہو، خود ریاست کا بہت سے قوانین کو منسوخ کرنا اس کے حق میں ہو، برطانوی علاقہ کے ہندوؤں کا بہت سی شاستر مریاداؤں کا اولنگھن اس کے حق میں ہو، کشمیری پنڈتوں کا اپنے دہرم شاستر کے صریح خلاف مطالبات کرنا اس کے حق میں ہو۔ تو کیا ان حالات میں مسلمانان کشمیر کا یہ مطالبہ کرنا غیر معقول ہو سکتا ہے کہ ریاست مذہبی آزادی پر کسی قسم کی پابندیاں عائد نہ کرے۔ اور اگر کسی شاستر کا کوئی قانون اس کی راہ میں حائل ہو بھی تو اس کو ویسے ہی رد کر دے۔ جیسا کہ اس نے قبل ازیں بہت سے شاستری قوانین کو منسوخ اور باطل کر دیا ہے ؟

ہم نہیں سمجھتے۔ کہ جب ہندو مہا سبھائی خود اس قانون کو ۸۲ سال قبل منسوخ کروا چکے ہیں۔ تو آج اگر ریاست میں بھی اسے منسوخ کر دیا جائے تو کونسی آفت آجائے گی ؟

جب حال ہی میں ان کے مسلمہ لیڈر وائسرائے کی مشاورتی کمیٹی میں خود یہ طے کر چکے ہیں۔ کہ :-

"مذہب کی تبدیلی سے کوئی شخص کسی شہری حق سے محروم نہیں ہو سکتا اور نہ اس پر کسی قسم کی سزا وارد ہو سکتی ہے" (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲۷ فروری ۱۹۳۲ء)

تو پھر کس طرح یہ لوگ اس روشنی، تہذیب اور آزادی کے زمانہ میں یہ کہنے میں حجاب محسوس نہیں کرتے۔ کہ ریاستِ کشمیر کے ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں اور بودھوں میں سے جو کوئی بھی مذہب تبدیل کرے، اُسے مستوجب سزا سمجھنا چاہیئے۔ اور اس کو آبائی ورثہ سے محروم کر دینا چاہیئے ؟

ہماری سمجھ میں یہ بات ابھی تک نہیں آئی۔ کہ برطانوی علاقہ کے ہندو جو چیز اپنے

لئے پسند نہیں کرتے۔ وہ ریاستی باشندوں کے لئے کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟ جب اُن کے لیڈروں کا تازہ فیصلہ یہی ہے۔ کہ تبدیل مذہب کرنے والے پر کسی قسم کی سزا وارد نہ ہو سکے گی۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ریاست کے باشندوں کو مذہب تبدیل کرنے پر مورد سزا سمجھا جائے؟

مگر ہم سمجھتے ہیں۔ کہ ہر ایک انصاف پسند خواہ وہ ہندو ہو یا سکھ، عیسائی ہو یا بودھ اس بات پر اتفاق کریگا۔ کہ مسلمانان کشمیر کا یہ مطالبہ ہر طرح معقول۔ درست اور انصاف پر مبنی ہے۔ نہ صرف یہی مطالبہ بلکہ ان کے باقی تمام مطالبات بھی ایسے ہی معقول اور بجا ہیں۔ کیونکہ جن غیر جانبدار اصحاب نے بھی ان کے مطالبات کو چشم انصاف سے دیکھا ہے۔ وہ انکی معقولیت پر صاد کئے بغیر نہیں رہ سکے،

چونکہ فی الحال یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ مسلمانان کشمیر کے مبنی بر انصاف مطالبات کی تائید میں بہت سے غیر جانبدار اصحاب کی رائیں درج کی جاسکیں۔ اس لئے نمونتہً صرف چند ایک پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ جن کا مطالعہ بتلائیگا۔ کہ بلاشک و شبہ مسلمانان کشمیر کا ہر ایک مطالبہ بجا، درست اور معقولیت پر مبنی ہے:۔

مسلمانان کشمیر کے مطالبات کی تائید میں چند غیر جانبداروں کی رائیں

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کی رائے "مسلمانوں کے مطالبات نہایت معقول ہیں۔ جن کا بوجوہ احسن پورا کرنا مہاراجہ بہادر کے اولین فرائض میں سے ہے"۔[۱]

اخبار "سٹیٹسمین کلکتہ" کی رائے "مسلمانوں کے مطالبات بالکل درست۔ ان کی شکایات بالکل بجا اور ان کا خلوص مسلّمہ ہے۔ انہوں نے اپنے مطالبات جس صورت میں وضع کئے ہیں۔ وہ صاف ظاہر کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے حق سے زیادہ نہیں مانگتے"

[۱] سول ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء۔

اور یہی سب سے بڑی دلیل ہے ان کے حق بجانب ہونے کی"[1]

اخبار ہندو مدراس کی رائے "مسلمانانِ کشمیر کے اکثر مطالبات دیگر ریاستوں کی رعایا کی مانند جائز اور شکایت بجا ہیں ..... یہ ایسی شکایات اور ایسے مطالبات ہیں جن میں کسی کو شک و شبہ ہو نہیں سکتا"

محولہ بالا آراء پڑھ لینے کے بعد ہمارے شریف ہندو مہاسبھائیوں پر بھی واضح ہو گیا ہو گا۔ کہ جن مطالبات کو ہندو مہاسبھائی "غیر معقول"۔ "ملکی مفاد کے خلاف"۔ "قوم پرستی کے خلاف" اور "جنگ وجدل کا آتشکدہ" بتلاتے ہیں۔ وہ ہرگز ایسے نہیں۔ بلکہ "نہایت معقول ہیں" (سول) "بالکل درست" ہیں (سٹیٹسمین) اور "جائز" ہیں (ہندو)

اور جبکہ غیر جانبدار اصحاب کے نزدیک بھی ان کی معقولیت میں "کوئی شک وشبہ ہو نہیں سکتا" (ہندو) تو ایسی حالت میں مہاسبھائیوں کا ان کی مخالفت کرنا اس بات کا روشن ثبوت نہیں۔ کہ یہ مسلمانوں کو ملک کے کسی حصہ میں بھی اپنے "معقول" اور "جائز" حقوق سے مستفید ہونے نہیں دیتے؟

اور کیا ان حالات کی موجودگی میں ڈاکٹر مونجے اور اس کے ہمنواؤں کا مسلمانوں کو یہ کہنا کسی حقیقت پر مبنی ہو سکتا ہے کہ:۔

"یہ غلط ہے کہ یہاں سوراج کے بعد ہندو۔ مسلمانوں کو حقوق نہ دیں گے ہندو تو کبھی کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا"

جب یہ لوگ ان ریاستوں میں بھی مسلمانوں کو حقوق نہیں لینے دیتے۔ جہاں اس وقت بھی ہندو راج قائم ہے۔ تو یہ برطانوی ہند میں کب سوراج ملنے پر انہیں حقوق دینگے؟ کیا جو لوگ مسلمانانِ کشمیر کو بدنام کرنے اور انہیں خائب و خاسر رکھنے کیلئے مذموم سے مذموم چالیں چلتے رہے اطرح طرح کے داؤ کھیلتے رہے ہاور انکے خلاف منصوبے بازیاں

[1] بحوالہ سٹیٹسمین از الامان ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء

کرتے رہے، ان سے یہ امید کیجا سکتی ہے۔ کہ وہ سوراج ملجانے پر مسلمانوں کو حقوق دیدینگے؟

شریف الطبع ہندؤں سے اپیل

کیا ان کی یہ کارروائیاں اور چالبازیاں ایسی نہیں۔ کہ شریف الطبع ہندو ان کی مذمت کریں؟ کیا ان کی حق و انصاف کے خلاف حرکات اس قابل نہیں۔ کہ نیک دل ہندو ان پر اظہار نفرت کریں؟ کیا ان کے یہ قابل صد نفرت داؤ پیچ اس لائق نہیں۔ کہ منصف مزاج ہندو ان کو ملامت کریں؟

ہم اپنے عزیز اور شریف ہندو دوستوں کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ اگر یہ لوگ تنگدلی اور تنگ ظرفی نہ دکھاتے، اگر یہ بنیا پن سے کام نہ لیتے، اگر یہ حرص و آز کے شکار نہ ہوتے، تو ہمارا ملک جس کی آزادی اور ترقی کے لئے آپ بھی بے قرار نظر آتے ہیں کبھی کا اپنی مراد کو پہنچ گیا ہوتا۔ اگر پلیٹ فارم اور پریس پر ان کا قبضہ نہ ہوتا۔ اگر لیڈری اور قیادت ان کے ہاتھ میں نہ ہوتی تو آج ملک کی یہ حالت نہ ہوتی،

اگر اس وقت ہندو مسلمانوں میں نفاق و شقاق نظر آتا ہے۔ تو اس کی موجب مہا سبھائی ذہنیت ہے۔ اگر ملک اتفاق و اتحاد کی برکتوں سے محروم ہے۔ تو اسکا سبب بھی یہی مہا سبھائی ذہنیت ہے اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اس ذہنیت کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہونے کی ذمہ داری غیر مہاسبھائی شریف ہندؤں پر بھی عائد ہوتی ہے جنھوں نے بروقت اس فتنہ کا سدباب نہ کیا اور غنڈہ پن سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے،

لیکن اب جبکہ آپ پر اس ذہنیت کے برے نتائج واضح ہو چکے اور دیکھ لیا۔ کہ یہ لوگ اپنے اعمال اور افعال سے دوسری قوموں کو کس طرح دور سے دور تر کئے جا رہے ہیں۔ اور ان کے اندیشوں اور خدشوں میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ جو متحدہ قومیت اور ملکی مفاد کے لئے سخت ضرر رساں ہے۔ تو کیا ایسی حالت میں ضروری نہیں کہ وہ آگے آئیں۔ اور اپنی قوم کی باگ ڈور ہاتھ میں لے کر ان کے بوئے ہوئے کانٹے نذر آتش کریں۔ اور اپنی

مخلصانہ کوششوں سے ملک کی سبھی قوموں کو مطمئن اور ایک دوسرے کی سچی رفیق اور غمگسار بنا دیں؟

ہمارے نزدیک ہی نہیں بلکہ ہر بہی خواہ ملک کے نزدیک یہ ضروری ہے۔ کہ شریف اور انصاف پسند ہندو میدان عمل میں نکلیں اور ایسی راہ اختیار کریں جس سے نہ صرف یہ کہ باہمی بدگمانیاں ہی دُور ہو جائیں۔ بلکہ ملک کی ہر ایک قوم، ہر ایک جاتی اور ہر ایک فریق کو اس کے جائز اور واجبی حقوق حاصل ہو جائیں، اور اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ جہاں وہ اقلیتوں کے حقوق غصب کرنے والوں کو سمجھائیں کہ ان کی یہ روش کسی صورت میں بھی مستحسن نہیں۔ وہاں ریاست کے ہندو باشندوں کو بھی سمجھائیں۔ کہ وہ ان لوگوں کے کہنے سُننے میں آ کر اپنے مسلمان ہموطنوں کی جائز ترقی میں روڑے نہ اٹکائیں،

ریاست کے ہندو عہدہ داروں کو بھی مہاسبھائی اثرات سے پاک کرنا چاہیئے

یہی نہیں، بلکہ ریاست کے ہندو عہدہ داروں کو بھی سمجھائیں۔ کہ وہ ان لوگوں کے اثرات قبول کرنے سے پرہیز کریں۔ بلکہ جس طرح مہاراجہ صاحب بہادر فیاض طبعیت، روادار اور اپنی رعایا سے بلا تفریق مذہب و ملت مشفقانہ سلوک کرتے ہیں اسی طرح وہ بھی وسیع قلب اور روادار بن کر اور ہر قسم کی طرفداری و تعصّب سے بالا ہو کر ریاست کے سبھی فرقوں اور جماعتوں سے مشفقانہ سلوک کریں۔ تاکہ ان کے اس عمدہ اور منصفانہ برتاؤ کی بدولت ریاست ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہر قسم کے خرخشوں اور فتنوں سے مامون و مصئون ہو جائے،

اور یہ ہم اس لئے کہہ رہے ہیں۔ کہ ریاست کے بعض عہدیداروں پر یقیناً مہاسبھا یو ملا کا اثر پڑ چکا ہے۔ اور وہ ان کے پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر یہ خیال اپنے دلوں میں جاگزیں کر چکے ہیں۔ کہ مسلمانان کشمیر کی ایجی ٹیشن نہ صرف ہندوؤں کے خلاف تھی، ہندو عہدہ داروں کے خلاف تھی، مہاراجہ صاحب بہادر کے خلاف تھی، بلکہ یہاں مسلم راج قائم کرنیکی نیت سے

تھی جیساکہ ریاست کے ایک بہت بڑے ذمہ وار عہدہ دار۔ ٹھاکر کرتار سنگھ (سابق گورنر کشمیر حال وزیر مال) کے اس لمبے چوڑے بیان سے ظاہر ہے جو دلال کمیشن کے سامنے دیا گیا۔ اور جس میں بقول اخبار پرتاپ

"بجواب جرح گواہ (ٹھاکر کرتار سنگھ) نے کہا۔ کہ ایجی ٹیٹروں کا اصلی مدعا یہ تھا۔ کہ شمالی ہند میں تمام تر مسلم راج ہو جائے" (پرتاپ ۹ ستمبر ۳۱ء صفحہ ۹)

اب خیال فرما لیا جائے۔ کہ جب اتنے بڑے ذمہ وار عہدہ دار کا بھی یہی خیال ہو۔ تو ماتحت عملہ اس قسم کے خیالات میں اس سے بھی زیادہ مبتلا نہ ہو گا؟ اور جب یہ ثابت و ظاہر ہے کہ ریاست کے بعض ہندو عہدہ دار مہاسبھائی پروپیگنڈا کا شکار ہو کر تحریک کشمیر کے متعلق یہی خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ مسلم راج قائم کرنیکی غرض سے تھی۔ تو وہ (عہدہ دار) کس طرح ریاستی مسلمانوں کو ترقی کرنیکا موقع دے سکتے ہیں۔ اور کس طرح ان کے حقوق کو عملی جامہ پہنانے پر برضا و رغبت آمادہ ہو سکتے ہیں ؟ جب وہ مہاسبھائی اثرات کے ماتحت یہی سمجھتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کا حقوق حقوق چلانا، ایجی ٹیشن کرنا مسلم راج کی خاطر تھا۔ تو اس قسم کا خیال کرنے والوں سے یہ توقع ہو سکتی ہے۔ کہ وہ رعایا کی حقیقی مشکلات اور جائز شکایات کو دور کرنے کی کوشش کرینگے ؟ اور مہاراجہ صاحب بہادر نے جن مطالبات کو پورا کرنیکا حکم فرمایا ہے۔ انہیں وہ حیلوں بہانوں سے ٹالتے نہ رہینگے ؟ جب ان کے دل و دماغ پر یہی خیال مسلط کر دیا گیا ہو کہ مسلمانان کشمیر کا ملازمتیں مانگنا، عہدے چاہنا، اسمبلی قائم کروانا اپنے اقتدار کو بڑھانے اور یہاں مسلم راج قائم کرنے کے لئے ہے۔ تو کس طرح وہ مسلمانوں کی سقیم حالت کو بہتر حالت میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے ؟

چونکہ یہ خیال اور ذہنیت نہ صرف مسلمانان کشمیر کے لئے بلکہ خود ریاست کے امن اور ترقی کیلئے بھی سخت مضر اور انتہائی خطرناک ہے۔ اس لئے شریف ہندوؤں کو ایسے عہدہ داروں کی (خواہ وہ زیادہ ہوں یا چند ایک ہی) ذہنیت بدلنی چاہیئے۔ اور انہیں مہاسبھائی اثرات سے

پاک کرنا چاہیئے، اور ان کے دلوں میں جس قسم کے غلط اور بے بنیاد خیالات پیدا کر دئے گئے ہیں۔ ان کا پوری کوشش کے ساتھ ازالہ فرمانا چاہیئے، کیونکہ اگر اس قسم کے نقصان دہ خیالات کو دور نہ کیا گیا۔ تو ریاست کبھی بھی امن و آسائش سے ہمکنار نہ ہو سکیگی۔

چونکہ ریاست میں امن اور خوشحالی کی اشد ترین ضرورت ہے۔ اس لئے جلد سے جلد وہاں کے ان عہدہ داروں کے مسموم خیالات کو دور کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ اپنے والی اور حکمران کی طرح فراخ دل، بے تعصب اور روادار بن کر مسلمانان کشمیر کی ان تمام جائز شکایات کو جلد سے جلد دور کر دیں۔ جن کے باعث رہ رہ کر ان کے اندر بے چینی پیدا ہوتی ہے،

ہمیں امید ہے۔ کہ نہ صرف نیکدل ہندو ہی ہماری معروضات پر دھیان دیتے ہوئے اس ضروری امر کی طرف متوجہ ہوں گے۔

وزیر اعظم صاحب بہادر سے بھی یہی نیک توقع ہے

بلکہ جناب وزیر اعظم صاحب بہادر بھی ایسے عہدہ داروں کی ذہنیت بدلنے کی سعی مشکور فرمائینگے۔ کیونکہ اس وقت مسلمانان کشمیر کو جو اطمینان حاصل ہونا چاہیئے تھا۔ وہ حاصل نہیں ہوا۔ وہ اس وقت سخت تذبذب کی حالت میں ہیں۔ اور مہاراجہ صاحب بہادر کے ارشادات کو عملی جامہ پہنانے میں جتنی دیر ہو رہی ہے۔ اتنا ہی ان کے اضطراب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ توقع ہے۔ کہ مسٹر کالون صاحب بہادر ایسے بیدار مغز مدبر وہاں کے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اضطراب کو جلد سے جلد دور کر کے نہ صرف ہمارے بلکہ مسلمانان کشمیر کے بھی شکریہ کے مستحق ٹھہرینگے۔ اور اس کے ساتھ ہم اس امر کی بھی توقع رکھتے ہیں۔ کہ گلینسی کمیشن کی سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کے بعد مسلمانان کشمیر کے باقیماندہ جائز اور معقول مطالبات کو بھی مہاراجہ صاحب بہادر سے منظور کروا کر وہاں کے مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مطمئن کر دینگے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

مہاسبھائی ہندوؤں سے اپیل

یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہندو مہاسبھائیوں اور ہندو کانگرسیوں کی تنگدلانہ روش قابل ملامت ہے۔ اور

ملی معاملات کو پیچیدہ کرنے کا باعث انہی کی تنگ ظرفانہ ذہنیت ہے۔ اور انہی کی وجہ سے مسلمانان کشمیر کو آلام و مصائب میں مبتلا رہنا پڑا۔ انہی کی وجہ سے برطانوی علاقہ کے مسلمان بھی اپنے حقوق حاصل کرنے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے۔ مگر باوجود اس کے پھر بھی ہم اپنے ہندو مہاسبھائی دوستوں سے مایوس نہیں ہوئے اور امید رکھتے ہیں۔ کہ وہ وقت جلد ہی آنیوالا ہے۔ جب ان کو اپنے آپ ہی سمجھ آ جائیگی۔ اور زمانہ کی رفتار اور حالات کا تقاضا انہیں مجبور کر دیگا۔ کہ وہ اپنی روش بدلیں۔ کیونکہ یہ قطعی محال اور ناممکن ہے۔ کہ مہاسبھائی دوسری اقلیتوں کو غیر مطمئن اور حقوق سے محروم رکھ کر کامیاب اور بامراد ہو سکیں

ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اپنی دولت، اپنی لیاقت، اپنی طاقت اور اپنی چالبازیوں اور منصوبوں کی طفیل کچھ عرصہ کیلئے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائیں اور گورنمنٹ پر دباؤ ڈال کر اپنی بات منوالیں۔ مگر یہ حالت ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی۔ اور ہمارے نزدیک جس وقت بھی۔ مسلمان، اچھوت اور دوسری اقلیتوں میں بیداری پیدا ہوئی۔ اور انہیں اپنی کس مپرسی اور بیچارگی کا احساس ہوا اسی وقت وہ ان کی ہر ایک چال، ہر ایک داؤ اور ہر ایک منصوبہ کو ناکام بنا دینگی۔ اور اس وقت تک چین نہ لیں گی جب تک کہ ملک میں انصاف اور رواداری کا دور دورہ نہ ہو جائے۔ حالات اور واقعات کی رفتار بتلا رہی ہے۔ کہ ایسا ہوگا۔ اور ضرور ہوگا۔ اس لئے کیا ہی اچھا ہو کہ مہاسبھائی دوست ابھی سے اپنی اصلاح کر لیں۔ اور حرص و آز کی بجائے صبر و قناعت سے کام لیں۔ اور ملک میں اپنا ہی تسلط اور اقتدار قائم کرنیکی مجنونانہ خواہش سے دلوں کو پاک کر کے ملک کی سبھی قوموں کو ان کے حقوق دلائیں۔ تاکہ وہ اس بہت بڑی اور اذیت دہ ندامت اور ناکامی کے صدمہ سے بچ جائیں۔ جو انہیں اپنی ہی بیجا حرص اور ناجائز اقتدار کی خواہش کے ہاتھوں نصیب ہونیوالی ہے

ہم سمجھتے ہیں کہ ہندو مہاسبھائیوں میں بھی دیش بھگت محب وطن موجود ہیں۔ اور ان کی دلی خواہش ہے۔ کہ ملک ایک دفعہ پھر اچھے دن دیکھے۔ اور اس کا نیر اقبال گہن سے

نکل آئے۔ مگر کیا انہوں نے کبھی یہ سوچنے کی بھی تکلیف کی ہے۔ کہ ایسی خواہش کن ذرائع کو کام میں لانے سے پوری ہوگی۔ اور وہ کون سی راہیں ہیں جنکو اختیار کرنے سے ہی یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے؟ کیا اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ضروری نہیں۔ کہ ملک کی مختلف قوموں اور ملتوں میں اتفاق و اتحاد پیدا ہو۔ ان میں باہمی اعتبار اور اعتماد پیدا ہو۔ اور وہ مسالمت اور رواداری سے کام لیں اور ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں،

اگر یہ ضروری ہے اور یقیناً ضروری ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ مہا سبھائی اس طرف توجہ نہ کرتے ہوئے ہر دیال ایسے مفسدہ پرداز کی مندرجہ ذیل سکیم پر ہی موہت اور گرویدہ ہو رہے ہیں؟

"ہم بھی ایک نیا گل کھلائینگے۔ اور اس گل کی مہک کابل سے کلکتہ اور کشمیر سے راس کماری تک پھیل جائیگی۔ یہ گل ہندو سنگٹھن اور خصوصاً پنجابی ہندوؤں کا سنگٹھن ہے۔ اس سے ہندو ریاست قائم ہوگی۔ پورن شدھی ہوگی۔ اور افغانستان اور سرحد کی فتح ہوگی۔ یہ سب معجزے اور کرامات آئندہ ظہور میں آئینگے" (ملاپ ۱۵ مئی ۲۵ء)

اگر ملک کی آزادی اور خوشحالی کیلئے ضروری ہے۔ کہ ہندوستانیوں میں باہمی محبت، خلوص اور اعتماد پیدا ہو۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ مہا سبھا کا میلانِ طبیعت ہر دیال کی مندرجہ ذیل باتوں ہی کو عملی جامہ پہنانے کی طرف ہے۔ کہ:۔

"جب ہندو سنگٹھن کی طاقت سے سوراجیہ لینے کا وقت قریب آئیگا۔ تو ہماری جو نیتی (پالیسی) مسلمانوں و عیسائیوں کیطرف ہوگی اس کا اعلان کر دیا جائیگا اس وقت باہمی سمجھوتہ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ ہندو مہا سبھا صرف اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیگی۔ کہ نئی ہندو ریاست میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے فرائض اور حقوق کیا ہونگے اور

آن لی شدھی کی کیا شرائط ہوں گی؟ (ملاپ ۲۵ مئی ۲۵ء)

اور اگر مہا سبھا نے ہر دیال کی اس سکیم یا پروگرام کو عمل میں لانے کا تہیہ نہیں کر رکھا۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ وہ مسلمانان کشمیر کو حقوق سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ سندھ کے مسلمانوں کو انکی جائز اکثریت سے مستفید ہونے نہیں دیتے۔ پنجاب کے مسلمانوں کو انکی اکثریت کا حق نہیں دیتے، بنگال کے مسلمانوں کو اپنی اکثریت کا فائدہ اٹھانے نہیں دیتے؟ اگر ان کا ارادہ کابل سے کلکتہ (بنگال) اور کشمیر سے راس کماری تک ہندو ریاست قائم کرنے کا نہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ مہا سبھائیوں نے کشمیر کے مسلمانوں کو محروم الحقوق بنانے کے لئے وہاں کے ہندوؤں کو بھڑکایا۔ مہاراجہ صاحب بہادر کو ان سے بدظن کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ ریاست کے عہدہ داروں کو ان کے خلاف کرنے کی سعی ناروا کی، برٹش حکومت کو ان کا مخالف بنانا چاہا۔ برطانوی پبلک کو ان سے متنفر و بیزار کرنے کے واسطے قطعی جھوٹ اور بے بنیاد اتہام گھڑے آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے محترم صدر کے خلاف ناجائز پروپیگنڈا کیا۔ اور گلینسی کمیشن پر دباؤ ڈالنے کے لئے طرح طرح کے حربے استعمال کئے؟

اگر ان کے مدنظر ہر دیال کی سکیم نہیں تو کیا وجہ ہے۔ کہ وہ سندھ کے مسلمانوں کو ناکام رکھنے کیلئے وہاں کے ہندوؤں کو سیخ پا کر رہے ہیں؟ اگر ان کی منشا ہر دیالی سکیم کو کامیاب بنانا نہیں تو کیا وجہ ہے۔ کہ وہ پنجاب کے مسلمانوں کو ناکام بنانے کیلئے سکھوں کو اشتعال دلا رہے ہیں؟ اگر ان کا مقصد ہر دیال کے مندرجہ بالا الفاظ کو عملی جامہ پہنانا نہیں۔ تو بنگال کے عیسائیوں اور دوسری اقلیتوں کو کیوں مسلمانان بنگال کی اکثریت تباہ کرنے کیلئے اکسا رہے ہیں؟ جب یوپی کے مسلمان اپنے صوبہ کی ہندو اکثریت کو مٹانا نہیں چاہتے، جب سی پی کے مسلمان اپنے صوبہ کی ہندو اکثریت کو تباہ کرنا نہیں چاہتے، جب بہار و اڑیسہ کی مسلمان آبادی اپنے صوبہ کی ہندو اکثریت کو تہس نہس کرنے کی خواہاں نہیں۔ جب بمبئی۔ مدراس۔ برار آسام وغیرہ صوبوں کی مسلم اقلیتیں ہندو اکثریت کا حق اکثریت چھیننا نہیں چاہتیں۔ تو کیا

وجہ ہے۔ کہ مہا سبھائی۔ کشمیر، پنجاب۔ سندھ اور بنگال کی مسلم اکثریت کو ملیامیٹ کرنے پر آمادہ ہیں؟ جب مسلمان مرکزی گورنمنٹ میں ہندو اکثریت کو نقصان پہنچانے کے متمنی نہیں۔ جب وہ ہندوستان کے اکٹھے نو صوبوں میں ہندوؤں کی اکثریت کو گزند پہنچانے کے خواہشمند نہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ مہا سبھائیوں نے تین چار صوبوں میں مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو کچل ڈالنے کی ٹھان لی ہے؟

جو کانگرسی، آریہ سماجی اور مہا سبھائی چاہتے ہیں۔ کہ ملک آزاد ہو، اس کو پہلا سا عروج حاصل ہو۔ اور یہ آزاد ممالک کی صف میں سر بلند ہو کر کھڑا ہو سکے۔ تو وہ سُن لیں۔ اور کان کھول کر سُن لیں۔ کہ یہ تمنا اسی وقت پوری ہو گی جبکہ وہ اپنی ذہنیت کو بدل ڈالیں گے، ناجائز اقتدار اور بے جا تسلط کی خواہش ترک کر دینگے، دوسروں کو محکوم اور غلام بنانے کی اچھا تیاگ دینگے۔ کیونکہ جب تک وہ اس قسم کی مذموم مگر موہوم امیدوں کو دل میں پرورش کرتے رہینگے۔ اس وقت تک نہ تو اقلیتیں ہی ملک کو سوراج دلانے کی کوشش کرینگی۔ اور نہ برٹش گورنمنٹ ہی اپنا وعدہ کامل طور پر پورا کریگی،

ان کے لئے دو ہی راستے کھلے ہیں۔ یا تو ملک کو آزاد کروائیں جس کیلئے اقلیتوں کو مطمئن کرنا ضروری ہے۔ اور یا ہمیشہ ہمیشہ کی غلامانہ زندگی کو پسند کریں۔ جو ہر دیال کی ناممکن العمل سکیم کو عملی جامہ پہنانے کے باعث اُن کے مقدر میں لکھی ہے۔

اور اگر انہیں ہماری بات کا اعتبار نہ ہو۔ تو وہ دل کے ولولے پورے کر دیکھیں۔ انہیں زمانہ خود ہی بتلا دیگا۔ کہ وہ کشمیر سے راس کماری اور کابل سے کلکتہ تک ہندو ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں یا مرکزی حکومت میں حاصل ہونے والے اقتدار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ مگر ہم پھر بھی یہی عرض کرینگے۔ کہ وہ انہونی اور ناممکن الحصول سکیموں کے پیچھے نہ پڑیں۔ کیونکہ ان سے انہیں کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ ہاں نقصان اور شرمندگی کا احتمال ضرور ہے ہمیں امید ہے۔ کہ ہماری اس مخلصانہ درخواست کو مہا سبھائی دوست قبول کرینگے۔ اور اگر

وہ ایسا کرنیکے لئے تیار نہیں۔ تو ہم یہ شعر دہرا دینے کے بعد اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں،

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے دیتے ہیں

کانگرسی مسلمانوں سے خطاب

اس کے بعد ہم ان کانگرسی مسلمانوں کو بھی جو تصفیہ حقوق کئے بغیر کانگرس میں داخل ہیں۔ یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ وہ حالات کی نزاکت کا خیال کریں۔ اور قوم کے متفقہ فیصلہ کے خلاف اِدہر اُدہر بھٹکنے سے باز آئیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کانگرسی اور مہا سبھائی ہندوؤں نے ان کو جس قسم کا دم جھانسہ دے رکھا ہے۔ وہ نہ صرف ان کے لئے بلکہ ان کی قوم کے لئے بھی ضرر رساں ہے۔ اگر وہ کانگرسی ہندوؤں اور مہاسبھائیوں کے بھرّے میں آکر یہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ کہ اس وقت حقوق کا سوال اٹھانا اور اسے طے کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ سوراج مل جانے پر ہندو، مسلمانوں کو خود ہی وہ تمام حقوق دیدینگے۔ جو طلب کئے جاتے ہیں۔ تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ تصفیہ حقوق کا اگر کوئی موزون وقت ہے تو وہ یہی ہے۔ اگر اس وقت فیصلہ نہ ہوا۔ تو پھر کبھی بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ جو لوگ محکومی کی حالت میں بھی دوسروں کے حقوق تسلیم نہیں کرتے وہ صاحب اقتدار ہو جانے پر کب ان کی سُنیں گے؟

کیا واقعات کشمیر نے ان کی آنکھیں نہیں کھولیں؟ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا۔ کہ کانگرسی اور مہا سبھائی ہندوؤں نے مسلمانان کشمیر کو ان کے جائز اور واجبی حقوق سے محروم رکھنے کے لئے کتنی شدید اور غلیظ مخالفت کی؟ ان کو ناکام رکھنے کیلئے کتنا قابلِ شرم پروپگینڈا کیا؟ ان کے جائز و معتدل مطالبات کو غیر معقول، ناقابلِ قبول اور دیش ہت کے خلاف بتلایا؟ ریاست کو دھمکیاں دیں۔ کہ اگر مسلمانانِ کشمیر کے حقوق تسلیم کر لئے گئے۔ تو ہم یہ کر دینگے۔ وہ کر دیں گے،

کیا ان کی یہ قابلِ صد نفرت کارروائیاں اس امر کی مُنہ بولتی گواہ نہیں۔ کہ یہ لوگ نہ صرف

برطانوی ہند میں بلکہ ریاستی ہند میں بھی مسلمانوں کو اپنے جائز حقوق سے مستفید ہونے نہ

کیا اب بھی وہ مہاسبھائیوں اور کانگرسیوں کی اسی بات پر یقین کئے رہینگے۔ کہ اس

ہندؤں کے پاس ہے کیا جو مسلمانوں کو دیا جائے۔ ہاں سوراج مل جانے دو۔ پھر ان

مطالبات پورے کر دئے جائینگے، کیا تحریک کشمیر نے ان کے اس عذر کی بھی دھجیاں بکھیر

رکھدیں؟ کیا ہمارے کانگرسی مسلمان اب بھی ہندؤں کی اس بات کو حقیقت پر ہی مبنی

کہ یہ غلط ہے۔ کہ یہاں سوراج کے بعد ہندو۔ مسلمانوں کے حقوق نہ دیں گے

ہندو تو کبھی کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا"۔ (مونجے)

کیا کشمیر کے واقعات نے ثابت نہیں کر دیا۔ کہ یہ لوگ اپنے اس قول میں بھی سچے نہیں۔

یہ ان علاقوں میں بھی مسلمانوں کے حقوق کی انتہائی مخالفت کرتے ہیں۔ جہاں ہندو ہی

سفید کے مالک ہیں۔ اور انہیں کا وہاں راج ہے۔ تو کیا جسوقت برطانوی علاقہ میں بھی ا

واقتدار حاصل ہو گیا۔ تو اسوقت یہاں کے مسلمانوں کو حقوق دیدینگے؟ کیا جن لوگوں کا مق

نصب العین کشمیر سے راس کماری تک ہندو ریاست قائم کرنا ہو۔ وہ سوراج ملجانے۔

مسلمانوں کو فائز المرام ہونے دینگے؟

پس اب جبکہ واقعات کشمیر نے کانگرسی ہندؤں اور مہاسبھائی سنگٹھنیوں کی اص

بے نقاب کر دی۔ ان کے دلی منصوبے اور مخفی ارادے منظر عام پر آگئے۔ تو ایسی حالت

نیشنلسٹ مسلمانوں" کا کانگرس کے کاز کو اپنی شمولیت سے تقویت پہنچانا قطعاً جائز نہ

اگر وہ چاہتے ہیں۔ کہ توحید کے نام لیوا بھی اس ملک میں سر بلند ہو کر رہ سکیں

چاہتے ہیں۔ کہ سرکار مدینہ کے غلام بھی اس ملک میں عزو وقار کیساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ اگ

ہیں۔ کہ اسلامی تہذیب، اسلامی تمدن، اسلامی لٹریچر اور اسلامی روایات اس ملک میں اپنی

آب وتاب کیساتھ قائم رہیں۔ تو انہیں جلد سے جلد اپنی قوم کیساتھ آملنا چاہیئے، اور اپنی طا

اسلامی مفاد کو ہر قسم کے خطروں سے بچانے کیلئے وقف کر دینی چاہیئے۔ ورنہ بعد میں رونا اور دانت

ختم شد